موضوع حدیث کا حکم اور عذاب قبر جیسے بنیادی عقیدہ کے علاوہ اہم شرعی مسائل پر
المعروف بہ
مجموعہ رسائل نیلوی رحمۃ اللہ علیہ
جلد دوم
حقیقت وسیلہ
موضوع حدیث
عقیدہ عذاب قبر
القول المرعی فی العبر الشرعی
قبر اطہر پر کونسا درود شریف پڑھنا چاہیے؟
رق منشور فی احکام الموتی والقبور
ایصال ثواب اور اہلسنت کا عقیدہ
محمد حسین شاہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ
سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی ہندوستان
محمد کفایت اللہ دہلوی
حسین علی الواں
مکتبہ اشاعۃ العلوم

دنیا میں کسی بھی جگہ علماء جماعت اشاعت التوحید والسنۃ کے تمام تصانیف

Play Store اور Website سے بالکل فری انسٹال / ڈاؤن لوڈ کریں۔

## انسٹال / ڈاؤن لوڈ کرنے کا طریقہ

Play Store سے " مکتبۃ الاشاعت " انسٹال کرنے کے بعد ایپ میں مطلوبہ کتاب ڈاون لوڈ کریں نیز اپنی کتاب کو Website / Play Store پر مفت شائع کرنے کے لیے بھی رابطہ کریں۔

Whataspp:03201914145

**نوٹ**

ویب سائٹ پر جماعت اشاعت التوحید والسنۃ کے تمام تصانیف مثلاََ تفاسیر، فتاویٰ جات، شروح، سوانح حیات، نوٹس، درس نظامی کے کتب وغیرہ دستیاب ہیں آپ وقتاََ فوقتاََ Play Store اور website پر چیک کیا کریں مزید معلومات کے لیے دیے گئے واٹس ایپ نمبر پر رابطہ کریں۔ وہاں آپ کو آسانی کے لئے مطلوبہ کتاب کا link دیا جائے گا اور آپ کو بہترین رہنمائی دی جائے گی جس سے آپ کو مطلوبہ کتاب آسانی سے ملے گا۔ پلے سٹور پر ترجمہ وتفسیر یا سورتوں کے نوعیت والے تصانیف دستیاب ہوں ہیں کیونکہ ایک PDF میں اس کا مطالعہ مشکل ہوتا ہے تو ہم نے آسانی کے لیے ہر ایک پارے کے لیے الگ الگ بٹن بنایا ہے تاکہ قارئین کے لیے پڑھنے میں آسانی ہو باقی تمام نوعیت کے تصانیف مندرجہ ذیل ویب سائیٹ پر دستیاب ہوں گے۔ جو Goggle پر مزکورہ ویب سائیٹ میں سرچ کرنے سے یا ہمارے مندرجہ بالا app " مکتبۃ الاشاعت " کو پلے سٹور سے انسٹال کرنے کے بعد ایپ میں سرچ کرنے سے ملیں گے۔ آسانی کے لیے ویب سائیٹ پر links ملاحظہ کیجئے۔ جزاکم اللہ



ویب سائیٹ maktabatulishaat.com ( مکتبۃ الاشاعت ڈاٹ کام )

روزانہ کی بنیاد پر ہم ویب سائیٹ اور پلے سٹور میں مزید تصانیف شامل کر رہے ہیں اور ان میں مزید بہتری لارہے ہیں۔ نئے شامل شدہ تصانیف کے لئے آپ وقتاََ فوقتاََ ویب سائیٹ اور پلے سٹور کو چیک کیا کریں مزید بہتری کے لیے اپنے قیمتی تجاویز سے ہمیں ضرور آگاہ کریں۔

موضوع حدیث کا حکم اور عذاب قبر جیسے بنیادی عقیدے کے علاوہ اہم شرعی مسائل پر

المعروف بہ

# مجموعہ رسائل نیلوی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ التفسیر والحدیث
مفتی اعظم الشیخ المحقق حضرت مولانا مفتی محمد حسین شاہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ
سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی ہندوستان

جلد دوم

- حقیقت وسیلہ
- موضوع حدیث
- عقیدہ عذاب قبر
- القول المرضی فی القبر الشرعی
- قبر اطہر کو ساری دنیا و عرش سے افضل کہنا کیسا ہے؟
- رد منشور فی حکم الموتی والقبور
- ایصال ثواب اہل سنت کا عقیدہ

مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی
محمد کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

حسین علی الوانی رحمۃ اللہ علیہ

مکتبہ اشاعۃ العلوم

١

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝

# حقیقت وسیلہ

اور

# حدیث لولاک کی تحقیق

مؤلف

شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا علامہ مفتی
سید محمد حسین شاہ نیلوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

# اجمالی فہرست

## جلد دوم

**سوال** دعاء میں انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء اللہؒ کا وسیلہ جائز ہے یا نہیں۔ مثلاً یوں کہے کہ: "اے اللہ! میں فلاں بزرگ کے وسیلہ کے ساتھ دعاء کی قبولیت چاہتا ہوں"۔ (السائل: محمد زاہد بلاک بلا خضر گودھا)

**جواب** قرآن مجید میں انبیاء اور اولیاء کی جس قدر دعائیں بیان کی گئی ہیں۔ ان میں سے کسی ایک دعاء میں بھی کسی نبی' ولی اور صالح آدمی کا وسیلہ مذکور نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید میں دعاؤں کی تلقین فرمائی ہے کہ اس طرح دعاء کیا کرو۔ ان میں سے بھی کسی ایک دعا میں وسیلہ بالذات کا ذکر نہیں۔

○ اسی طرح احادیث صحیحہ میں جس قدر دعائیں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں۔ ان میں سے کسی ایک میں بھی نبی' ولی اور صالح آدمی کا وسیلہ مذکور نہیں۔ اور صحابہ کرام کی دعاؤں میں جو صحیح سند سے ثابت ہیں واسطے اور وسیلہ بالذوات کا ذکر نہیں۔ نہ بحق' نہ بحرمت' نہ بطفیل اور نہ صدقہ۔

○ جب سوال کرنے والا اللہ تعالیٰ سے بحق فلاں یا بوسیلۂ فلاں کہہ کر دعا کرتا ہے تو اس سے سائل کی مراد یہ ہوتی ہے کہ یہ ہستیاں (فرشتہ نبی ولی شہید صالح) اللہ تعالیٰ کے ممتاز برگزیدہ اور مقرب بندے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی درگاہِ عالیہ میں ان کی قدر و منزلت وجاہت حرمت عزت بہت کچھ ہے۔

○ لیکن اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کسی کو سفارشی منصب حاصل نہیں۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

**قرآن** مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ (البقرۃ-۲: ۲۵۵) اور اللہ تعالیٰ کی اجازت انہی لوگوں کے لیے ہے جو اس کے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی اطاعت اور فرمانبرداری کرتے ہیں تو صرف انبیاء کی قدر و وجاہت' ان کی اطاعت اور فرمانبرداری کے بغیر کچھ نفع بخش نہیں۔

○ علامہ سید محمود آلوسی نے روح المعانی میں زیر آیت: وابتغوا الیہ

الوسیلۃ تحریر فرمایا ہے۔ کہ دعاء کی غیر مشروع قسموں میں سے یہ دعاء کرنا ہے کہ اللهم انی اسألك بجاہ فلان کیونکہ سلف صالحین میں سے کسی سے یہ روایت نہیں ملی کہ انھوں نے اس طرح دعاء کی ہو۔ اور نہ اس دور میں وسیلہ' جاہ اور حرمت کے ساتھ کسی صحابی کا عمل ثابت ہے۔ اور جو بعض عوام کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تمھیں اللہ تعالیٰ سے حاجت کی دعاء کرنی ہو تو میرے جاہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے مانگا کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک میرے جاہ کی بہت بڑی عظمت ہے۔ سو اہلِ علم میں سے کسی ایک نے بھی یہ روایت بیان نہیں کی اور نہ ہی حدیث کی کتابوں میں کہیں اس کا ذکر ملتا ہے۔ البتہ بعض ایسی روایات میں اس کا ذکر آتا ہے جو شیعہ کی کتابوں سے اخذ کر کے اہلِ سنّت کہلانے والوں نے اپنی کتابوں میں درج کر دی ہیں۔ چنانچہ :

○ فرمان علی شیعی مترجم نے فتلقی آدم من ربہ کلمات کے تحت لکھا ہے کہ وہ کلمات یہ ہیں : اللھم بجاہ محمد و علی و فاطمۃ والحسن والحسین و الطیبین من آلھم لما تفضلت بقبول توبتی و غفران زلتی و اعادتی من کرامتك الی قربتی (بحوالہ درِ منثور جلد ۱ صفحہ ۱۶)

○ معلوم ہوتا ہے کہ شیعوں نے یہ مسئلہ عیسائیوں سے اخذ کیا ہے۔ دیکھیے عیسائیوں کی کتاب "دعائے عام"۔ جس میں جگہ جگہ وسیلے کا لفظ موجود ہے۔ اس کے علاوہ عیسائیوں کی دیگر کتب میں بھی جا بجا یہ لفظ ہیں : ہمارے خداوند یسوع مسیح کے وسیلے سے۔ آمین۔ صرف تیرے بیٹے اپنے خداوند یسوع مسیح کے ثواب اور شفاعت کے طفیل سے۔ اسے آسمانی باپ ہمارے مبارک خداوند اور منجی یسوع مسیح کی خاطر بخش۔ آمین۔ ہمارے خداوند یسوع مسیح کے ثواب کی بدولت۔ وغیرہ۔

○ نعیم الدین مراد آبادی نے احمد رضا خان بریلوی کے ... قرآن کے حاشیہ پر

لکھا ہے : "اس پریشانی کے عالم میں یاد آیا کہ بوقتِ پیدائش میں نے سر اٹھا کر دیکھا تھا کہ عرش پر لکھا ہے : لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ میں سمجھا تھا کہ بارگاہِ الٰہی میں وہ رتبہ کسی کو میسر نہیں جو محمد مصطفیٰ ﷺ کو حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا نام اپنے نام اقدس کے ساتھ عرش پر مکتوب فرمایا۔ لہٰذا آپ ﷺ نے اپنی دعاء میں ربنا ظلمنا انفسنا الآیۃ کے ساتھ یہ عرض کیا اسالك بحق محمد ان تغفرلی ابن منذر کی روایت میں یہ کلمے ہیں : اللھم انی اسالك بجاہ محمد عبدك وکرامته علیك وان تغفرلی خطیئتی۔۔۔

**مسئلہ** اس روایت سے ثابت ہوا کہ مقبولانِ بارگاہ کے وسیلہ سے دعاء بحق فلاں کہ کر مانگنا جائز اور حضرت آدم ؑ کی سنت ہے۔

**مسئلہ** اللہ تعالیٰ پر کسی کا حق واجب نہیں ہوتا۔ لیکن وہ اپنے مقبول بندوں کو اپنے فضل و کرم سے حق دیتا ہے۔ اسی تفضلی حق کے وسیلہ سے دعا کی جاتی ہے۔ صحیح احادیث سے یہ حق ثابت ہے کہ جیسے وارد ہوا : من امن باللہ و رسولہ و اقام الصلوۃ و صام رمضان کان حقا علی اللہ ان یدخلہ الجنۃ (کنز العرفان صفحہ ۷) "مگر نعیم الدین نے "بحق فلان" کے جواز کی کوئی دلیل پیش نہیں کی۔ اور جو دلیل پیش کی ہے وہ وسیلہ بالاعمال کی دلیل ہے۔ غائب یا میت کے حق سے دعاء مانگنے کا اس میں کچھ ذکر نہیں۔ اس لیے تقریب تام نہ ہوئی۔ یعنی دلیل دعویٰ کے موافق نہ ہونے کی وجہ سے قابلِ قبول نہیں۔

○ نیز نعیم الدین کی پیش کردہ مذکورِ بالا احادیث میں ماسوا اس آخری حدیث کے باقی تمام حدیثیں موضوع ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے الموضوعات جلد ۲ صفحہ ۳ میں لکھا ہے کہ اس حدیث کا راوی عمرو بن ثابت عن ابیہ ابی المقدام متفرد ہے۔ اور سوائے حسین اشقر کے کسی اور نے روایت بیان نہیں کی۔ اور یحییٰ بن معین نے فرمایا کہ عمرو بن ثابت ثقہ آدمی نہیں ہے۔ اور ابن حبان نے کہا ہے کہ یہ بخت محدثین کا نام لے کر من گھڑت روایتیں بیان کرتا تھا۔

اور ایک دوسری روایت جو طبرانی میں مروی ہے۔ اس کا راوی سوار بن مصعب ہے جو متروک الحدیث ہے۔ جیسا کہ مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۱۹۸ میں ہے۔

- امام قدوریؒ اور ان کے علاوہ حنفی علماء نے امام قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ سے نقل فرمایا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے دعاء مانگو تو کسی کا وسیلہ نہ پکڑو۔
- شرح تنویر میں امام علائی نے بحوالہ تاتارخانیہ امام ابوحنیفہؒ سے روایت نقل فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ دعا مانگتے وقت کسی اور کو وسیلہ نہ پکڑو۔
- اور حنفی علماء کی تمام متون کی کتابوں میں لکھا ہے کہ دعاء مانگنے والے کا توسل بحق انبیاء و اولیاء اور بحق البیت یا بحق المشعر الحرام مکروہ تحریمی ہے اور عذاب نار جہنم کے استحقاق میں امام محمدؒ کے نزدیک حرام کی طرح ہے۔ اور اس حرمت کی دلیل سب نے یہی دی کہ خالق پر مخلوق کا کوئی حق نہیں ہوتا۔
- ابن بلدجی نے شرح مختار میں یہی لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کسی اور کے وسیلہ کے ساتھ دعاء مانگنا مکروہ ہے۔ اور اس طرح بھی نہ کہا جائے تیرے فرشتوں یا تیرے نبیوں کے یا اوروں کے وسیلہ سے میں تیرا سوالی ہوں۔ کیونکہ خالق پر مخلوق کا کوئی حق نہیں۔
- ابن عبدالسلام کے فتاویٰ میں بھی اسی طرح مذکور ہے
- امام حصکفی نے در مختار جلد ۲ صفحہ ۲۴۸ میں تحریر فرمایا ہے کہ بحق رسلک، بحق انبیائک، بحق اولیائک، بحق البیت کہنا مکروہ ہے۔
- کنز الدقائق صفحہ ۳۷۳ میں ہے کہ بحق فلاں کہہ کر دعا کرنا مکروہ ہے۔
- زیلعی علی الکنز ج۲: صفحہ ۳۷۳ میں ہے اسی طرح بحق انبیائک، بحق اولیائک، بحق رسلک، بحق البیت، بحق المشعر الحرام کہنا مکروہ ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ پر کسی مخلوق کا کوئی حق نہیں ہے۔ وہ آپ ہی ہے جس کو چاہے اپنی رحمت کے ساتھ مختص فرما دیوے اس پر کوئی چیز واجب نہیں ہے۔

- بزازیہ (علی ہامش الفتاوی الہندیہ عالمگیریہ) میں ہے دعاء میں بحقِ فلان یا بحق محمدؐ کہنا مکروہ ہے۔ کیونکہ مخلوق کا اللہ تعالٰی پر کوئی حق نہیں۔
- سراجیہ صفحہ ۷۲ و شرح وقایہ جلد ۴ صفحہ ۵۹ و ہدایہ اخیرین صفحہ ۴۷۳ میں ہے:
"دعاء میں بحقِ فلان، بحقِ رسلک، بحق انبیائک کہنا مکروہ ہے"۔
- معدن حاشیہ کنز صفحہ ۱۸۷ میں ہے سب علماء کا اجماع ہے اس پر کہ بحق فلاں کہہ کر دعاء مانگنا مکروہ ہے۔ شرح فقہ اکبر صفحہ ۱۶۱ میں ہے۔ قال ابو حنیفة و صاحباہٗ یکرہ ان یقول الرجل اسألك بحق فلان او بحق انبیائك و رسلك و بحق البیت الحرام و المشعر الحرام و نحو ذلك۔
- فتاوی عالمگیری صفحہ ۱۷ میں بحوالہ تبیین مرقوم ہے کہ دعاء میں بحقِ فلان، بحقِ انبیائک، بحقِ اولیائک، بحقِ رسلک، بحقِ البیت، اور بحقِ المشعر الحرام کہنا مکروہ ہے۔
- جامع الصغیر میں ہے کہ اپنی دعاء میں بحقِ نبیک کہنا مکروہ ہے۔ لیکن اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی (زندگی میں) یوں کہتا کہ تیرے نبی کی دعاء سے مانگتا ہوں تو یہ جائز ہوتا۔ اور بعض نسخوں میں لکھا ہے کہ بحق نبیک کہنا مناسب نہیں۔ اور کراہت کا لفظ ذکر نہیں کیا۔ اور صدر شہید نے اپنے نسخے میں اس مسئلے کا ذکر ہی نہیں کیا۔ (خلاصۃ الفتاوی جلد ۴ صفحہ ۳۳۶)
- مختار الفتاوی اور فتاوی غرائب میں ہے: اعطنی بحق فلانٍ کذا و بحق محمدٍ لانہ لا حق لاحد علی اللہ تعالٰی یعنی اس طرح کہنا مکروہ ہے کہ اے اللہ بحق فلان مجھے فلاں چیز دے۔ اسی طرح بحق محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہہ کر دعا مانگنا مکروہ ہے۔ کیونکہ اللہ تعالٰی کے ذمے کسی کا کوئی حق نہیں۔
- نصاب الاحتساب میں ہے: کسی کو شرعی طور پر یہ کہنے کی گنجائش نہیں کہ اسئلك بحق فلانٍ یا بحق انبیائك و رسلك اور اس قسم کے دیگر الفاظ کہے۔
- فتاوی عجیب میں بحوالہ تجرید رکن الدین ابوالفضل کرمانی مرقوم ہے کہ دعاء

میں بحق فلاں۔ بحق رسلك۔ یا بحق انبیائك کہنا مکروہ ہے۔

- جامع الطلبتین الشریفین میں ہے: مکروہ است گفتن در دعا، بمعقد العز من عرشك و بحق رسلك و انبیائك کہ موہم است تعلق عزاو تعالیٰ را بعرش و ہیچ کس را بر خدا حق نیست۔

- نیز شرح عقیدۃ الطحاویہ صفحہ ۱۷ اور البحر الرائق جلد ۸ صفحہ ۲۰۷ و صیانۃ الانسان صفحہ ۱۸۲ اور دیگر کئی کتب میں یہ مسئلہ مذکور ہے۔

- اور حضرت امام ابو حنیفہ اور ان کے شاگردان خاص حضرات امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: یکرہ ان یقول الرجل اسئلك بحق فلان او بحق انبیاءك او بحق رسلك و البیت الحرام و المشعر الحرام و نحو ذلك اذ لیس لاحد علی اللہ حق۔

- قرآن مجید میں ہے: وَابْتَغُوٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ (المآئدۃ۔ ۵: ۳۵) اس لفظ وسیلے کا معنیٰ مفسرین نے قرب لکھا ہے۔ یعنی نزدیکی۔ اور ابن عباس نے وسیلے کا معنی قربت کا لکھا ہے۔ اسی طرح مجاہد، ابو وائل، عطا، قتادہ، حسن بصری، اور عبد اللہ ابن کثیر نے فرمایا ہے۔ نیز ابن جریر نے اسی معنے کو ترجیح دی ہے۔ اسی طرح نیشاپوری، معالم التنزیل، ابن کثیر، ابن زید اور سدی نے بھی یہی معنے اختیار کیے ہیں۔ اور اس کا معنی یہ ہے: نیک اعمال کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب تلاش کرنا۔ جن پر اللہ تعالیٰ راضی ہو۔ اور برے کاموں سے بچنا اور ریاکاری سے اپنی عبادت کو دور رکھنا۔

- نیز وسیلے کے معنی حاجت کے بھی ہیں۔ اور محبت کے معنے بھی ہیں۔ اور جنت میں ایک مقام کا نام بھی وسیلہ ہے۔ جس کے متعلق حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرے لیے وسیلے کی دعا کیا کرو۔ جس کو کوئی نہ پا سکے گا سوائے ایک آدمی کے اور میں امید رکھتا ہوں کہ وہ میں ہی ہوں گا۔ اور یہ وسیلہ اعمال کے ساتھ ہوا یعنی نیک کام کرنا جن میں ایمان بھی آجاتا ہے اور

نماز، روزہ اور تمام اعمالِ صالح بھی جن کا ایک فرد جہاد بھی ہے۔ اور آیت قرآنیہ میں یہی مراد لی گئی ہے۔ چنانچہ و عطف تفسیری کے ساتھ فرمایا: و جاھدوا فی سبیلہ تو مطلب یہ ہوا کہ اے مسلمانو! اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرو۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرو۔

○ مقاییس اللغۃ جلد ۶ صفحہ ۱۰۱ و مجمل اللغۃ جلد ۴ صفحہ ۹۲۵ میں ابن فارس نے لکھا ہے: و س ل دو کلمے ہیں۔ ایک دوسرے سے جدا۔ پہلا رغبت اور طلب کے معنے میں ہے۔ کہا جاتا ہے: وَسَلَ یعنی اس نے رغبت کی۔ اور واسل کے معنی اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کر کے اس کی طرف رغبت کرنے والا۔

○ اور ایک دوسرا معنی چوری کرنے کے بھی ہیں۔ جیسے کہتے ہیں: اَخَذَ اِبِلَہٗ تَوَسُّلًا یعنی اس نے اس کے اونٹ چوری کر کے لے لیے۔

○ اور لیث نے کہا ہے: وسل فلان الی ربہ وسیلۃ یعنی اس نے ایسا کام کیا ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو۔

○ اور شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بھی یہی معنے اختیار کیے ہیں۔ چنانچہ فرمایا: "اے مسلمانان! بترسید از خدا و طلبید قرب بسوئے او"۔ یعنی اے مسلمانو! اللہ سے ڈرو اور اس کے قرب کی تلاش میں رہو۔

○ سید عبدالدائم جلالی نے لغات القرآن جلد ۶ صفحہ ۱۲۵ میں تحریر فرمایا ہے: الوسیلہ اسم۔ قرب، نزدیکی، قرب کا ذریعہ۔ (خطیب فی السراج) یعنی طاعت۔ (سیوطی) امام رازی نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے: الوسیلۃ فعیلۃ من وسل الیہ اذا تقرب الیہ یعنی وسیلہ صفت کا صیغہ بروزن فعیلہ ہے۔ وسل الیہ سے ماخوذ ہے۔ وسل کا معنی ہے: تقرب قریب ہو گیا۔ سیوطی نے آیت پ ۶ رکوع ۱۰ کی تفسیر میں الوسیلہ کی تشریح کی ہے: ما یقربکم الیہ من الطاعۃ وسیلہ وہ چیز ہے جو اللہ کے قریب تم کو

پہنچاوے یعنی طاعت۔ اور آیت ۳۵ رکوع ۶ کی تفسیر میں الوسیلہ کی تشریح کی ہے : القربۃ بالطاعۃ طاعت کے ذریعے سے قرب۔

○ نیز مراقی الفلاح جلد ۱ صفحہ ۱۲۱ میں ہے اللہ کی طرف وسیلہ حاصل کرنے کی حقیقت یہ ہے کہ علم عبادت اور شرعی احکامات کی پابندی کے ذریعے اللہ کی راہ کی رعایت کرنا۔ جس کا حاصل مطلب یہ ہے کہ ان کاموں کو معمول بنانا جن کا حکم دیا گیا ہے۔ اور ان کاموں سے بچنا جن سے رو کا گیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرکے اور ایسے کام کرکے جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہو۔ اللہ کا قرب حاصل کرنا۔ اور حاجات میں اللہ تعالیٰ کو پکار کر اس کا قرب حاصل کرنا۔ یہ وسیلہ بالاعمال ہوا۔ یعنی تمام اعمال صالح ایمان، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، صدقہ، صلہ رحمی، درود شریف وغیرہ یہ سب وسیلے ہیں۔ یعنی تقرب الی اللہ کے اسباب ہیں۔ اور اموات کا توسل شریعتِ مطہرہ میں جائز نہیں۔ اور زندوں کو وسیلہ بنانے کا مطلب ہے ان سے دعا کی درخواست کرنا۔ جیسا کہ قوم موسیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دعا کی درخواست کی تھی۔ (دیکھیے : البقرۃ-۲ : ۶۰ و ۶۸)

○ اسی طرح حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے قحط کے زمانے میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے بارش کے لیے دعا کرنے کی درخواست کی۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دورانِ دعا بارگاہِ الٰہی میں عرض کی کہ یا اللہ! ہم تیرے نبی کی دعا سے تیرا قرب حاصل کرتے تھے تو تو ہمیں پانی دیدیتا تھا اور اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عدم موجودگی میں ان کے چچا کی دعا سے تیرا تقرب حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اس لیے ہمیں پانی دے۔ تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ دعا کرتے رہے اور دوسرے صحابہ بھی دعا کرتے رہے اور حضرت عباس کی دعا پر آمین کہتے رہے۔ حتیٰ کہ بارش ہو گئی۔

اگر اموات کے وسیلہ جائز ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا سے

دعاء کی درخواست نہ کرتے بلکہ براہ راست حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعاء کرتے۔ لیکن ان کا حضور کے وسیلے سے عدول کرنا (جبکہ وہ ہم سے زیادہ علم والے تھے اور اللہ اور رسول کے حقوق سے خوب واقف تھے۔ اور جائز اور ناجائز دعاؤں سے بھی خوب واقف تھے۔) اس بات کی صریح دلیل ہے کہ جو ہستیاں وفات پا چکی ہیں ان کا وسیلہ جائز نہیں۔

**فائدہ** یہ اجتماعی دعاء جس میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے دعا مانگی اور دیگر صحابہ کرام آمین آمین کہتے رہے۔ یہ ان دعاؤں میں سے ہے جو اجتماعی طور پر مانگی جاتی ہیں۔ جن میں دعاء استسقاء اور عرفات کے میدان کی دعاء اور نماز جنازہ میں تیسری تکبیر کے بعد کی دعاء شامل ہیں۔ یا کسی کے کہنے پر غیر قصدی اجتماعی دعاء جو بغیر تداعی کے ہو۔ اور ان کے علاوہ دیگر مواقع پر اجتماعی دعاء کا کوئی ثبوت نہیں۔

**خلاصہ** اعمال صالحہ کی بجا آوری اور اجتناب عن السیئات سے قرب الٰہی حاصل ہوتا ہے۔ اور یہی دو چیزیں وسیلہ ہوئیں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں بلکہ اس پر سب کا اجماع ہے۔

○ اور کنز العرفان صفحے میں جو اثبات وسیلہ کیلئے حدیث بیان کی گئی ہے: من اٰمن باللّٰہ و اقام الصلوٰۃ و صام رمضان کان حقًا علی اللّٰہ ان یدخلہ الجنۃ یعنی جو اللہ پر ایمان لائے جیسے اللہ اپنے ناموں اور صفتوں کے ساتھ متصف ہے اور خالصۃ لوجہ اللہ نماز کی پابندی رکھے اور رمضان شریف کے روزے رکھے تو اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے ایسے شخص کو جنت میں داخل کرنا اپنے ذمے لے لیتا ہے۔ تو اس سے ثابت ہوا کہ ایمان باللہ اور اقامت صلوٰۃ اور رمضان کے روزے جو اعمال ہیں قرب الٰہی کے وسیلے ہیں۔ اور اس بات کا قرآن مجید سے ثبوت بھی ملتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی دعا بیان کرتے ہوئے فرمایا: رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا

فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (آل عمران۔۳: ۱۶) یعنی اے ہمارے رب! ہم نے تیری ہر بات دل و جان سے مان لی ہے۔ اس لیے تو ہمارے گناہوں پر پردہ ڈال اور ہم کو عذابِ جہنم سے بچا۔ اور اسی طرح کئی مقامات پر مومنوں کی دعاؤں میں وسیلہ بالاعمال کا ذکر ہوا۔ مگر قرآن مجید میں کہیں بھی وسیلہ بالذوات یا بالاموات کا ذکر نہیں۔

○ حضرت امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حجۃ اللہ البالغہ جلد ۲ صفحہ ۶ میں فرمایا ہے کہ توسل بالنبی سے مراد درود شریف پڑھنا ہے۔ جیسا کہ فقہاء نے تحریر فرمایا ہے۔ اور احادیث صحیحہ میں بھی آدابِ دعاء میں درود شریف پڑھنے کا ذکر ہے۔

○ نیز آپ نے صفحہ ۳۹۱ میں تحریر فرمایا کہ بعض علماء کہتے ہیں کہ توسل بالنبی سے مراد ہے: "بإیمانی به و بمحبتی له"۔ یعنی "میرا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان ہے۔ اور مجھے ان کے ساتھ محبت ہے"۔ لیکن یہ توجیہ مرجوح ہے۔ کیونکہ عوام کا یہ مقصد نہیں ہوتا۔ اس لیے عوام کو اس سے منع کیا جاتا ہے۔ کیونکہ مقصود عوام کا یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے حبیب کا بڑا لحاظ ہے۔ وہ اپنے حبیب کا کہا ٹال نہیں سکتا۔ حالانکہ اس عقیدہ سے اللہ تعالیٰ کا عجز لازم آتا ہے۔ تعالی اللہ عن ذلك علواً كبيراً۔

○ بہر حال صحابۂ کرام اور سلف صالحین میں سے کوئی بھی دعا میں بوسیلۃ النبی یا بوسیلۃ ولی یا بطفیل نبی یا بطفیل ولی یا بحرمۃ نبی یا بحرمۃ ولی یا بجاہ نبی یا بجاہ ولی نہ کہا کرتا تھا۔ اور نہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعلیم دی اور نہ اس کی ترغیب دی۔ بلکہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے دعاء میں بحق فلاں کہنے سے منع فرمایا ہے۔ جیسا کہ قبل ازیں امام صاحب اور دیگر فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے اقوال گزر چکے ہیں۔

○ بخاری صفحہ ۱۳۷ میں سیدنا انس بن مالک کی روایت ہے: ان عمر بن

الخطاب رضی اللہ عنہ كان اذا قحطوا استسقى بالعباس بن عبدالمطلب فقال اللهم انا كنا نتوسل اليك بنبينا صلی اللہ علیہ وسلم فتسقينا و انا نتوسل اليك بعم نبينا فاسقنا قال فيسقون. یعنی قحط سالی کے زمانے میں امیر المؤمنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ سیدنا عباس بن عبدالمطلب کے توسل سے بارش مانگتے تھے۔ پھر فرماتے: اے اللہ! ہم پہلے تو اپنے نبی کے توسل سے تجھ سے بارش کی دعا مانگتے تھے تو تُو ہمیں بارش عطا فرماتا تھا۔ اور اب ہم عمِ نبی کے توسل سے دعا مانگتے ہیں' اس لیے تُو ہمیں بارش عطا فرما۔

- بخاری کے حاشیے میں ہے کہ یہ الفاظ کہنے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ دعا فرمائیں۔ پھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے دعا کی۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ توسل بالعباس کا مفہوم یہی ہے کہ انھوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے دعا مانگنے کی درخواست کی۔ اور توسل بالنبی کا بھی یہی معنی ہے۔ توسل بالنبی کا معنیٰ اگر وہ ہوجو عوام نے سمجھ رکھا ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ یوں دعا مانگتے: اللهم انا نستسقيك بحق العباس يا بجاه العباس يا بوسيلة العباس اور توسل بالنبی اس طرح کرتے: اللهم انا نستسقيك بحق النبی یا بجاہ النبی یا بوسیلۃ النبی جیسے عوام توسل کرتے ہیں۔
- اسی لیے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ صحابہ کرام کے عرف میں توسل بالذات بول کر توسل بدعائہ مراد ہوتا تھا۔ چنانچہ:
- قاعدہ جلیلہ صفحہ ۴۴ میں ہے: واما التوسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم والتوجه به فی کلام الصحابة فيريدون به التوسل بدعائه وشفاعته.
- نیز آپ نے صفحہ ۴۵ میں فرمایا کہ توسل بالذات صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور میں نہ تھا۔ نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں۔ نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد۔ نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس اور نہ کسی دوسری جگہ۔
- مولانا محمد بشیر سہسوانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے صیانۃ الانسان صفحہ ۱۳۱ میں بحوالہ

الصارم المنکی تحریر فرمایا ہے: و لما مات النبی ﷺ توسلوا بدعاء العباس واستسقوا بہ یعنی جب حضرت نبی کریم ﷺ رحلت فرما گئے تو صحابۂ کرام نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی دعاء سے وسیلہ پکڑا اور آپؓ کی دعا کے ذریعے بارش طلب کی تھی۔ اور عرب لوگوں میں حذفِ مضاف شائع ذائع ہے۔ (دیکھیے ہدایہ حاشیہ صفحہ ---)

○ اسی لیے ہر سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ادع یا ابا الفضل اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے درج ذیل الفاظ میں دعاء کی:

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی دعاء

"اے اللہ! گناہ کے بغیر مصیبت نازل نہیں ہوتی اور توبہ کے بغیر مصیبت دور نہیں ہوتی۔ اور قوم نے مجھے تیرے نبی کی قرابت داری کے باعث تیری طرف متوجہ کیا۔ یہ ہمارے گناہ بھرے ہاتھ تیرے حضور میں حاضر ہیں۔ اور توبہ کے لیے ہماری پیشانیاں جھکی ہوئی ہیں۔ پس ہم پر مینہ برسا دے"۔ تو اللہ تعالیٰ نے دعا قبول کی اور پہاڑوں کی طرح بادل اٹھے اور انھوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے زمین کو سرسبز کر دیا۔ اور لوگوں کو زندگی حاصل ہوئی۔ (عمدۃ القاری جلد ۷ صفحہ ۳۲)

**1** ابن آلوسی کی کتاب "جلاء العینین" میں ہے کہ جب مطلوب منہ غائب ہو یا میت تو توسل فی الدعاء کے عدم جواز میں کوئی عالم شک نہیں کرتا اور حقیقت یہ ہے کہ یہ توسل فی الدعاء بدعات میں سے بدعت ہے۔ سلف میں سے کسی ایک نے بھی میت یا غائب کو وسیلہ بنا کر دعاء نہیں کی۔

○ سلف میں سے کسی ایک سے بھی یہ روایت نہیں ملتی کہ اس نے بجاہِ فلاں کہہ کر دعا کی ہو کسی ایک صحابی سے بھی یہ بات معہود نہیں کہ کسی کی جاہ یا کسی کی حرمت کے ساتھ انھوں نے وسیلہ پکڑا ہو۔ شاید وہ اس لیے بچتے تھے کہ انھیں اس بات کا خطرہ محسوس ہو رہا تھا کہ لوگوں کے ذہن میں یہ چیز نہ

لگ جائے۔ کیونکہ ان اصحاب رسول کا زمانہ اُن بت پرستوں کے زمانہ کے قریب تھا جو اصنام (بتوں) کو اپنی دعا میں وسیلہ پکڑتے تھے۔ پھر ان (صحابہ) کے بعد ائمۂ طاہرین نے بھی انہی کی پیروی فرمائی اور توسل فی الدعاء کے جواز کا حکم نہ دیا۔ اور امام احمد بن حنبلؒ کے پیروکاروں کے دو قول ہیں۔ جن میں سے صحیح قول یہی ہے کہ اللھم انی اسالك بحق فلان یا بجاہ فلان یا بحرمۃ فلان یا ان کے قریب قریب الفاظ مکروہ تحریمی ہیں۔

## حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا فرمان

**۲** حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے وابتغوا الیہ الوسیلۃ کے تحت تحریر فرمایا ہے: "اور اس کا قرب تلاش کرو طاعتوں کے ذریعے۔

- نیز آپ نے فرمایا: وسیلہ کے معنے قرب کے ہیں۔ اہل لغت اور تابعین سب سے یہی معنے مروی ہیں۔ اور قرب کا بہترین ذریعہ احکام الٰہی کی تعمیل ہے۔
- جن لوگوں نے وسیلہ کے تحت میں مرحوم بزرگانِ دین کی استعانت اور فوت شدہ انبیاء و اولیاء سے استغاثہ جائز رکھا ہے انھوں نے عربی کے وسیلہ بمعنیٰ قرب کو اردو کے وسیلہ بمعنیٰ ذریعہ کا مرادف سمجھ لیا ہے۔ اور ایسی شدید و فاحش غلطیاں نادر نہیں کثیر الوقوع ہیں۔ علامہ آلوسی نے بڑے بسط و تفصیل سے اس موضوع پر گفتگو کی ہے۔ اور لکھا ہے کہ: واما اذا کان المطلوب منہ میتاً او غائباً فلا یستریب عالم انہ غیر جائز و انہ من البدع التی لم یفعلھا احد من السلف۔ یعنی میت یا غائب شخص سے دعا کرانے کے ناجائز ہونے میں کسی عالم کو شک نہیں۔ اور یہ ایک ایسی بدعت ہے جس کا ارتکاب سلف میں سے کسی نے بھی نہیں کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ ولم یرو عن احد من الصحابۃ رضی اللہ عنہم وھم احرص الخلق علی کل خیر انہ طلب من میت شیئاً یعنی حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے بڑھ کر نیکی اور ثواب کا حریص اور کون ہوا ہے۔ لیکن کسی ایک صحابی سے بھی منقول

نہیں کہ انھوں نے صاحبِ قبر سے کچھ طلب کیا ہو۔

- صحابیوں میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا اتباعِ سنّت ضرب المثل کی حد
تک شہرت رکھتا ہے۔ ان کی حالت یہ تھی : قد صح عن ابن عمر
رضی اللہ عنہما انہٗ کان یقول اذا دخل الحجرة النبویة زائراً السّلام علیك یا
رسول الله السّلام علیك یا ابابکر السّلام علیك یا ابت ثم
ینصرف ولا یزید علیٰ ذٰلك ولا یطلب من سید العٰلمین صلی اللہ علیہ وسلم او من
ضجیعیه المکرمین رضی اللہ عنہما شیئاً وهم اکرم من ضمنته البسطة وارفع
قدراً من سائرِ من احاطت به الافلاك المحیطة یعنی جب روضۂ نبوی
میں زیارت کے لیے داخل ہوتے تو صرف اس قدر کہتے : السّلام علیك یا
رسول الله السّلام علیك یا ابابکر السّلام علیك ابا جان اور اس
سے زائد کچھ نہ کہتے۔ نہ کچھ مانگتے۔ نہ سرورِ عالم سے' نہ ان کے ان مقربین
(ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ) سے۔ دراں حالیکہ سارے زمین اور آسمان کی
مخلوقات میں ان سے بڑھ کر اور کون ہو سکتا ہے۔

- روضۂ مبارک کے سامنے دعا کرنے سے بڑھ کر کونسی شے مقبول ہو سکتی
ہے۔ لیکن فقد کانت الصحابة تدعوا الله تعالیٰ هناك مُستقبلین
القبلة ولم یرو عنهم استقبال القبر الشریف عند الدعاء مع انهٗ
افضل من العرش۔ یہاں بھی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اللہ تعالیٰ ہی سے دعا کرتے
تھے۔ قبلہ رخ ہو کر۔ اور یہ نہیں کرتے تھے کہ دعا کرتے وقت قبرِ شریف کی
طرف منھ کر لیں۔ باوجود اس کے کہ وہ مقام عرش سے بھی افضل ہے۔

- حضرت مولانا دریابادی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علامہ سید محمود آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ
کے قول : "مع انهٗ افضل من العرش" پر اپنے حاشیہ میں تحریر فرمایا کہ
علامہ آلوسی کے اس آخری قول پر کوئی دلیل نظر سے نہیں گزری۔ اہلِ علم
خوب جانتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت علامہ آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ

کا یہ بے سند قول ناقابل التفات ہے۔ چہ جائیکہ اس بے سند قول پر اپنے عقیدے کی بنیاد استوار کی جائے۔

○ اور تو اور سلام پڑھتے وقت تک کے لیے واختلف الائمۃ فی استقبالہ عند السّلام فعن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ انہٗ لایستقبل بل یستدبر و یستقبل القبلۃ۔ یعنی ائمہ میں اختلاف ہے کہ منھ کس طرف رکھنا چاہیے۔ لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اس موقع کے لیے بھی یہی ہے کہ منھ قبر شریف کی طرف نہ کرے۔ بلکہ ادھر پشت رکھے اور چہرہ قبلہ شریف کی طرف رہے۔

○ غرض یہ کہ بعض اہل بدعت نے لفظ وسیلہ سے جو اپنے لیے پناہ ڈھونڈی ہے وہ سر تا سر بودی اور بے بنیاد ہے۔

## حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کا فرمان

**۳** حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی آیت کے تحت تفسیر بیان القرآن کے حاشیہ پر مسائل السلوک میں تحریر فرمایا ہے: وسیلہ بمعنی تقرب ہے۔ جس ذریعہ طاعات کا کرنا اور معاصی کا چھوڑنا ہے۔ اور توسل بالصالحین کے مسئلہ کو اس آیت سے کوئی مس نہیں۔

## سحبان الہند مولانا احمد سعید رحمہ اللہ تعالیٰ کا فرمان

**۴** سحبان الہند رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ زیر بحث آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ اے ایمان والو اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت سے بچتے رہو اور تمام منہیات شرعیہ سے بچتے رہو۔ اور اللہ تعالیٰ کی جناب میں تقرب کا ذریعہ تلاش کرو۔ اور چونکہ حضرت حق کی جناب میں تقرب نیک اعمال سے ہی ہو سکتا ہے اس لیے نیک اعمال کرتے رہو اور منجملہ دوسرے نیک اعمال کے خاص طور پر مجاہدانہ زندگی اختیار کرو تاکہ تم دین و دنیا دونوں میں اپنے مقصد اور اپنی مراد سے ہم آغوش ہو سکو۔

○ یاد رہے کہ ترجمۃ القرآن المسمّٰی بہ کشف الرحمٰن مع تیسیر القرآن و تسہیل القرآن وہ ترجمہ ہے جس کو سحبانُ الہند حضرت الحاج الحافظ مولانا احمد سعید صاحب دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے علماء کی ایک موقر جماعت کے مشورہ سے کیا ہے۔ اور جس کو مفتیِ اعظم حضرت مولانا محمد کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی سرپرستی اور نگرانی حاصل رہی۔ اور اس پر مندرجہ ذیل اکابر علماءِ حق نے تقاریظ تحریر فرمائیں۔

(١) شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ
(٢) حضرت مولانا حافظ سید حمید صاحب امام جامع مسجد دہلی
(٣) حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ مفتی دار العلوم دیوبند
(٤) حضرت مولانا عبد الوہاب صاحب آروی رحمہ اللہ تعالیٰ صدر آل انڈیا اہلِ حدیث کانفرنس دہلی
(٥) حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند
(٦) حضرت مولانا قاری محمد ادریس صاحب شیخ دہلوی سابق مدرس مدرسہ عربیہ مسجد فتح پوری دہلی
(٧) حضرت مولانا فخر الدین صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند
(٨) حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور
(٩) حضرت مولانا محمد سعید صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ مہتمم مدرسہ جامع اسلامیہ ڈابھیل ضلع سورت
(١٠) حضرت مولانا مولوی مفتی حافظ محمد حافظ صالح صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ خطیب سورتی جامع مسجد ١٣٩ مغل اسٹریٹ رنگون
(١١) حضرت علامہ مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ جیکب لائن کراچی
(١٢) حضرت مولانا سید اعزاز علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ شیخ الحدیث و الادب دار العلوم دیوبند
(١٣) حضرت مولانا عبد الصمد صاحب رحمانی رحمہ اللہ تعالیٰ نائب امیر شریعت صوبہ بہار

## مفتیِ اعظم ہند رحمہ اللہ تعالیٰ کا فتویٰ

**٥** محدث کبیر مفتیِ اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے وسیلہ بالذوات کے متعلق دریافت کیا گیا کہ:

**سوال** اگر کوئی اللہ تعالیٰ سے مدد مانگے اور یہ کہے: "بحق النبی و آلہ الامجاد"

کیا یہ جائز ہے؟۔ تو اس کے جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا:

**جواب** "بحق النبی و آلہ الامجاد" کہنا منع ہے۔ (کفایۃ المفتی جلد ۲ صفحہ ۵۶)

**علامہ شامی کا مسئلۂ توسل کے متعلق مشہور فتویٰ**

**۶** علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ وسیلے کے بارے میں توجیہات ضعیفہ اور تاویلات رکیکہ و سخیفہ کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: اقول: لکن ھذہ کلھا احتمالات مختلفۃ مخالفۃ لظاھر المتبادر من ھذا اللفظ و مجرد ایھام اللفظ ما لا یجوز کاف فی منع کما قدمناہ فلا یعارض خبر الآحاد فلذا واللہ اعلم اطلق ائمتنا المنع علی ان ارادۃ ھذہ المعانی مع ھذا الایھام فیھا الاقسام بغیر اللہ وھو مانع اخر تأمل۔ میں ابن عابدین کہتا ہوں کہ بیشک بحق فلاں کا جواز ثابت کرنے کے لیے بعض نے یہ احتمالات نکالے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ بحق فلاں کا لفظ بول کر اس سے جو معنے متبادر معلوم ہوتے ہیں۔ یہ مذکورہ بالا احتمالات ان کے سراسر مخالف ہیں۔ اور شرع شریف کا ایک مشہور

**قاعدہ** ہے کہ جس لفظ کے کئی معنے ہو سکتے ہوں اور ان میں سے ایک معنیٰ ایسا ہو جس کی رو سے وہ لفظ بولنا ناجائز ہو جاتا ہو تو وہ معنیٰ اس لفظ کی ممانعت اور عدم جواز کے لیے کافی ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔ اس لیے معارضہ میں خبر آحاد پیش نہیں کی جا سکتیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے علماء نے اس قول سے مطلقاً منع فرمایا ہے۔ اور عدم جواز کی دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ ایسے معنے کے ہوتے ہوئے قسم لغیر اللہ کا وہم پیدا ہو جاتا ہے۔ اس لیے توسل بالذوات دو وجہ سے منع ہے۔

**۷** ہمارے شیخ الشیخ حضرت مولانا عبد الحی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ایک اصولی

**قانون** بیان فرمایا: "ایں چنیں عبارات کہ محتمل معنیٰ غیر مشروع باشند اگرچہ مراد ازانہا معنیٰ صحیح باشد تکلم بآں ناجائز است و نقل کفر اگرچہ کفر نیست لیکن خالی از

سوءِ ادبی نیست"۔ یعنی اس طرح کی عبارتیں کہ جن میں غیر شرعی معنے کا احتمال ہو اگرچہ ان عبارتوں سے صحیح معنی ہی مراد لیں، تب بھی ان کا بولنا ناجائز ہے۔ اور نقل کفر اگرچہ کفر تو نہیں لیکن بے ادبی سے خالی بھی نہیں۔

۸

دبی زبان میں مفتیِ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے فتاوے امداد المفتین جلد ۶ صفحہ ۱۵۲ میں فرمایا ہے کہ:

"صاحب مزار کو وسیلہ بنا کر دعا کرنا بھی مجمع میں نہ چاہیے"۔ لیکن علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا مذکورِ بالا فتویٰ واضح ہے۔ جس سے ان لوگوں کی تردید ہوجاتی ہے جو اس کی توجیہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

"بحقِ فلان کہنے سے منع کرنے کا مقصد معتزلہ کی تردید تھی"۔ چنانچہ:

بعض علماء کا خیال ہے کہ بحق فلاں کہنا درست ہے۔ اور معنے یہ ہیں کہ جو تُونے اپنے احسان سے وعدہ فرمالیا ہے اس کے ذریعے سے مانگتا ہوں۔ مگر معتزلہ اور شیعہ کے نزدیک حق تعالیٰ پر لازم ہے۔ اور وہ بحق فلان کے یہی معنے مراد رکھتے ہیں۔ سو اس واسطے معنیٔ موہم اور مشابہ معتزلہ ہوگئے تھے۔ لہٰذا اس لفظ کا بولنا منع کردیا ہے۔ تو بہتر ہے کہ ایسا لفظ نہ کہے جو رافضیوں کے ساتھ تشابہ ہوجائے۔ اور ان کا کہنا ہے کہ آج کل اہلِ اعتزال نہیں ہیں اس لیے تشبہ اہلِ اعتزال کے ساتھ نہیں آتا، لہٰذا یہ کہنا جائز ہے۔ مگر ان علماء نے یہ نہیں سوچا کہ رافضی بھی یہی کہتے ہیں جو آج کل موجود ہیں۔ اس لیے بحق فلان کہنے سے رافضیوں کے ساتھ تشبہ لازم آتا ہے۔ جو اہلِ اعتزال سے زیادہ خطرناک ہیں۔ کیونکہ اہلِ اعتزال کو آج تک اہل السُّنّت والجماعت کے علماء میں سے کسی نے کافر نہیں کہا۔ جبکہ رافضیوں کے کئی فرقوں پر اہل السُّنّت والجماعت کے علماء کی طرف سے کفر کا فتویٰ لگایا گیا ہے۔

بہرحال ایسے موہم امور سے اجتناب کا حکم لگانا زمانۂ حال میں بھی اسی طرح ضروری ہے جیسا کہ پہلے زمانے میں ضروری تھا۔

۹ فتویٰ عدم جواز یا شیخ صفحہ ۲۶ میں ہے: حضرت مولانا محمد فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں آیات اور احادیث صحیحہ اسی پر دال ہیں کہ مصیبت اور حاجت اور مرض وغیرہ میں حق تعالیٰ ہی سے دعا کرنی چاہیے۔ خدا تعالیٰ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حبیب کو اس واسطے مبعوث فرمایا تھا کہ اس زمانے میں مخلوق اپنے خالق کو چھوڑ کر انبیاء اور اولیاء اللہ کی تصویریں بنا کر ان سے التجا کرتے تھے اور ان کو اپنا وسیلہ سمجھتے تھے۔ خدا نہیں جانتے تھے۔ لیکن معاملات ان کی قبور اور تصاویر سے ایسے کرتے تھے جو خدا تعالیٰ سے کرنے چاہییں۔ ان رسوم کو جناب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے نیست و نابود کرکے خدا پرستی پر سب کو لگایا۔ اب چند عرصے سے بوجہ جہالت کے لوگ پھر انھی رسوم کے پابند ہوگئے۔ پس علماء کو ضرور ہے کہ ایسے رسوم سے منع کرتے رہیں۔

۱۰ بلوغ الارب جلد ۲ صفحہ ۲۰۰ میں بت پرستوں کا عقیدہ لکھا ہے من کان لا یعترف الملئکۃ کان یقول الشفیع والوسیلۃ منا الی اللہ ھی الاصنام المنصوبۃ۔ فرشتوں کے منکر مشرکین کا عقیدہ تھا کہ ہماری طرف سے اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ اور وسیلہ بھی یہی گھڑے ہوئے بت ہیں۔ اور سفارشی بھی یہی ہیں۔

۱۱ تحفۃ الہند صفحہ ۸۷ میں ہے ہندوؤں کے فرقہ نیایک کا عقیدہ ہے کہ خدا اپنی پیدا کی ہوئی ایک صورت سے تعلق پکڑتا ہے اور اس کے وسیلے سے لوگوں کو ایک کتاب پہنچاتا ہے۔

۱۲ مولانا عبد الحق حقانی رحمۃ اللہ علیہ نے ما نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفی کے تحت اپنی تفسیر میں تحریر فرمایا ہے کہ مشرکین بتوں کو وسیلہ سمجھ کر پوجتے تھے۔

۱۳ مولانا ابو الکلام آزاد رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ترجمان القرآن صفحہ ۱۳۶ میں فرمایا ہے کہ اس آسمانی ہستی کے علاوہ گزرے ہوئے انسانوں کی روحیں بھی تھیں جنھیں دوسرے عالم میں پہنچ کر تدبیر اور تصرف کی طاقتیں حاصل ہوگئی تھیں، اور

اس لیے پرستش کی مستحق کبھی گئی تھیں۔ ہر خاندان اپنی معبود روحیں رکھتا تھا اور ہر علاقہ اپنا مقامی خدا۔۔۔۔ اجداد پرستی کے عقائد نے اس آسمانی خدا کے ساتھ مل کر ایسی نوعیت پیدا کر لی گویا آسمانی خدا تک پہنچنے کا ذریعہ گزری ہوئی روحوں کا وسیلہ اور تشفع ہے۔

○ روحانی تصورات میں وسیلے کا اعتقاد ہمیشہ عابدانہ پرستش کی نوعیت پیدا کر لیتا ہے۔ چنانچہ یہ توسل بھی عملاً تعبد تھا۔ اور ہر طرح کے دینی اعمال اور رسوم کا مرکزی نقطہ بن گیا تھا۔

**۱۴** شیخ التفسیر پیر طریقت حضرت مولانا الحاج محمد عبد اللہ بہلوی نقشبندی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اسی موضوع پر ایک مستقل رسالہ مسمّٰی بہ "وسیلہ رفیعہ" تحریر فرمایا ہے۔ سطور ذیل میں یہ رسالہ نقل کیا جاتا ہے۔ تاکہ آپکے متوسلین اور معتقدین پر اس مسئلہ کی حقیقت منکشف ہو جائے:

## وسیلہ رفیعہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی جعل اتباع الانبیاء وسیلۃ لقربہ واتباع الھویٰ مفضیۃ الیٰ غضبہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر خلقہ محمد ﷺ خاتم انبیائہ وعلیٰ اٰلہ واصحابہ الذین اھتدوا بھدیہ وسیرتہ وعلیٰ اتباعھم دائمین عدد خلقہ رضیٰ نفسہ ومداد کلماتہ وزنۃ عرشہ اٰمین

○ اما بعد جاننا چاہیے کہ وسیلہ کا معنی لغت میں "نزدیکی جستن چیزے" کا ہے۔ کہا جاتا ہے توسل الی اللہ وسیلۃ اذا تقرب الیہ بعمل یعنی اللہ تعالیٰ کا قرب جب عمل صالح سے کرے تو اس وقت توسل الی اللہ کہا جاتا ہے۔ (صراح)

○ اور کبھی بمعنے "قرب" کے ہوتا ہے۔ جیسے: ان یبتغیان الوسیلۃ یعنی

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قرب عطا فرمایا یعنی اس قرب سے زائد بدرجہا جو پہلے سے ہے۔

○ توسل دو قسم پر ہے۔ جائز و ناجائز۔ جائز وہ ہے جو قرآن مجید و حدیث شریف سے ثابت ہے۔

○ مشرکین لات، عزیٰ وغیرہ سے جاتے آتے اٹھتے بیٹھتے مدد طلب کیا کرتے تھے۔ کہتے تھے: باللات و العزیٰ اس کے بجائے اللہ تعالیٰ نے ہمیں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سکھائی کہ مسلمان کا استمداد اللہ رحمٰن رحیم سے ہونا چاہیے۔ سورۂ فاتحہ دعا ہے: اھدنا الصراط المستقیم الآیۃ۔ مگر ہمیں وسیلہ پکڑنے کی بھی اکمل سکھائی کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرو۔ الحمد للہ سے مالک یوم الدین تک یہی ہے۔ پھر نیاز و غلامی پیش کرو۔ ایاک نعبد و ایاک نستعین میں یہی ہے۔ پھر اپنا غرض و مطلب و درخواست پیش کرو۔ چنانچہ اھدنا الصراط المستقیم آخر تک یہی ہے۔ جس کا جواب ہمیں ذلک الکتب لا ریب فیہ ھدی للمتقین سے ملا کہ ہدایت اگر چاہتے ہو تو یہ قرآن مجید ہے۔ اس پر عمل کرو۔ راہ یاب ہو جاؤ گے۔ راہ یاب ہونے پر ہدیٰ و فلاح کو مرتب کیا۔ اولئک علی ھدی من ربھم و اولئک ھم المفلحون۔ آخر سورہ میں ہمیں وسیلہ پکڑنے کا طریق سکھایا۔

○ اٰمن الرسول بما انزل الیہ من ربہ والمؤمنین کل اٰمن باللہ وملئکۃ وکتبہ و رسلہ لانفرق بین احد من رسلہ و قالوا سمعنا و اطعنا غفرانک ربنا والیک المصیر۔ الآیۃ۔ (پ۳ اخیر بقرہ)

**ترجمہ:** ایمان لایا ہے رسول نے جو کچھ اترا اس پر اس کے رب کی طرف سے۔ اور مسلمانوں نے سب نے مانا اللہ کو اور اس کے فرشتوں کو اور کتابوں کو اور رسولوں کو (کہا) ہم جدا نہیں کرتے کسی کو اس کے رسولوں میں سے (ملتے ہیں) اور بولے ہم نے سنا اور قبول کیا۔ تیری بخشش چاہیے۔ اے رب ہمارے! اور تجھی تک رجوع ہے۔ [آیۃ]

○ سب کو معلوم ہے کہ دعا، غفرانك سے شروع ہوئی ہے۔ اور اس سے پہلے کی عبارت درگاہِ خداوندی جل شانہٗ میں بطور وسیلہ کے لائی گئی ہے۔

**حاصل** یہ ہے کہ اے رب! آپ کی بخشش مومنوں کے لیے ثابت ہے۔ اور ہم مومن ہیں۔ پس ایمان باللہ وغیرہ اور عمل صالح معنا و اطعنا سے وسیلہ ہوا بخشش مانگنے کا۔

○ اسی طرح جب حضرت عیسٰیؑ کے حوارییّن نے دعا کی تو یہ حیلہ وسیلہ لائے:

ربنا اٰمنا بما انزلت و اتبعنا الرسول فاکتبنا مع الشٰھدین۔

**ترجمہ** اے رب! ہم نے یقین کیا جو تُو نے اتارا۔ اور ہم تابع ہوئے رسول کے۔ سو لکھ لے ہم کو زمرۂ شہداء سے یعنی اکمل امت سے۔

○ ظاہر ہے کہ دعا، فاکتبنا ہے۔ اور پہلے کی چیزیں درخواست کے قبول ہونے کیلیے وسیلہ ہیں۔ اسی طرح سورۂ آل عمران کے اخیر رکوع میں ہے:

ربنا اننا سمعنا منا دیا ینادی للایمان ان اٰمنوا بربکم فاٰمنا ربنا فاغفرلنا ذنوبنا۔ الآیہ۔

**ترجمہ** اے رب ہمارے ہم نے سنا ایک پکارنے والے کو کہ ایمان لاؤ اپنے رب پر۔ سو ہم ایمان لائے۔ اے پروردگار ہمارے بخش ہم کو گناہ ہمارے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ دعا ربنا فاغفرلنا ہے۔ اس سے پہلے کی عبارت عرض قبول کرانے کیلیے وسیلہ ہے۔ وہ ایمان باللہ و بالرسول ہے۔

○ مطلب دو قسم ہیں ① حاجت روا ہونا۔ ② دکھ دور ہونا۔

○ حاجت روائی کا طریق تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور فاتحہ میں سکھلایا۔

○ اور دکھ دور ہونے کا طریقہ آخر قرآن مجید میں اشارۃً و صراحۃً فرمایا۔ اول توحید کا اقرار سورۂ اخلاص میں۔ پھر دکھ دور ہونے کا طریقہ۔ اگر دنیوی دکھ ہو سورۂ فلق میں، اور دینی دکھ ہو سورۂ ناس میں بتلایا۔ توحید کا اعتقاد و اقرار اور پناہ بہ خدائے تعالیٰ ہی دکھ دور کرتا ہے۔

○ انسان ہمیشہ اپنے رب تعالیٰ سے سوال کرتے ہوئے ان اسباب کا وسیلہ ڈھونڈتا ہے جو اس کے مطلوب کے مقتضی ہیں۔

ایک طریقہ تو وہی ہے جو مذکور ہوا۔ ایمان و اعمالِ صالحہ جن پر اللہ تعالیٰ نے ثواب دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔ مخلص اس کا یہ ہے کہ اپنے ایمان و اعمال صالحہ کے توسل سے دعاء درخواست کرے۔ چنانچہ نماز کی مشہور حدیث میں ان تین آدمیوں نے اپنے اعمالِ صالحہ کے توسل سے دعاء کی۔ اور اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا۔

(۲) دوسرا طریقۂ توسل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مومن بندوں سے (جو مستجاب الدعوات ہیں) دعاء کرائے۔ جیسے کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کبریا میں حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے چچا عباس رضی اللہ عنہ کی دعاء سے توسل کیا کرتے تھے۔ صحیح بخاری میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ دعاء منقول ہے جس کا خلاصہ ترجمہ یہ ہے:

○ بار خدایا جب ہم پر قحط سالی آتی تھی تو ہم تیری درگاہ میں اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے توسل کیا کرتے تھے۔ اور تو ہماری دعاء قبول فرما کر ہمیں پانی دیا کرتا تھا۔ اور بیشک اب ہم آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس رضی اللہ عنہ کے واسطے سے توسل کرتے ہیں۔ بار خدایا ہمیں پانی دے۔ روایت میں مذکور ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ ان کو پانی دیتا تھا۔

**الحاصل** یہ ہوا کہ حضرت پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارک میں آپ سے توسل کرتے تھے۔ یعنی آپ سے دعاء کرایا کرتے تھے۔ اور آپ کی وفات کے بعد آپ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ سے توسل کرتے۔ یعنی دعاء کرائی اور ان کو شفیع بنایا۔

○ <u>توسل کے یہ معنے نہیں کہ صرف کسی کا نام لے کر دعاء کی جائے۔</u>

(۳) سوم طریقۂ توسل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ اور اس کی صفاتِ علیا کے توسل سے دعاء مانگے۔ جیسا کہ سُنن میں یہ دعاء منقول ہے: اللهم

انی اسألك بأن لك الحمد و انت الله بدیع السموٰت و الارض یاذاالجلال والاکرام یاحی یاقیوم (یا جیسے کہ) اللهم انی اسئلك بأنك انت الله الاحد الصمد الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن له کفوا احد۔

○ اور وہ دعائیں جو عوام میں مشہور ہیں جن کو تعویذ فروش لکھا کرتے ہیں: اسألك باحتیاط قاف و ھو یوف الحاف [illegible] جس کے معنے معلوم نہ ہوں یا آپ کے صحابہ و تابعین اور ائمۂ دین و صلحاء امت سے منقول نہیں ان چیزوں پر حلف کھانا یا اللہ تعالیٰ سے ان کا واسطہ دے کر درخواست کرنا جائز نہیں۔

④ چہارم طریقۂ توسل کا یہ ہے کہ کلام پاک کے ساتھ توسل کرے: اللهم انی اسألك بکل اسم ھو لك سمیت به نفسك او انزلته فی کتابك او علمته احدا من خلقك گو اس میں بھی اسم کا توسل ہے۔ مگر "وہ کہ تیری کتاب میں منزل ہے" تو اس سے کتاب کا بھی توسل ہوگیا۔ نیز ایمان بالکتاب بھی توسل ہے جیسا کہ کل اٰمن باللہ وملئکته و کتبه و رسله میں مذکور ہے۔

⑤ پنجم طریقۂ توسل یہ ہے کہ انس بن النضیر (انس بن نضر) نے کہا جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قصاصاً ربیع کے دانت توڑنے کا حکم دیا تو انس رضی اللہ عنہ نے کہا مجھے اس خدا تعالیٰ کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا نبی کرکے بھیجا ہے کہ ربیع کا دانت نہیں توڑا جائے گا۔ اس پر فریق ثانی نے قصاص ثانی نے قصاص کا مطالبہ چھوڑ دیا۔ اور دیت پر راضی ہوگئے۔ جس سے انس بن النضیر (انس بن نضر) کی قسم پوری ہوگئی۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان من عباد الله من لواقسم علی الله لابره (رواہ البخاریؒ) اللہ تعالیٰ کے بندوں میں ایسے بندے بھی ہیں جو اگر قسم کھا کر خدا تعالیٰ سے کوئی التماس پورا کرانے پر اصرار کریں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو پورا کرتا ہے۔

○ اسی طرح براء بن مالک رضی اللہ عنہ نے بھی کہا تھا کہ بار خدایا میں تجھے قسم دیتا ہوں

کر تو ایسا کرے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس کی قسم پوری کی۔

(۶) ششم طریقۂ توسل وہ ہے جس کو اہلِ سُنن نے روایت کیا ہے۔ ترمذی نے اس کو صحیح الاسناد کہا ہے کہ ایک شخص نے آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں میرے لیے دعا کیجیے کہ مجھے آنکھیں بخش دے۔ آپ نے اس کو حکم دیا کہ وضو کرکے دو رکعت نماز پڑھے اس کے بعد یہ کہے کہ بار خدایا میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیرے نبی الرحمۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنا کر تیری طرف توجہ کرتا ہوں یا محمد یارسول اللہ میں آپ کو وسیلہ بنا کر اپنے رب تعالیٰ کی طرف اپنی حاجت کے بارے میں متوجہ ہوتا ہوں کہ وہ اس کو پورا کرے۔ بار خدایا! آپ کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما۔ اس کا

**حاصل** یہ ہے کہ سائل نے آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء کو وسیلہ بنا کر بارگاہِ الٰہی جلّ شانہٗ میں اس کو شفیع لایا۔ اور اس میں اللہ تعالیٰ سے اس بات کی استدعاء ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت یعنی دعاء کو اس کے حق میں قبول فرمائے۔

(۷) ہفتم طریقۂ توسل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے آگے گڑگڑائے۔ زاری کرے۔ درخواست کرے۔ دعاء زاری وسیلہ ہے۔ رحمت لانے کا ادعونی استجب لکم مجھ سے مانگو۔ میں ہی قبول کروں گا۔ حدیث شریف میں ہے: من لم یسئل یغضب علیہ جو اللہ تعالیٰ سے سوال نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوتا ہے۔ دعاء ہی جالبِ رحمت ہے۔ دعاء ہی دافعِ بلاء ہے۔ دعاء ہی رفعِ درجات ہے۔ تمام عبادتیں دعاء ہی ہیں۔ دعاء ہی مخ العبادۃ ہے۔ مگر اس طریق سے جو سنّت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم و سنّت صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین و اولیائے کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم سے صحیح ثابت ہیں۔ اور جو آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم و صحابۂ کرام و تابعین و ائمۂ مجتہدین سے ثابت نہیں اگر جائز کیا ہے تو صحیح تاویل میں لاکر جائز کیا ہے۔ مثلاً:

- الٰہی بجاہِ فلاں، خدایا بحق بنی فاطمہ، الٰہی بحرمتِ شیخ فلاں و بہ برکتِ فلاں اور مثل اس کے جو سُنّت صحابہ و تابعین و ائمۂ مجتہدین سے ثابت نہیں۔
- نشر الطیب میں ہے کہ حرمت و برکت وغیرہ کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! یہ بزرگ میرے اعتقاد میں تیرے مقبول ہیں۔ اور مجھے تیرے مقبولین سے تیرے باعث محبت و پیار ہے۔ اسی سبب سے میرا فلاں مطلب و مقصد پورا فرما، یا میرے پر رحمت فرما، یا میرا خاتمہ ایمان پر فرما۔
- جاہ کا معنی قدر و شوکت والے ہیں، حرمت بمعنی تعظیم ہے۔ یعنی تیری عبادت کے باعث تعظیم والے یا برکت والے ہیں۔
- روح المعانی پارہ ششم آیت: وابتغوا الیہ الوسیلۃ پر اس جیسی تاویل و معنے کیا ہے اور فرمایا کہ ایسے الفاظ سلف صالحین خیر القرون میں مستعمل نہ تھے۔ اور عام تمام اکثر امت کے خاص و عام میں یہ الفاظ مستعمل ہیں۔ اگر کہا جائے کہ ایسے الفاظ ممنوع ہیں تو تمام یا اکثر امت کی تخطیہ و تغلیط ہوگی۔ اس لئے جائز تاویل کی جائے۔ تاکہ سب کو گنہگار نہ کہا جائے۔
- پس جو الفاظ شجرہ و سلسلہ نقشبندیہ و قادریہ چشتیہ وغیرہ میں مستعمل ہیں وہ اس تاویل میں مؤول ہیں۔ خوب سمجھ لو۔ قیامت کا حساب سخت ہے۔ ابھی سے حساب صاف۔ تمت الرسالۃ الی موضع الحاجۃ۔

**نوٹ** یہ رسالہ محترم محمد صدیق صاحب النقشبندی القادری مہاجر انبالوی نے اپنے پیر و مرشد حضرت بھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی اجازت سے خالد پریس سرگودھا سے چھپوا کر شائع کیا تھا۔

(ایڈیٹر)

<u>وسیلہ کا شرعی حکم</u>

- پس حکم شرعی کے لحاظ سے وسیلہ دو قسم ہے ایک مشروعہ جو شرع سے ثابت ہے دوسرا غیر مشروعہ جس کا ثبوت شرع میں نہیں ہے۔ بلکہ وہ اختراعیہ ہے۔ وسیلۂ مشروعہ کے کئی انواع ہیں۔

① اسماء وصفاتِ الٰہیہ کا وسیلہ: کتاب و سنت سے ثابت ہے۔ جیسا کہ: قرآن مجید میں ہے: وللّٰہ الاسماء الحسنٰی فادعوہ بہا یعنی اللہ تعالیٰ کے اچھے اچھے نام ہیں ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کو پکارو۔ کتب حدیث میں کتاب الدعوات میں اسم اعظم اور اس سے دعا کرنے کا ذکر احادیث میں وارد ہے۔

② اعمالِ صالحہ کا وسیلہ: یہ بھی کتاب و سنت سے ثابت ہے۔ اور "وابتغوا الیہ الوسیلۃ" سے باتفاق مفسرین اعمالِ صالحہ سے قرب حاصل کرنا ہی مراد ہے۔ جیسے: واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ یعنی اللہ تعالیٰ سے صبر و نماز کے ذریعہ سے وہ طلب کرو اور احادیث صحاح میں تین غار والوں کا قصہ مشہور ہے۔ جنھوں نے کہا تھا: انظروا اعمالا عملتموہا للّٰہ صالحۃ فادعوا اللّٰہ بہا لعلہ یفرجہا کہ تم اپنے اعمالِ صالحہ کو دیکھو پھر ان کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ سے دعاء کرو تاکہ اللہ تعالیٰ اس بلا کو ٹال دے۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا، فوراً قبولی ہوئی۔ پس اصل وسیلہ اعمالِ صالحہ کا ہے جو مامور بہا اور جملہ مسلمین کا معمول بہا ہے۔

③ بحرمت، بصدقہ، بطفیل، بواسطہ، بحق، بوسیلہ اور اس قسم کے الفاظ نہ کسی صحابی سے ثابت ہیں نہ کسی تابعی و دیگر ائمہ دین سے منقول و مروی ہیں۔۔۔۔۔
صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں خشک سالی کا زور ہوا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا پہلے ہم ایام قحط میں تیرے نبیؐ سے دعا کرواتے تھے اور انہی دعاؤں کی قبولیت کا ان کو وسیلہ بناتے تھے تو تُو باران رحمت برساتا تھا۔ اب جب کہ نبیؐ دنیا سے رخصت ہوگئے تو ہم اپنے نبیؐ کے چچا کو وسیلہ بناتے ہیں۔ یعنی اب ہم ان سے بارش کی دعاء منگواتے ہیں۔ یا الٰہی! تُو باران رحمت برسا اور قحط سالی دور فرما۔ پس حضرت عمرؓ کے اس قصہ سے تمام اشکال و اوہام رفع ہوگئے۔ نیز توسل کے معنے صاف ہوگئے کہ توسل سے مراد دعاء ہے نہ کہ آپ ﷺ کے اسم مبارک یا آپ ﷺ کی قبر کا

توسل۔ اگر ایسا توسل جائز ہوتا تو حضرت عمرؓ اور باقی صحابہؓ آپ ﷺ کے نام یا آپ ﷺ کی قبر کو چھوڑ کر کبھی حضرت عباسؓ کے توسل کی طرف رجوع نہ کرتے۔ یعنی اگر نبیؐ کا وسیلہ جائز ہوتا تو حضرت عمرؓ ادع یا ابا الفضل کہنے کی بجائے اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہو کر کہتے کہ: اے اللہ! حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے یا آپ ﷺ کی قبر مبارک کے وسیلہ سے بارش برسا۔

## وسیلہ کا جائز اور شرعی حکم

- حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا اور تمام احکام شرعیہ میں آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی اتباع کرنا اور آپ ﷺ کی سنّت کی نصرت اور احیاء سے آپ ﷺ کی محبت کا ثبوت دینا اور آپ ﷺ کی توقیر کرنا وسیلہ ہے جو عین اسلام اور ذریعۂ نجات و کامیابی ہے۔
- حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا مشروع وسیلہ ہے۔ ہر دعا کے اول و آخر درود شریف پڑھیں تو دعا قبول ہوتی ہے۔ اگر تمام حاجتوں کیلئے صرف درود ہی کو ورد بنالیں تو کافی ہے۔ کیونکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے: إذاً تكفى همك وتكفر لك ذنبك کہ گناہ دور کرنے اور غم و فکر دور کرنے کے لیے تیرے لیے درود شریف پڑھنا ہی کافی ہے۔
- کسی زندہ نیک آدمی سے عرض کر کے دعاء کرانا۔ اور اس کی دعاء کے ذریعے اور وسیلہ سے بارگاہِ الٰہی میں قبولیت چاہنا۔ جیسا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں صحابۂ کرامؓ آپ ﷺ سے دعاء کی درخواست کرتے تھے۔ چنانچہ:
- بخاری شریف میں ہے کہ قحط کے موقع پر قریش نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دعاء کی درخواست کی۔ آپ ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر دعاء کی۔ جو بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہوئی اور خوب مینہ برسا اور اہلِ مکہ کو قحط سے نجات مل گئی۔
- ہجرت کے موقع پر سراقہ نے آپ ﷺ کا تعاقب کیا۔ جب گھوڑا دھنس گیا تو اس نے آپ ﷺ سے دعا کی درخواست کی۔ آپ ﷺ نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اسے مصیبت سے نجات عطا فرمائی۔

○ کئی حدیثوں میں ہے کہ مدینہ منورہ میں قحط پڑا۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے کہ ایک اعرابی نے آکر کہا: یارسول اللہ! مویشی ہلاک ہوگئے۔ لوگ بھوکوں مرگئے۔ آپ ﷺ بارگاہِ الٰہی میں دعا فرمائیں کہ وہ ہم کو سیراب کرے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے دعا فرمائی۔ اسی دن مینہ برسا اور اگلے جمعہ تک برستا رہا۔ دوسرے جمعہ میں مکانات گرنے کی شکایت کرکے بارش روکنے کی دعاء کا مطالبہ کیا تو آپ ﷺ نے دعاء کی اور بارش تھم گئی۔

○ لیکن یہ سلسلہ آپ ﷺ کی زندگی تک جاری رہا۔ جب دنیا سے رخصت ہوئے تو دیگر صالحین سے بطورِ وسیلہ دعا منگوائی گئی۔ جیسا کہ امیرالمؤمنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ نے عمِ نبی سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے توسل سے دعاء منگوائی۔ اور اپنی دعاء میں ان کا ذکر کرکے بارگاہِ الٰہی میں ان کی دعا کے توسل سے بارش عطا کرنے کی درخواست کی۔

**فائدہ** بنبینا بمعنی بدعاء نبینا ہے اور بعم نبینا بمعنی بدعاء عم نبینا ہے۔ کیونکہ بعض طرق میں آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے چچا سے دعا کروانا اور ان کا دعا کرنا مذکور ہے۔ اور

**قانون** ہے: بعض الاحادیث یفسر البعض۔ کہ بعض احادیث بعض کی تفسیر کرتی ہیں۔

○ اسی طرح امیرالمؤمنین سیدنا امام معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے یزید بن اسود جرشی رضی اللہ عنہ سے دعاء کروائی: اللھم نستسقی بیزید بن الاسود یا یزید ارفع یدیک فرفع یدیہ ودعا ودعا الناس حتی امطروا (صیانۃ الانسان صفحہ ۳۷۹) یعنی اے اللہ! ہم یزید بن اسود کی دعاء کے ذریعے تجھ سے بارش مانگتے ہیں! اے یزید آپ ہاتھ اٹھائیے۔ یزید نے ہاتھ اٹھا کر دعاء کی۔ اور لوگوں نے بھی دعا کی، تو بارش ہوگئی۔ پس توسل بالاحیاء جائز ہے اور متوارث چلا آرہا ہے۔ اور اس پر جمیع مسلمین کا اجماع ہے۔

⑥ اللہ تعالیٰ کے نام کو عباد اللہ الصالحین (ملائکہ، انبیاء، اولیاء، صلحاء) میں سے کسی

ایک کی طرف مضاف کرکے دعا مانگنا بھی جائز ہے۔ یہ بھی ایک قسم کا وسیلہ ہے، مثلاً: اللھم رب جبرائیل و میکائیل و اسرافیل و محمد ﷺ یا اللھم رب ابراھیم و موسیٰ و عیسیٰ یا اللھم رب محمد و فاطمۃ و زینب ورقیۃ و ام کلثوم و رب حسن و حسین و امامۃ و علی بن زینب و عبد اللہ بن رقیۃ یا اللھم رب الشیخ عبد القادر الجیلانی و رب اسمٰعیل الشہید و رب شاہ اسحٰق وغیرھم پس وسیلہ کے چھ اقسام بالاتفاق بلاتردد جائز اور منصوص ہیں ان میں شرک و بدعت کا کوئی شائبہ نہیں۔

## غیر مشروع وسیلے

① غیر مشروع وسیلوں میں سے ایک یہ ہے کہ کسی نبی یا ولی کی قبر کے پاس کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا یہ عقیدہ رکھ کر کہ اس بزرگ کی قبر کے پاس کھڑے ہونے سے دعا قبول ہوتی ہے۔ یہ بدعت و ناجائز ہے۔ کسی دلیل شرعی سے اس طرح دعا کرنا ثابت نہیں ہے۔

② کسی نبی یا ولی کی قبر پر کھڑے ہو کر اس کو پکار کر کہنا: "یا سیدی فلان ادع اللہ لی۔ اے فلاں بزرگ میرے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کر" یہ بھی ناجائز اور بدعت ہے۔

③ کسی نبی ولی کی قبر پر کھڑا ہو کر اس کو پکار کر کہنا کہ "اے فلاں بزرگ مجھ کو شفا دے اور میری مصیبت دور کر"۔ یہ شرک جلی ہے۔ غیر اللہ کو پکارنا، اس سے مدد لینا، حاجت روائی اور مشکل کشائی پر اس کو قادر تصور کرنا اور اس کا تقرب حاصل کرنا یہ عبادت غیر اللہ اور شرک ہے۔

④ کسی نبی، ولی، فرشتہ، جن کو کسی جگہ سے پکارنا اور اس سے حاجت مانگنا اور کہنا کہ: "اے فلاں بزرگ اے فلاں میری حاجت پوری کر فلاں مصیبت دور کر مجھے اولاد دے میرا قرض اتار دے"۔ اور عقیدہ یہ ہو کہ یہ بزرگ میرے سوال کو سنتا ہے، میرا حال جانتا ہے، عالم الغیب

ہے 'قضائے حاجات پر قادر ہے۔ جیسا کہ جہلاء کہتے ہیں :

امداد کن امداد کن از بندِ غم آزاد کن
در دین و دنیا شاد کن یا شیخ عبد القادرا

تو یہ صریح شرک ہے کیونکہ عالم الغیب والشہادۃ اور قادرِ مطلق بجز اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں اور ایسا عقیدہ رکھنے والا بلاشبہ مشرک ہے۔

⑤ کسی نبی یا ولی کو مخاطب کر کے غائبانہ کسی جگہ سے پکارنا کہ "اے فلاں بزرگ آپ میرے لیے اللہ تعالیٰ سے دعاء کریں کہ فلاں حاجت پوری ہو یا مصیبت دور ہو"۔ تو یہ وسیلہ بھی بدعت ہے اور چونکہ دعاء مانگنے والا اس بزرگ کو عالم الغیب اور سمیع الکل سمجھتا ہے اس لیے شرک بھی ہوا۔

⑥ اللہ تعالیٰ کو خطاب کر کے یہ دعا کرے اللھم بحق فلان یعنی "اے اللہ فلاں بزرگ کے حق سے یہ میری حاجت پوری کر یا فلاں بزرگ کی حرمت سے' یا فلاں بزرگ کے طفیل سے' یا فلاں ولی کے وسیلے سے میری مصیبت دور کر دے"۔ یہ صورت بھی قرآن اور صحیح حدیث سے ثابت نہیں' نہ صحابہؓ کا اس پر تعامل تھا۔ بلکہ صحابہؓ کا اجماع ہے کہ وہ زندہ ہستیوں کی دعاء کو وسیلہ بناتے رہے ہیں۔ کسی کی شخصیت کو وسیلہ نہیں بنایا۔ پس توسل بالاموات کے جملہ اقسام غیر مشروع ہیں۔

سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ
اِلَّآ اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ
وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ
اَجْمَعِيْنَ

**سوال** کیا یہ حدیث صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "یارسول اللہ! اگر میں آپ ﷺ کو پیدا نہ کرتا تو کائنات کی کوئی چیز پیدا نہ کرتا"۔

(محمد احسان جماعت نہم شاہوالی ضلع سرگودھا)

**جواب** عام طور پر مشہور ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "لولاك لما خلقت الافلاك"۔ اور کہا جاتا ہے کہ یہ حدیث صحیح اور متواتر ہے یا کم از کم مشہور ہے۔ لیکن اہلِ علم کی تحقیق سے واضح ہوتا ہے کہ یہ کلام جو زبان زدِ عام و خاص ہے تین وجوہ سے قابلِ رد ہے۔

اس حدیث کے قابلِ رد ہونے کی پہلی وجہ

○ اس حدیث کے ناقابلِ اعتبار اور قابلِ رد ہونے کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ایسا غیر فصیح کلام نہ تو افصح العرب حضرت محمد ﷺ کی معصوم زبان مبارک سے صادر ہو سکتا ہے اور نہ ہی زبانوں اور لغات کے خالق حضرت حق تعالیٰ شانہٗ کا کلام ہو سکتا ہے۔ بلکہ یہ غیر فصیح عبارت موضوع اور من گھڑت ہے۔ جو کسی عربیت سے ناواقف عجمی نے عربی قوانین کا لحاظ کیے بغیر اپنے دل سے گھڑلی اور اسے حدیث کا نام دیدیا۔ جس میں لولاك اور افلاك کا سجع بنادیا گیا ہے۔ اور لوگوں نے سجع عبارت سن کر سمجھا کہ واقعی یہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی کلام ہوگا۔ حالانکہ اس عبارت کے موضوع ہونے کی تصریح بڑے بڑے ائمہ حدیث نے کی ہے۔ مثلاً:

○ حضرت علامہ محدث محمد طاہر صدیقی فتنی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے مجمع بحار الانوار جلد ۳ صفحہ ۵۱۲ اور تذکرۃ الموضوعات صفحہ ۸۶ میں وضاحت فرمائی ہے۔ اور

○ حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے موضوعاتِ کبریٰ صفحہ ۵۹ میں بیان فرمایا ہے۔ اور ان کے علاوہ دیگر محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی کتابوں میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔

- اس قسم کی غیر فصیح عبارت کو افصح العرب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ تعالےٰ کی طرف منسوب کرنا مناسب نہیں۔ کیونکہ اس میں ایک کلمہ ایسا ہے جو شاذ قلیل الاستعمال اور غیر فصیح ہونے کے ساتھ ساتھ نحوی قانون کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ:
- لولا ان کلمات میں سے ہے جو لازم الابتداء ہیں۔ اور صرف مبتداء پر داخل ہوتے ہیں۔ جس کی خبر کا حذف ہونا ضروری ہے۔ اور اس کے بعد جواب کا آنا بھی ضروری ہے۔ سو وہ جواب اگر جملہ مثبتہ ہے تو عام طور پر اس پر لؔ تاکیدیہ آتا ہے۔ اور اگر وہ جواب جملہ منفیہ مُصدّر بہ ماؔ ہے۔ تو اس پر لؔ نہیں آتا۔ اور اگر منفی بہ لمؔ ہے۔ تو لم ہی آئے گا۔ اور تاکید کا حرف اس کے ساتھ نہ آئے گا۔ جیسے: لَوْلَا زَیْدٌ لَاَکْرَمْتُكَ اس مثال میں لولا کے بعد زید جو مبتداء ہے۔ اور اس کی خبر مَوْجُوْدٌ محذوف ہے۔ اور اس کے بعد لاکرمتك جملہ مثبتہ ہے۔ جس پر لؔ تاکیدیہ لایا گیا ہے۔
- اسی طرح لولا زید ما جاء عمرو اس مثال میں لولا کے بعد زید مبتداء ہے۔ جس کی خبر موجود محذوف ہے۔ اور اس کے بعد جملہ منفیہ مُصدّر بہ ماؔ ہے۔ اسی لیے اس پر لؔ تاکیدیہ نہیں آیا۔ اور لولاك لما خلقت الافلاك میں دو قانونی سقم ہیں۔
- ایک تو یہ کہ لولا کے بعد كؔ ضمیر متّصل منصوب یا مجرور ہے۔ جبکہ لولا کے بعد مبتداء مرفوع ہوتا ہے۔ جس کا عامل معنوی ہوتا ہے۔ اور مبتداء منصوب یا مجرور نہیں ہوتا۔
- اور دوسرا سقم یہ ہے کہ اس عبارت میں لولا کا جواب جملہ منفیہ ماضی مُصدّر بہ ماؔ ہے جس پر نحوی قانون کے مطابق لؔ تاکید کا آنا جائز نہیں۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے: لَوْلَا اَنْتَ مَا اهْتَدَیْنَا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو ہم راہ راست نہ پاتے۔ اس مثال میں انت ضمیر مرفوع منفصل مبتداء ہے۔

جس کی خبر کا حذف ہونا ضروری ہے۔ اور ما اهتدینا جملہ منفیہ ماضی مصدر بہ ما ہے اور اس پر لَ تاکید کا نہیں آیا۔ اور لولاك لما خلقت الافلاك میں جواب لولا کا جملہ منفیہ ماضی مصدر بہ ما ہے۔ اور اس پر لَ تاکید کا لایا گیا ہے جو خلافِ قانون ہے۔

اس حدیث کے قابلِ رد ہونے کی دوسری وجہ

- اس حدیث کے ناقابلِ اعتبار ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ روایت بے سند ہے۔ اور احادیث کے بیان میں سند کا ہونا ضروری ہے۔ جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: لولا الاسناد لقال من شاء ما شاء۔ کہ اگر اسناد کا سلسلہ نہ ہوتا تو ہر کوئی جو جیسا چاہتا حدیث بنا کر کہتا رہتا۔

اس حدیث کے قابلِ رد ہونے کی تیسری وجہ

- اور اس حدیث کے قابلِ رد ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ خالق ارض و سما نے قرآن مجید میں تخلیق ارض و سماء کی جو وجہ بیان فرمائی ہے یہ حدیث اس کے معارض ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ یعنی ہم نے آسمان زمین کو اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے بغیر حکمت کے نہیں بنایا۔ یعنی یہ سب کچھ اظہارِ حق اور اثباتِ توحید کے لیے پیدا کیا ہے۔ تا کہ کائنات کا ذرہ ذرہ ہماری قدرتِ کاملہ پر شہادت دے۔
- نیز فرمایا: مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ یعنی ہم نے جنوں اور آدمیوں کو اسی غرض سے پیدا کیا ہے۔ کہ وہ ہماری عبادت کریں۔
- نیز اس من گھڑت کلام سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی غرض آسمانوں کی تخلیق سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی تھی نہ کہ اظہارِ حق و اثباتِ توحید اور عبادتِ الٰہی۔

○ امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے السنن الکبریٰ جلد ۹ صفحہ ۳ و ۴ میں امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب الام جلد ۴ صفحہ ۱۵۹ اور احکام القرآن جلد ۲ صفحہ ۳ کے حوالے سے تحریر فرمایا ہے: قال الشافعی قال اللہ عزوجل ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ قال الشافعی (معناہ) خلق اللہ الخلق لعبادتہ یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں نے جنوں اور آدمیوں کو اسی غرض سے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا۔

### "معناہ صحیح" کہنا بھی صحیح نہیں

**شبہ:** جہاں بعض علماء نے اس حدیث کو نقل کرنے کے ساتھ ساتھ اسے نحوی لحاظ سے غیر فصیح اور موضوع و من گھڑت قرار دیا ہے تو وہاں معنوی لحاظ سے اس کی تصحیح بھی فرمائی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث کے موضوع ہونے کے باوجود معنیً صحیح ہونے کی وجہ سے اس حدیث کے مطابق عقیدہ رکھنا جائز ہے۔

**جواب:** اہل تحقیق علماء کرام نے اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ یہ حدیث جس طرح لفظاً غلط ہے اسی طرح معنیً بھی صحیح نہیں۔ چنانچہ سعودی عرب کے مطبوعہ فتاویٰ اللجنۃ الدائمۃ للبحوث العلمیۃ والافتاء جلد ۱ صفحہ ۳۰۸ و ۳۰۹ میں عصر حاضر کے محقق مفتیان کبار نے اپنے فتویٰ میں تحریر فرمایا:

**سوال:** "لولاك لما خلقت الافلاك" اهذا حديث موضوع او ضعيف؟

**ترجمہ:** لولاك لما خلقت الافلاك۔ یہ حدیث موضوع ہے یا ضعیف ہے۔

**جواب:** ذكره العجلوني في كشف الخفاء ومزيل الالباس عما اشتهر من الاحاديث على ألسنة الناس وقال: قال الصغاني انه موضوع، ثم قال: واقول: لكن معناه صحيح وان لم يكن حديثا. نقول بل هو

باطل لفظاً و معنیً۔ فان اللہ تعالیٰ انما خلق الخلق لیعبدوہ کما قال سبحانہ : ﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴾ ولم یثبت حدیث عن النبی ﷺ یدل علیٰ ان الخلق خلقوا من اجلہ لا الافلاک ولا غیرھا من المخلوقات وذکرہ محمد بن علی الشوکانی فی الفوائد المجموعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ وقال : قال الصغانی موضوع۔ ومما یدل علیٰ ذٰلک قولہ تعالیٰ ﴿ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴾ (الطلاق-۶۵ : ۱۲) وصلی اللہ علیٰ نبینا محمد و آلہ و صحبہ وسلم۔

**ترجمہ** عجلونی نے کشف الخفاء و مزیل الالباس عما اشتہر من الاحادیث علی السنۃ الناس میں اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ امام صغانی نے اسے موضوع کہا ہے۔ اور پھر کہا کہ میں کہتا ہوں کہ اس عبارت کے معنے صحیح ہیں۔ اگرچہ یہ حدیث نہیں ہے۔

- مگر ہم کہتے ہیں کہ یہ حدیث لفظاً و معنیً ہر لحاظ سے باطل ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو مخلوق اس لیے پیدا فرمائی ہے تا کہ لوگ اس کی عبادت کریں۔ چنانچہ فرمایا : وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون یعنی جنوں اور انسانوں کو پیدا کرنے میں صرف یہ حکمت ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔

- نیز حضرت نبی کریم ﷺ سے کوئی ایسی حدیث ثابت نہیں جو اس بات پر دلالت کرے کہ مخلوق نبی کریم ﷺ کی خاطر پیدا کی گئی آسمان ہوں یا اس کے سوا کوئی دوسری مخلوق۔

- نیز محمد بن علی شوکانی نے "الفوائد المجموعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ" میں لکھا ہے کہ صغانی نے اس کو موضوع کہا ہے اور اس کی دلیل آیت قرآنی : اللہ الذی خلق سبع سمٰوٰت و من الارض مثلھن یتنزل الامر بینھن

لتعلموا ان اللہ علی کل شئ قدیر و ان اللہ قد احاط بکل شئ علماً○
ہے۔ یعنی اللہ ہی تو ہے جس نے تہ بہ تہ سات آسمان پیدا کیے اور انہی کی طرح زمین۔ آسمان و زمین میں انتظامی احکام وقتاً وقتاً نازل کرتے رہتے ہیں۔ تاکہ تم لوگوں کو معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے، نیز یہ معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کا علم سب چیزوں پر حاوی ہے۔

اس فتویٰ پر درج ذیل علماء مفتیان عظام نے دستخط فرمائے:

① الرئیس عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز
② نائب رئیس اللجنہ عبد الرزاق عفیفی
③ عضو ۱ عبد اللہ بن غدیان
④ عضو ۲ عبد اللہ بن قعود

⑤ نیز مشہور محدث اور نقاد حضرت امام شمس الدین ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ اور بہت سے اہل علم نے اس بات سے آگاہ فرمایا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ جس کی صحت کے لیے کوئی بنیاد نہیں۔ جیسا کہ سعودی عرب کے مطبوعہ فتاویٰ اللجنۃ الدائمۃ للبحوث العلمیۃ و الافتاء جلد ۱ صفحہ ۳۱۷ میں عصر حاضر کے محقق مفتیان کبار نے اپنے فتویٰ میں تحریر فرمایا:

**سوال** هل صحيح إن السماء والارض ما خلقت الا لاجل محمد ﷺ؟

**ترجمہ** کیا یہ بات صحیح ہے کہ آسمان اور زمین صرف حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر پیدا کیے گئے ہیں؟

**جواب** ليس ذلك بصحيح بل خلق الله سبحانه الثقلين الجن و الانس لعبادته وحده لا شريك له قال تعالى: ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ وسخر تعالى ما في السموت وما في الارض لعباده. قال تعالى: ﴿وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ﴾ الآية. و خلق السموت و الارض ليعلم عباده كمال علمه و كمال

قدرته. کما قال تعالیٰ: ﴿ اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّ مِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وَّ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا ﴾

**ترجمہ** یہ بات صحیح نہیں ہے۔ بلکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ثقلین یعنی جنوں اور انسانوں کو محض اپنی یکتا ذات کی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔ جس کا کوئی شریک نہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: و ما خلقت الجن و الانس الا لیعبدون یعنی میں نے جنوں اور آدمیوں کو اسی حکمت سے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔ اور آسمانوں اور زمین میں جس قدر چیزیں ہیں سب کی سب اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے تابع کر دی ہیں۔ محض اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں۔ جیسا کہ اللہ پاک نے فرمایا ہے: وسخر لکم ما فی السمٰوٰت و ما فی الارض جمیعًا منه (الآیه الجاثیة۔۴۵: ۱۳) اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اسی اللہ تعالیٰ نے محض اپنے کرم سے ان سب کو تمہارے کام میں لگا رکھا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین اس لیے بنائے تا کہ اس کے بندوں کو اللہ تعالیٰ کے کمال علم اور کمال قدرت کا یقین ہو جائے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ الذی خلق سبع سمٰوٰت و من الارض مثلهن یتنزل الامر بینهن لتعلموا ان الله علی کل شیء قدیر و ان الله قد احاط بکل شیء علمًا ○ (الطلاق۔۶۵: ۱۲) یعنی اللہ تعالیٰ ہی تو ہے جس نے تہ بر تہ سات آسمان پیدا کیے اور انہی کی طرح زمین بھی بنائی آسمان اور زمین میں انتظامی احکام وقتاً فوقتاً نازل ہوتے رہتے ہیں۔ تا کہ تم لوگوں کو معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ کا علم سب چیزوں پر حاوی ہے۔

○ اپنے فتویٰ کے آخر میں ان مفتیان کبار نے سائل کو مخاطب کر کے زیر بحث حدیث کو موضوع اور بے بنیاد قرار دیتے ہوئے خصوصیت کے ساتھ فرمایا:

○ واما الحدیث الذی اشرت الیہ فھو موضوع۔ لا اساس لہ من الصحۃ کما نبہ علی ذلک اھل العلم ومنھم الذھبی۔

**ترجمہ** اور رہی وہ حدیث جس کی طرف آپ (سائل) نے اشارہ کیا ہے سو وہ موضوع ہے۔ جس کی صحت کے لیے کوئی بنیاد نہیں۔ جیسا کہ اہل علم نے اس سے آگاہ فرمایا ہے۔ اور ان میں سے نقاد امام شمس الدین ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی ہیں۔ وباللہ التوفیق۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

○ اس فتویٰ پر درج ذیل علماء مفتیانِ عظام نے دستخط فرمائے:

① الرئیس عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز
② نائب رئیس اللجنہ عبد الرزاق عفیفی
③ عضو: عبد اللہ بن غدیان
④ عضو: عبد اللہ بن قعود

**الحاصل** جن علماء نے یہ حدیث بیان کر کے: "معناہ صحیح" لکھا ہے۔ اہل تحقیق کے نزدیک ان کا یہ کہنا بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ "معناہ صحیح" کہنے والوں نے اس کی کوئی معقول وجہ بیان نہیں کی۔ بلکہ دیلمی اور ابن عساکر کے حوالے سے دو حدیثیں لکھی ہیں۔ جو بذاتِ خود بھی لولاک لما خلقت الافلاک کی طرح موضوع معلوم ہوتی ہیں۔ کیونکہ اس میں بھی نحوی قانون کے لحاظ سے سقم پایا جاتا ہے۔ اور قرآن مجید کی آیات مبارکہ سے ثابت ہونے والے عقیدہ کے بھی خلاف ہے۔

○ ان تمام شواہد کی رو سے یہ حدیث قابلِ رد ہے۔ بلکہ محدثین کبار کے نزدیک اسے حدیث کہنا بھی درست نہیں۔ اور اس کا نقل کرنا صرف رد کی غرض سے جائز ہے۔ ورنہ اسے نقل کرنا بھی جائز نہیں۔

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ
كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهٗ ۚ أَلَيْسَ فِيْ
جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝

# موضوع حدیث
## کسے کہتے ہیں؟
اور
# اس کا بیان کرنا
# جائز ہے یا نہیں؟

مؤلف

شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا علامہ مفتی
سید محمد حسین شاہ صاحب نیلوی رحمۃ اللہ علیہ

سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

سوال: موضوع حدیث کسے کہتے ہیں۔ نیز موضوع حدیث کو فضائل و مسائل اور استدلال میں بیان کرنا جائز ہے یا نہیں۔ (حافظ عبدالسلام توحیدی توحید آباد)

جواب: لغت کے لحاظ سے "موضوع" کا معنی ہے گرائی ہوئی یا ساقط کی ہوئی چیز۔

- مختلف علوم و فنون میں اس لفظ کا اطلاق مختلف معنوں میں ہوتا ہے۔ جبکہ محدثین کرام کی اصطلاح میں ایسی من گھڑت اور بناوٹی روایت کو "موضوع حدیث" کہا جاتا ہے جس کی نسبت جھوٹ موٹ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی جائے۔ لیکن فضائل و مسائل یا کسی مسئلہ میں دلیل کے طور پر اس قسم کی موضوع حدیث کا بیان کرنا حرام ہے۔ کیونکہ:
- حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار کہ جو شخص جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھے گا تو اُسے دوزخ کی آگ کو اپنا ٹھکانا سمجھ لینا چاہیے۔
- حضرت امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مبارک دو سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ (تنزیہ الشریعہ ص ۱۰)

○ حضرت علامہ ابن جوزیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اٹھانوے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے روایت فرمائی ہے۔ جن صحابہؓ کا نام اس روایت کے راویوں میں شامل ہے وہ ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

١. امیر المؤمنین سیدنا امام ابوبکر صدیق
٢. امیر المؤمنین سیدنا امام عمر فاروق
٣. امیر المؤمنین سیدنا امام عثمان ذی النورین
٤. امیر المؤمنین سیدنا امام علی المرتضیٰ
٥. امیر المؤمنین سیدنا امام معاویۃ بن ابی سفیان
٦. امیر المؤمنین سیدنا امام عبداللہ بن زبیر
٧. ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ
٨. ام المؤمنین سیدہ حفصہ
٩. سیدنا ابوبکرہ
١٠. سیدنا ابو ذر غفاری
١١. سیدنا ابو رافع مولیٰ رسول اللہ
١٢. سیدنا ابو رمثہ (رفاعہ تیمی)
١٣. سیدنا ابو سعید خدری
١٤. سیدنا ابو عبیدۃ بن الجراح
١٥. سیدنا ابو عقیل لاحق بن مالک
١٦. سیدنا ابو قتادہ
١٧. سیدنا ابو قرصافہ جندرۃ بن خیشنہ
١٨. سیدنا ابو کبشہ انماری
١٩. سیدنا ابو موسیٰ اشعری
٢٠. سیدنا ابو موسیٰ غافقی
٢١. سیدنا ابو میمون الازدی
٢٢. سیدنا ابو ھریرہ
٢٣. سیدنا ابو ہند الداری
٢٤. سیدنا ابی بن کعب
٢٥. سیدنا اسامۃ بن زید
٢٦. سیدہ اُمّ ایمن حاضنۃ رسول اللہ
٢٧. سیدنا انس بن مالک
٢٨. سیدنا اوس بن اوس
٢٩. سیدنا براء بن عازب
٣٠. سیدنا بریدۃ بن الحصیب
٣١. سیدنا جابر بن سمرہ
٣٢. سیدنا جابر بن عابس العبدی
٣٣. سیدنا جندع بن ضمرۃ الانصاری
٣٤. سیدنا جہجاہ الغفاری
٣٥. سیدنا حبیب بن حبان
٣٦. سیدنا حذیفۃ بن اسید
٣٧. سیدنا حذیفۃ بن الیمان
٣٨. سیدنا خالد بن عرفطۃ
٣٩. سیدہ خولۃ بنت حکیم
٤٠. سیدنا رافع بن خدیج۔

۴۱ سیدنا زبیر بن العوام
۴۲ سیدنا زید بن ارقم
۴۳ سیدنا زید بن ثابت
۴۴ سیدنا سائب بن یزید
۴۵ سیدنا سبرۃ بن معبد
۴۶ سیدنا سعد بن مالک
۴۷ سیدنا سعد بن المدحاس
۴۸ سیدنا سعید بن زید
۴۹ سیدنا سفینہ مولیٰ رسول اللہ ﷺ
۵۰ سیدنا سلمان بن خالد
۵۱ سیدنا سلمان الفارسی
۵۲ سیدنا سلیمان بن صرد
۵۳ سیدنا سلمۃ بن الاکوع
۵۴ سیدنا سہل بن حنظلیہ
۵۵ سیدنا سہل بن سعد
۵۶ سیدنا صدی بن عجلان ابوامامہ باہلی
۵۷ سیدنا صہیب رُومی
۵۸ سیدنا طارق بن الاشیم
۵۹ سیدنا طلحہ بن عبید اللہ
۶۰ سیدنا عبد الرحمٰن بن عوف
۶۱ سیدنا عبداللہ بن ابی اوفیٰ
۶۲ سیدنا عبداللہ بن جراد
۶۳ سیدنا عبداللہ بن زغب الایادی
۶۴ سیدنا عبداللہ بن عباس
۶۵ سیدنا عبداللہ بن عمر بن الخطاب
۶۶ سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص
۶۷ سیدنا عبداللہ بن مسعود
۶۸ سیدنا عبداللہ بن یزید الخطمی
۶۹ سیدنا عتبۃ بن عبد السلمی
۷۰ سیدنا عتبۃ بن غزوان
۷۱ سیدنا عرس بن عمیرہ
۷۲ سیدنا عثمان بن حبیب
۷۳ سیدنا عقبۃ بن عامر
۷۴ سیدنا عمار بن یاسر
۷۵ سیدنا عمر بن عوف المزنی
۷۶ سیدنا عمران بن حصین
۷۷ سیدنا عمرو بن حریث
۷۸ سیدنا عمرو بن الحمق
۷۹ سیدنا عمرو بن عبسہ
۸۰ سیدنا عمرو بن مرۃ الجہنی
۸۱ سیدنا قیس بن سعد بن عبادہ
۸۲ سیدنا کعب بن قطبہ
۸۳ سیدنا مالک بن عتاہیہ
۸۴ سیدنا مرۃ البہزی
۸۵ سیدنا معاذ بن انس
۸۶ سیدنا معاذ بن جبل

| | |
|---|---|
| (۸۷) سیدنا معاویۃ بن حیدہ | (۹۲) سیدنا واثلۃ بن الاسقع |
| (۸۸) سیدنا مغیرۃ بن شعبہ | (۹۳) سیدنا یزید بن اسد |
| (۸۹) سیدنا مقداد بن الاسود | (۹۴) سیدنا یزید بن خالد العصری |
| (۹۰) سیدنا المنقع بن الحصین بن یزید تمیمی | (۹۵) سیدنا یعلے بن مرہ |
| (۹۱) سیدنا نبیط بن شریط | رضی اللہ عنہم اجمعین |

حضرت علامہ ابن جوزیؒ نے پچاسی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تو با قاعدہ سند کے ساتھ یہ ارشادِ نبوی نقل فرمایا ہے، جبکہ دو صحابہ کا نام انھوں نے نہیں لکھا، صرف رجل صحابی لکھ دیا، اور ایک صحابی کا نام شاید سہوِ کتابت کی وجہ سے رہ گیا ہے۔ بہرحال مذکورہ بالا حدیث نہ صرف سنداً و متناً صحیح ہے بلکہ ایسی متواتر ہے کہ بہت کم احادیث تواتر کی اس حد تک پہنچتی ہیں۔

- یہی وجہ ہے کہ محدثینِ کرام کسی حدیث کو نقل کرنے سے پہلے پوری تسلی کر لیتے ہیں کہ یہ حدیث موضوع من گھڑت اور بناوٹی نہ ہو۔ اور اسی فرمانِ رسولؐ کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کئی محدثین نے موضوع احادیث کو جمع فرما کر نشاندہی فرمادی ہے کہ یہ روایات من گھڑت ہیں، ان کی نسبت حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہ کی جائے۔ لیکن اس کے باوجود بعض اہلِ علم کی کتب میں موضوع احادیث غلطی سے شامل ہوگئی ہیں، یہاں تک کہ مشہور صوفی بزرگ پیرِ پیراں شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی مشہور تصنیف "غنیۃ الطالبین" اور حضرت امام ابو حامد محمد بن محمد الغزالی الشافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی مشہور تصنیف احیاء علوم الدین المعروف بہ احیاء العلوم میں بے شمار موضوع حدیثیں موجود ہیں۔ (دیکھیے میزان الاعتدال)
- اسی طرح حضرت امام ابو عبداللہ الحاکم رحمۃ اللہ تعالیٰ کی مشہور کتاب "المستدرک" میں کئی احادیث ایسی ہیں جن کے بارے میں حضرت امام حاکمؒ نے صحیح علیٰ شرط البخاری یا شرط مسلم کے الفاظ تحریر فرما دیے ہیں لیکن مشہور نقاد اور نامور محدث

حضرت امام شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان الذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے جب تحقیق فرمائی تو معلوم ہوا کہ اس میں کئی حدیثیں موضوع ہیں اور حضرت امام حاکمؒ ان کے موضوع ہونے پر مطلع نہ ہو سکے۔ یہی وجہ ہے کہ مستدرک حاکم کے ساتھ ساتھ حضرت امام ذہبیؒ کا حاشیہ دیکھنا ضروری سمجھا جاتا ہے۔

○ اسی طرح حضرت علامہ قاضی ناصر الدین ابو سعید عبداللہ بن عمر بیضاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ محدث مزاج مفسر نہ ہونے کی وجہ سے سورتوں کے فضائل میں اکثر موضوع حدیثیں نقل فرما گئے ہیں۔

○ اصولِ حدیثِ حدیث کا قاعدہ ہے کہ اگر کوئی شخص موضوع حدیث بیان کرے تو اس پر واجب ہے کہ اس کا موضوع ہونا بیان کرے۔ (تحفۃ الاکرم ۵۹)

○ حضرت شیخ مشایخنا الشاہ عبدالعزیز محدث و مفسر دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ (متوفی ۱۲۳۹ھ) نے "عجالۂ نافعہ" کے "خاتمہ" میں موضوع حدیث کو شناخت کرنے کے لیے چند نشانیاں تحریر فرمائی ہیں۔ مطالعۂ حدیث میں ان کا پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔ چنانچہ آپ نے تحریر فرمایا:

○ واضح رہے کہ حدیث کے موضوع ہونے اور راوی کے جھوٹے ہونے کی چند علامتیں ہیں۔

① (راوی) تاریخ مشہور کے خلاف روایت کرے۔ مثلاً: یہ کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جنگِ صفین میں ایسا کہا۔ حالانکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (امیر المؤمنین سیدنا امام) عثمان رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں وفات پا چکے تھے۔

یہ شعر بھی اسی نوعیت کا ہے: ؎

در جمل چوں معاویہؓ بگریخت
خون خلقے بسے بہ بیہدہ ریخت

(یعنی) جنگِ جمل میں جب (امیر المؤمنین سیدنا امام) حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہ) بھاگ گئے تو بہت سی مخلوق کا خون بے کار بہا۔ (یعنی یہ شعر جھوٹ کا بدترین نمونہ ہے۔)

اس قسم کی من گھڑت حدیثیں ادنیٰ تامل اور ذرا سی تاریخی جستجو سے پہچانی جاسکتی ہیں۔

② راوی رافضی (غالی شیعہ) ہو اور وہ صحابہؓ پر طعن کے متعلق حدیث بیان کرے، یا ناصبی (دشمنِ علیؓ) ہو اور وہ اہلِ بیت پر طعن کے سلسلہ میں حدیث روایت کرے۔ اور اسی طرح اور مثالیں ہیں۔ لیکن یہاں یہ بات بھی لحاظ کے قابل ہے کہ اگر راوی روایت میں منفرد ہے تو اس کی حدیث کا کوئی اعتبار نہیں، البتہ اگر دوسرے بھی وہی روایت کرتے ہیں تو اس کی حدیث کو قبول کرنا چاہیے۔ اور اس حدیث کی معقول توجیہ اور تاویل پر غور کرنا چاہیے۔

③ راوی ایسی بات روایت کرے جس کا جاننا اور اس پر عمل کرنا ہر مکلف پر فرض ہو اور (اس کے باوجود) وہ روایت میں منفرد ہو تو یہ حدیث کے جعلی اور راوی کے جھوٹے ہونے کا بڑا قرینہ ہے۔

④ وقت اور حالت ہی راوی کے جھوٹے ہونے کا قرینہ ہو۔ جیسے غیاث بن میمون کا واقعہ ہے کہ وہ مہدی خلیفہ عباسی کی مجلس میں حاضر ہوا اور وہ اس وقت کبوتر اڑانے میں مشغول تھا۔ اس نے یہ دیکھ کر فوراً یہ حدیث بیان کی: لاسبق إلا فی خف او نصل او حافر او جناح یعنی "بازی جائز نہیں مگر اونٹ، تیر، گھوڑے اور پرندہ میں"۔ اس نے محض مہدی کی خوشامد میں جناح کا لفظ اپنی طرف سے بڑھا دیا۔

⑤ روایت عقل و شرع کے مقتضیٰ کے خلاف ہو اور قواعدِ شرعیہ اس کی تکذیب کریں۔ جیسے "قضائے عمری" یا اسی جیسی (دوسری) باتیں۔ جیسے روایت کرتے ہیں: لا تاکلوا البطیخ حتی تذبحوها (یعنی) جب تک خربوزے کو تراش نہ لو نہ کھاؤ۔ (یعنی کاٹے بغیر نہ کھاؤ)

⑥ حدیث میں ایسا جنبی واقعی قصہ مذکور ہو کہ اگر فی الواقع وہ پایا جاتا تو ہزاروں آدمی اس کو نقل کرتے۔ مثال کے طور پر ایک شخص روایت کرتا ہے کہ آج بروز جمعہ خطیب کو برسرِ منبر قتل کر ڈالا اور اس کی کھال کھینچ لی۔ اور اس

واقعہ کا راوی اس روایت میں منفرد اور تنہا ہے اور دُوسرا کوئی راوی نہیں۔

⑦ لفظ اور معنیٰ کا رکیک ہونا۔ مثلاً ایسے لفظ سے روایت کرے جو بلحاظ قواعدِ عربیہ درست نہ ہو یا اُس کے معنے رسالت اور وقارِ نبوت کے مناسب نہ ہوں۔

⑧ صغیرہ گناہ سے ڈرانے میں حد سے زیادہ مبالغہ کیا گیا ہو، یا تھوڑے عمل پر حد سے زیادہ ثواب کا مستحق قرار دیا گیا ہو۔ جیسا کہ کہا گیا ہے: من صلی رکعتین فلہ سبعون الف دار وفی کل دار سبعون الف بیت وفی کل بیت سبعون الف سریر وعلی کل سریر سبعون الف جاریۃ۔ یعنی جس نے دو رکعت نماز پڑھی اس کے لیے ستر ہزار مکان ہیں اور ہر مکان میں ستر ہزار کمرے ہیں، اور ہر کمرے میں ستر ہزار تخت ہیں اور ہر تخت پر ستر ہزار لونڈیاں ہیں۔ اس قسم کی حدیثیں خواہ ثواب کے متعلق ہوں یا عذاب کے انھیں جعلی اور موضوع سمجھنا چاہیے۔

⑨ ذرا سے عمل اور معمولی سے کام پر حج و عُمرہ کے ثواب کی اُمید دلانا۔

⑩ خیر کے کام کرنے والوں کو یہ خوش خبری دینا اور ان سے یہ وعدہ کرنا کہ انھیں انبیاء علیہم السلام کا سا ثواب ملے گا۔ یا یہ کہے کہ ستر نبیوں کا سا ثواب ملے گا۔ یا اسی قسم کی بہت سی باتیں کرنا۔

⑪ راوی نے حدیث کے وضع کرنے کا خود اقرار کیا ہو۔ جس طرح نوح بن ابی عصمہ کے ساتھ واقعہ پیش آیا ہے کہ اُس نے قرآن کی ہر ایک سُورت کی فضیلت میں حدیثیں گھڑیں اور انھیں رواج اور شہرت دی ہے۔ جیسا کہ بیضاوی میں ہر سُورت کے آخر میں اس کے فضائل کو بیان کیا ہے۔ جب نوح بن ابی عصمہ کو پکڑا اور صحتِ سند کے بارے میں اس سے پُوچھا گیا تو اس نے اعتراف کیا کہ ان حدیثوں کے وضع کرنے سے میری نیت خیر کی تھی، کیونکہ میں نے جب یہ دیکھا کہ قرآن کو چھوڑ کر لوگ تاریخ، تفسیر اور امام ابوحنیفہؒ کی فقہ میں مشغول ہیں تو لوگوں کو ترغیب دینے کی غرض سے میں نے ان حدیثوں کو گھڑا، تاکہ علومِ قرآن کی طرف ان کا رُجحان بڑھے اور ثواب کے اعتقاد سے تلاوتِ قرآن

اور اس کے درس میں مشغول ہوں۔ حالانکہ اس کا یہ عذر گناہ سے بھی بدتر تھا کیونکہ فضائلِ قرآن میں جو صحیح حدیثیں وارد ہیں ترغیب کے لیے وہی کافی ہیں۔ اسی طرح تمباکو، حقّہ اور قہوہ کے متعلق بہت سی حدیثیں گھڑی گئی ہیں؛ جن کے الفاظ اور معنی کی رکاکت ظاہر اور آشکار ہے۔

○ حضرت علامہ علی بن سلطان المعروف بہ مُلّا علی القاری الحنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے "موضوعاتِ کبریٰ" کے آخر میں "موضوع حدیث" کی بہت سی علامات تحریر فرمائی ہیں۔ سطورِ ذیل میں اُن میں سے چند علامات تحریر کی جاتی ہیں:

① ایسی حدیث جس میں آئندہ آنے والے واقعات کا ماہ و سال یا دِن معین ہو۔
② ایسی حدیث جو حِس اور تجربہ کے خلاف ہو۔
③ ایسی حدیث جس میں اپنی جانب مائل کرنے کے لیے کوئی محال بات بیان کی جائے۔
④ ایسی حدیث جو قرآن مجید، احادیثِ متواترہ اور تعاملِ صحابہؓ کے خلاف ہو۔
⑤ ایسی حدیث جو عقلِ سلیم کے خلاف ہو۔
⑥ ایسی حدیث جو تاریخِ مشہورہ کے خلاف ہو۔
⑦ ایسی حدیث جس میں ایسا کلام ہو جو انبیاءِ کرام علیہم السلام کے شایانِ شان نہ ہو۔
⑧ ایسی حدیث جس میں مکہ، مدینہ، نجد، شام اور یمن کے علاوہ کسی شہر کی مدح یا مذمت ہو۔
⑨ ایسی حدیث جس میں جنّات سے جنگ کا بیان ہو۔
⑩ ایسی حدیث جس میں خضر و الیاسؑ کی حیات یا ان سے کسی کی ملاقات کا ذکر ہو۔
⑪ ایسی حدیث جس میں مسجدِ حرام، مسجدِ نبوی، مسجدِ قبا اور مسجدِ اقصیٰ کے علاوہ کسی مسجد کی فضیلت ہو۔
⑫ ایسی حدیث جس میں کسی زیارت گاہ یا مقبرہ کا بیان ہو۔
⑬ ایسی حدیث جس میں علمِ طب کا کوئی اصول بیان کیا گیا ہو۔
⑭ ایسی حدیث جس میں کسی دِن کی نحوست کا بیان ہو۔
⑮ ایسی حدیث جس میں عقیق یا کسی پتھر کی فضیلت اور اس کے اثرات کا بیان ہو۔
⑯ ایسی حدیث جس میں خرقہ پوشی کی فضیلت کا بیان ہو۔

⑰ ایسی حدیث جس میں قیامت کے روز ماؤں کی جانب منسوب ہونے کا بیان ہو۔

⑱ ایسی حدیث جس میں قیامت کے روز "سادات" یا کسی خاندان کی بخشش کا بیان ہو۔

⑲ ایسی حدیث جس میں سیدنا علیؓ کے علم باطن کا بیان ہو۔

⑳ ایسی حدیث جس میں سیدنا معاویہؓ کی مذمت بیان کی گئی ہو۔

㉑ ایسی حدیث جس میں کسی صحابیؓ کی مذمت بیان کی گئی ہو۔

㉒ ایسی حدیث جس میں ائمۂ اربعہؒ میں سے نام بنام کسی کی مذمت یا فضیلت بیان ہو۔

㉓ ایسی حدیث جس میں حبشہ، سوڈان یا ترکوں کی مذمت کی گئی ہو۔

㉔ ایسی حدیث جس میں ہر ہر روز کے نوافل کا بیان کیا گیا ہو۔

㉕ ایسی حدیث جس میں رجب یا اس کے روزوں کی فضیلت کا بیان ہو۔

㉖ ایسی حدیث جس میں رجب کی مخصوص نمازوں کا بیان ہو۔

㉗ ایسی حدیث جس میں شب براء کی مخصوص نمازوں کا بیان ہو۔

㉘ ایسی حدیث جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقبرہ کی زیارت کی فضیلت ہو۔

㉙ ایسی حدیث جس میں ولد الحرام کی مذمت ہو۔

㉚ ایسی حدیث جس میں بنو عباس کی خلافت کا بیان ہو۔

㉛ ایسی حدیث جس میں بنو عباس کے جنتی ہونے کا بیان کیا گیا ہو۔

㉜ ایسی حدیث جس میں بنو اُمیہ کی مذمت کی گئی ہو۔

㉝ ایسی حدیث جس میں ظلم و فساد اور باطل کی تعریف اور حق گوئی کی مذمت ہو۔

○ اسی طرح اور بھی کئی ایسی علامات ہیں جن سے موضوع حدیث پہچاننے میں آسانی پیدا ہوتی ہے۔ محقق علماء نے یہ نشانیاں محض اس لیے بیان فرمائی ہیں تاکہ کسی کی گپ کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنے کی راہ کو مسدود کرنے میں آسانی رہے، کیونکہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کسی بات کی جھوٹی نسبت کرنا حرام اور دوزخ میں پہنچانے کا ذریعہ ہے۔ اللھم احفظنا من شر الوضاعین. آمین.

○ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے عجالۂ نافعہ میں موضوع احادیث کی نشانیاں تحریر فرمانے کے بعد من گھڑت حدیثیں بیان کرنے والوں کے متعلق مزید یہ بھی تحریر فرمایا کہ حدیثیں وضع کرنے والے کچھ کم نہیں ہوئے ہیں اور اسی طرح ان کی اغراض بھی مختلف تھیں۔ مثلاً:

○ **زندیقوں کا فرقہ**: ان کے پیشِ نظر محض شریعت کو باطل قرار دینا اور اس کا مذاق اُڑانا تھا۔ چنانچہ ابن الراوندی (ابوالحسن احمد بن یحییٰ بن اسحاق الراوندی۔ متوفی ۲۹۸ھ) نے یہ حدیث گھڑی تھی: الباذنجان لما أكل له کہ بینگن سے غرض یہ ہے کہ اُس کو کھایا جائے۔ اور اس سے اُس کی غرض محض شریعت کا مذاق اڑانا اور در اصل اس حدیث پر تعریض کرنا ہے: (جس میں آیا ہے) القرآن لما قرئ له وماء زمزم لما شرب له کہ قرآن اسی لیے ہے کہ اس کو پڑھا جائے اور آبِ زمزم اسی لیے ہے کہ اس کو پیا جائے۔

○ اہلِ علم نے کہا ہے کہ زندیقوں کی چودہ ہزار حدیثیں مشہور ہو چکی ہیں - یہ اہلِ بدعت اور خواہشات کے بندے محض اپنے مذہب کی نصرت اور مخالف کے مذہب پر طعن کرنے کے لیے اس عمل کے مرتکب ہوئے ہیں۔ اور رافضی، ناصبی اور کرامیہ تو اس عمل میں سب پر سبقت لے گئے ہیں۔ خارجی، معتزلہ اور زیدیہ تو پھر بھی اس امرِ قبیح کے اس قدر مرتکب نہیں ہوئے ہیں۔

○ اہلِ علم کی ایک جماعت جو علمِ حدیث سے مَس نہیں رکھتی تھی، اس نے جب یہ دیکھا کہ محدثین کو نہایت عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور اُن کی بڑی تعظیم کی جاتی ہے تو چاہا کہ خود بھی محدث بن بیٹھیں۔ اس لیے یہ نازیبا اور ناشائستہ عمل اختیار کیا۔ جیسے ابو البختری وہب بن وہب القاص، سلیمان بن عمرو النخعی، حسین علوان اور اسحاق بن نجیح وغیرہ۔ اور اس جماعت

کے بیشتر علماء، وعظ و نصیحت میں مشغول رہے۔

- ایک اور فرقہ جو زہد و عبادت اور دیانت میں مشہور تھا۔ اُنھوں نے خواب میں یا کسی معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یا ائمۂ اطہار سے کوئی بات سُنی، تو انھوں نے اپنے خواب یا معاملہ پر یقین اور اعتماد کرتے ہُوئے اس بات مبہم (انداز میں) روایت کر دیا۔ اور لوگوں نے یہ سمجھا کہ یہ واقعی حدیث ہے، جو از راہِ ظاہر (روایت ہوکر) ان تک پہنچی ہے۔ چنانچہ ابو عبد الرحمٰن سُلمی اور دُوسرے صُوفیوں کو جو حدیث کا ذوق نہ رکھتے تھے، اسی عیب سے متہم کیا گیا ہے اور ان کی روایت کو ناقابلِ اعتبار قرار دیا گیا ہے۔
- دُوسرا فرقہ خُلفاء، ملوک اور امراء کے ان مصاحبین کا ہے جنھوں نے محض اُن کی دلجوئی کے لیے حدیثیں گھڑیں اور دین کو دُنیا کے بدلے بیچا۔
- ایک فرقہ نے بغیر ارادہ بھی حدیثیں وضع کی ہیں۔ جس کی صورت یہ ہُوئی کہ انھوں نے غفلت اور توہّم کی وجہ سے کسی صاحبِ تجربہ شخص یا صُوفی یا حکمائے سابقین میں سے کسی حکیم کا کوئی کلام سُنا اور اس کو پیغمبر علیہ السلام سے منسوب کر دیا۔ صرف اس خیال سے کہ ایسا حکیمانہ کلام اور ایسی حکمت کی بات پیغمبر علیہ السلام کے سوا اور کسی کی نہیں ہوسکتی۔ اس فرقہ کی کوئی حد و نہایت نہیں ہے۔ اکثر عوام اسی مرض میں مبتلا ہیں۔ اور اللہ ہی توفیق دینے والا اور بچانے والا ہے۔

سوال: کتاب "فضائلِ اعمال" میں نماز چھوڑنے پر وعید کے زیرِ عنوان حدیث نمبر ۸ کے الفاظ اس طرح لکھے ہیں: رُوِیَ اَنَّہٗ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ قَالَ مَنْ تَرَکَ الصَّلٰوۃَ حَتّٰی مَضٰی وَقْتُھَا ثُمَّ قَضٰی عُذِّبَ فِی النَّارِ حُقْبًا وَالْحُقْبُ ثَمَانُوْنَ سَنَۃً وَالسَّنَۃُ ثَلٰثُمِائَۃٍ وَّسِتُّوْنَ یَوْمًا کُلُّ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُہٗ اَلْفَ سَنَۃٍ۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص نماز کو قضا کر دے گو وہ بعد میں پڑھ بھی لے پھر بھی اپنے وقت پر نہ

پڑھنے کی وجہ سے ایک حقب جہنم میں جلے گا اور حقب کی مقدار اسّی برس کی ہوتی ہے اور ایک برس تین سو ساٹھ دن کا' اور قیامت کا ایک دن (دُنیا کے) ایک ہزار برس کے برابر ہوگا۔ (اس حساب سے ایک حقب کی مقدار دو کروڑ اٹھاسی لاکھ ... ۲۸۸۰۰۰۰۰ برس ہوئی)، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا مذکورہ بالا حدیث صحیح ہے یا ضعیف، یا یہ حدیث موضوع ہے۔ نیز یہ حدیث نصوص قطعیات اور احادیثِ صحیحہ کے خلاف ہے یا نہیں"

(حافظ عبدالسلام فاروقی توحیدی' بحرالعلوم توحید آباد ضلع رحیم یار خان)

جواب: حضرت شیخ الحدیث زکریا بن یحییٰ کاندھلوی مُہاجر مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا حدیث مجالس الابرار (ص ۳۲۰) کے حوالے سے تبلیغی نصاب کے حصے فضائل نماز باب اوّل ص ۲۱۷ (مطبوعہ کتب خانہ فیضی لاہور) میں نقل فرمائی ہے۔ حضرت شیخ کاندھلویؒ نے یہ حدیث نقل فرمانے کے بعد خود تحریر فرمایا ہے:

قلت لم اجده فیما عندی من کتب الحدیث

کہ میں کہتا ہوں کہ میرے پاس حدیث کی جس قدر کتابیں موجود ہیں اُن میں سے تو کسی کتاب میں اس حدیث کو میں نے نہیں پایا۔" پھر فرمایا: الا ان مجالس الابرار مدحہ شیخ مشایخنا الشاہ عبدالعزیز الدھلویؒ

البتہ ہمارے شیوخ کے شیخ حضرت شاہ عبدالعزیز مُحدِّث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے مجالس الابرار کی تعریف فرمائی ہے۔

○ حضرت استاذی المکرم المعظم شیخ الحدیث المفتی الاعظم ہند مولانا محمد کفایۃ اللہ علیہ رحمۃ اللہ رحمۃ واسعۃ وافرۃ کاملۃ سابغۃ وافیۃ کے زیرِ اہتمام مجالس الابرار کا اُردو میں بامحاورہ ترجمہ ہُوا ہے۔ خود حضرت مفتی اعظم نے اس کے مُصنّف کی تعریف فرمائی ہے۔ چنانچہ آپ نے تحریر فرمایا کہ: مجالس الابرار کے مُصنّف نے غایت اخلاص و تواضع کی وجہ سے اپنا نام ظاہر نہیں فرمایا۔ میں نے ہر چند کوشش کی کہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے کچھ حالات معلوم ہو جائیں مگر افسوس کہ

کامیابی نہیں ہوئی۔ صرف وہی معلوم ہوسکا جو خود اسی کتاب مجالس الابرار کے طبع سابق میں اس کے آخری صفحے پر مرقوم ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے:

- "حضرت خاتم المحدثین حجۃ اللہ فی الارضین آیۃ من آیات اللہ فی العالمین امام ہمام ثقۃ الاسلام منتہائے روایتِ حدیث فی الہند حضرت شیخ شاہ عبدالعزیز العمری الدہلوی متوفی ۱۲۳۹ھ (رحمۃ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ وافرۃ کاملۃ سابغۃ وافیۃ) نے اس کتاب کی تعریف و توصیف فرمائی ہے"۔ حضرت شاہ صاحب کی عبارت یہ ہے:
- کتاب مجالس الابرار علم و وعظ و نصیحت میں اسرار شریعت و ابواب فقہ و ابوابِ سلوک و ردِّ بدعات و عادات شنیعہ کے فوائد کثیرہ پر شامل ہے۔ ہمیں اس کے مصنف کا اس سے زیادہ حال معلوم نہیں، جتنا کہ اس تصنیف سے ظاہر ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ اس کا مصنف ایک عالم متدین، متورع اور علوم شرعیہ کے فنون مختلفہ پر حاوی تھا۔ اور کیا اچھی بات کسی نے کہی ہے کہ کہنے والے کو نہ دیکھو بلکہ اس کے کلام کو دیکھو، کیونکہ آدمیوں کی پہچان حق بات سے ہوتی ہے نہ کہ حق بات کی پہچان آدمیوں سے۔ واللہ اعلم بالصواب۔
- اور کشف الظنون میں ہے کہ کتاب مجالس الابرار کی سو مجلسیں ہیں جن میں مصابیح کی سو حدیثوں کی شرح ہے۔ اور مصنف اس کے شیخ احمد رومیؒ ہیں۔ فقط۔ اھ
- صاحب مجالس الابرار حضرت شیخ احمد رومیؒ نے یہ حدیث "رُوِیَ" کے ساتھ بیان کی ہے، اور حضرت شیخ کاندھلویؒ نے بھی اسی طرح فضائل نماز میں نقل فرمادی ہے۔ جبکہ اصطلاحِ محدثین میں یہ لفظ ضعف کی دلیل ہے۔ چنانچہ:
- حضرت شیخ محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے صحیح مسلم کی شرح ص ۸ میں تحریر فرمایا ہے کہ اگر حدیث "صحیح" یا "حسن" ہو تو یقین کے صیغے بولے جاتے ہیں، مثلاً: قال رسول اللہ ﷺ یا فعل رسول اللہ ﷺ یا امر یا نہی رسول اللہ ﷺ وغیرہ۔ اور اگر حدیث ضعیف ہو تو ان الفاظ کی بجائے رُوِیَ عنہ، یروی عنہ، یُذکر، یُحکی،

یُقال ، جاء عنہ ، بَلَغنا یا ان جیسے اور الفاظ کہے جاتے ہیں۔ اور مذکورہ بالا حدیث کو رُوِیَ کے ساتھ بیان کرکے خود شیخ احمد رُومیؒ نے گویا اس بات کا اظہار فرمادیا ہے کہ یہ حدیث "صحیح" یا "حسن" نہیں، بلکہ "ضعیف" ہے۔

- پھر علماء محدثینؒ نے ضعیف حدیث کی کئی اقسام بیان فرمائی ہیں، جن میں سے سب سے زیادہ بدترین اور شر الانواع حدیث "موضوع" ہے۔ لیکن؛
- مجالس الابرار کی بیان کردہ اس حدیث کو لفظ "رُوِیَ" کی وجہ سے ہم "ضعیف" تو ضرور کہہ سکتے ہیں لیکن "موضوع" کہنے کی ہم میں جرأت نہیں۔ کیونکہ؛
- جس طرح احادیث کا وضع کرنا حرام ہے اسی طرح غیر موضوع حدیث کو "موضوع" کہنا بھی گناہِ عظیم ہے۔ خاص طور پر جبکہ دیگر متعدد احادیث صحیحہ سے اس "ضعیف" حدیث کو تقویت بھی حاصل ہو رہی ہو۔ مثلاً:
- مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۸ میں ہے کہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "بندے اور کفر کے درمیان صرف نماز کا فرق ہے۔" یعنی جب تک نماز پڑھتا رہے تو بندہ مومن ہے اور جب نماز چھوڑ دے تو کفر تک پہنچ جاتا ہے۔
- جامع صغیر ج ۲ ص ۱۶۷ میں معجم اوسط طبرانی کے حوالے سے صحیح سند کے ساتھ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ جس شخص نے قصداً نماز ترک کردی تو وہ کھلم کھلا کافر ہوگیا۔
- امیر المومنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز دین کا ستون ہے، پس جس نے نماز کو قائم رکھا اس نے گویا دین کو قائم رکھا۔ اور جس نے نماز چھوڑ دی اس نے گویا دین کو گرادیا۔ (جامع صغیر ج ۲ ص ۵ بحوالہ شعب الایمان)
- مشکوٰۃ ص ۵۹ میں حضرت عبداللہ بن شقیق رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ نماز کے سوا کوئی ایسا عمل نہیں جس کے ترک کو اصحاب رسول اللہ کفر سمجھتے ہوں۔

- امیرالمؤمنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تارک نماز کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۲ ص ۱۱۳)
- سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نماز چھوڑنا کفر ہے۔ (مرقاۃ ۱۱۳/۲)
- حضرت علامہ سیوطیؒ اور علامہ سندھیؒ نے نسائی ص ۸۱ کے حاشیہ میں تحریر فرمایا کہ "حضرت امام احمد بن حنبلؒ تارکِ نماز کو کافر کہتے ہیں۔
- حضرت امام احمد بن حنبل، سفیان بن سعید ثوری، ابو عمر، اوزاعی، حماد بن زید، عبداللہ بن المبارک، وکیع بن جراح، مالک بن انس، محمد بن ادریس شافعی اور اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ تعالیٰ اور ان کے تمام اصحاب کا مسلک ہے کہ تارکِ نماز مُرتد کی طرح قتل کر دیا جائے، البتہ اسے دین سے خارج نہیں سمجھتے۔ (دیکھیے: مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۲ ص ۱۱۳ و کتاب الصلوٰۃ ابن قیم ص ۳)
- حضرت امام ابوحنیفہ، داؤد بن علی اور مُزنی رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تارکِ نماز کو قید و بند میں رکھا جائے یہاں تک کہ وہ مر جائے، یا توبہ کرلے لیکن اسے قتل نہ کیا جائے۔ (کتاب الصلوٰۃ لابن قیمؒ ص ۳)
- حضرت امام محمد بن ابی بکر الزرعی ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب الصلوٰۃ ص ۳ (مطبع مرتضوی دہلی مطبوعہ ۱۲۹۶ھ) میں تحریر فرمایا ہے کہ تمام مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ فرض نمازوں کا قصداً چھوڑنا تمام کبیرہ گناہوں میں سے بہت بڑا اور عظیم گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں ترکِ نماز کا گناہ قتلِ نفس، زنا، چوری، شراب خوری اور ڈاکہ ڈالنے اور مال لوٹنے کے گناہوں سے بھی بڑا گناہ ہے۔

## تارکِ نماز کے کافر ہونے کا مطلب

- بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس سے مُراد یہ ہے کہ اگر انکار کرتے ہوئے نماز چھوڑتا ہے تو کافر ہے۔ (حاشیہ نسائی ص ۸۱)
- بعض علماء فرماتے ہیں کہ تارکِ نماز سے مُراد منافق ہیں جو ریاءً نماز

پڑھتے ہیں۔ لیکن جس نے نماز پڑھنی چھوڑ دی تو اس کا کفر ظاہر ہوگیا جیسا کہ حضرت امام ابن قیمؒ نے کتاب الصلوٰۃ ص ۳ میں تحریر فرمایا ہے۔

- اسنی المطالب فی احادیث مختلفۃ المراتب ص ۴۲۵ کے حاشیہ میں ہے کہ اس کفر سے مراد "کفرانِ نعمت" ہے، یعنی تارکِ نماز اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ناشکرا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکریہ اس وقت ادا ہوتا ہے جب اس کے عائد کردہ فرائض کی پابندی رکھے اور اس کی ممنوع چیزوں سے دُور رہے۔ جیسا کہ:
- حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے عورتوں کی اکثریت کو دوزخی دیکھا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا: یارسول اللہؐ! ایسا کیوں ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ ان کے کفر کی وجہ سے۔ پھر عرض کی کہ کیا عورتیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرتی ہیں؟ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورتیں دراصل اپنے خاوند کی ناقدری کرتی ہیں اور اس کے حُسنِ سلوک اور اچھائیوں کی بھی ناقدری کرتی ہیں۔
- اسی طرح حدیث شریف میں ہے: سباب المسلم فسوق وقتاله کفر یعنی مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور قتال کرنا کفر ہے۔ یعنی اس کا ایمان مستور ہوگیا۔ یہاں کفر سے مُراد ارتداد نہیں ہے۔ اِسی طرح تارکِ نماز کو اسی معنیٰ میں کافر کہا گیا ہے۔
- اور جن علماءِ کرام کے نزدیک تارکِ نماز کو قتل کرنا واجب ہے، وہ اس لیے نہیں کہ تارکِ نماز مُرتد ہوگیا ہے، بلکہ ان کے نزدیک بطورِ "حد" تارکِ نماز کی سزا قتل ہے۔ جیسا کہ قاتل کو قصاص میں قتل کیا جاتا ہے، یا زانی مُحصن کو رجم کیا جاتا ہے۔
- بہر حال مذکور فی السوال حدیث گو "ضعیف" تو ہے مگر اس کے مؤیدات کے ہوتے ہُوئے اس حدیث کو "موضوع" بھی نہیں کہا جاسکتا۔

○ اب رہا یہ کہ ایک وقت کی نماز ترک کرنے سے ایک حقب یعنی اَسّی برس تک جہنم کی سزا ملے گی، جبکہ وہ اَسّی برس دُنیا کے لحاظ سے دو کروڑ اٹھاسی لاکھ (۲۸۸۰۰۰۰۰) برس ہوتے ہیں، تو جو شخص ایک سے زیادہ وقت کی نمازیں نہ پڑھے، یا اکثر اوقات ترک نماز کا مُرتکب ہوتا رہتا ہو تو اُس کی سزا کیا ہوگی، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اوّل تو جس نے یہ حدیث سُن لی وہ تو اِن شاء اللہ نماز قضا کرے گا ہی نہیں۔ اور دُوسرے یہ کہ جس طرح یہاں دُنیا میں مختلف جرائم کی سزاؤں میں "تداخل" ہوتا ہے اِسی طرح اس گناہِ کبیرہ کے بار بار اِرتکاب کی صُورت میں ممکن ہے کہ اس کی سزا میں بھی تداخل کی صُورت ہی ہو' اور مدت دراز تک نمازیں قضا کرتے رہنے کی سزا دو کروڑ اٹھاسی لاکھ سال ہی ہو۔ مثلاً

○ کوئی شخص چوری کرتا ہے تو اس چوری کی سزا میں اس کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے لیکن ایک شخص بار بار چوری کرتا ہے اور پکڑا نہیں جاتا، پھر کئی چوریوں کے بعد جب پکڑا جاتا ہے تو اس کا ایک ہاتھ کاٹنے سے سب چوریوں کی سزا ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ ہدایہ ج ۲ ص ۵۳۳ میں ہے۔

○ اسی طرح کئی بار زنا کرنے کے بعد پکڑے جانے والے غیر محصن (کنوارے) کو صرف ایک بار زنا کرنے کی سزا یعنی سو کوڑے لگائے جاتے ہیں۔ اور محصن (شادی شدہ) کو کئی بار زنا کرنے کے بعد پکڑے جانے کی صُورت میں رجم کیا جاتا ہے، جبکہ ایک بار زنا کرنے کی سزا بھی یہی ہے۔

○ اِسی طرح اگر کسی نے ایک آدمی پر تہمت لگائی تو اسے اسّی کوڑے لگائے جاتے ہیں۔ اور اگر کوئی شخص کئی آدمیوں پر تہمت لگائے یا جماعت پر تہمت لگائے تو متہم لوگوں کی تعداد کے مُطابق اَسّی سے ضرب دے کر ہزاروں' لاکھوں کوڑے نہیں لگائے جائیں گے، بلکہ سب کا تداخل ہوگا اور تہمت لگانے والے کو صرف اَسّی کوڑے لگیں گے۔ (ہدایہ ج ۲ ص ۵۱۱)

○ اور اگر "تداخل" کے بغیر تمام قضا نمازوں کی الگ الگ ایک ایک حقب (دو کروڑ اٹھاسی لاکھ برس) کی مُدّت تک سزا دی گئی تب بھی آخر اس کی کوئی اِنتہا تو ضرور ہوگی۔ کیونکہ اس "دارالعمل" میں اِنسان کی زندگی خواہ کتنی ہی طویل کیوں نہ ہو وہ بہرحال محدود ہے، جبکہ کسی شخص کی قضا نمازیں بھی محدود ہیں، اگرچہ خود اس شخص کو یہ قضا نمازیں یاد نہ ہوں اور وہ ان قضا نمازوں کو لامحدود یا بے شمار سمجھتا ہو، تب بھی اللہ تعالیٰ کے پاس ان قضا نمازوں کی گنتی موجود ہے۔ اگر کسی آدمی کی مجموعی طور پر ایک ہزار نمازیں بھی زندگی بھر میں قضا ہوں اور وہ انھیں اپنے وقت کے بعد قضا کرکے پڑھتا رہا ہو تو اس کی سزا بغیر تداخل کے ایک ہزار حقب ہوگی، جو ایک محدود مُدّت ہے، اس مُدّت کو لامحدود نہیں کہا جاسکتا۔ اور اگر اس شخص کو دُنیا میں کیے ہوئے دُوسرے گناہوں کی سزا بھی دی گئی تب بھی کوئی نہ کوئی وقت ایسا ضرور آئے گا جب وہ اربوں کھربوں سال کی سزائیں بھگت کر اپنے قلبی ایمان اور اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے آخرکار جنّت میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ضرور ہی جائے گا۔ جبکہ اس کے برعکس کافر و مشرک کی سزا لامحدود ہے اور وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دوزخ کی آگ میں جلتا رہے گا۔

○ اور اگر اس حدیث کو "موضوع" سمجھنے کی وجہ یہ ہو کہ اس میں ایک دِن کو ایک ہزار دُنیوی سال کے برابر بتلایا گیا ہے تو یہ کوئی اَنہونی بات نہیں، کیونکہ ایک دِن ایسا بھی آنے والا ہے جو اُس دِن سے پچاس گنا اور اِس دُنیوی دِن سے ایک کروڑ اَسّی لاکھ (۱۸۰،۰۰،۰۰۰) گنا بڑا ہوگا۔ یعنی دُنیا کے لحاظ سے ایک کروڑ اسی لاکھ دِنوں کے برابر ایک دِن ایسا ہوگا جس میں ہر شخص سے اِس دُنیا میں کیے ہوئے اچھے اور بُرے اعمال کا حساب لیا جائے گا۔ اور قرآن مجید میں اس دِن کے کئی نام آئے ہیں۔ مثلاً :

## ایک کروڑ اسّی لاکھ دنوں کے برابر دن کے قرآنی نام

① الآخرة ② اليوم الآخرة ③ دار الآخرة ④ الدار الآخرة
⑤ الواقعة ⑥ الحاقة ⑦ القارعة ⑧ الغاشية
⑨ الطامة الكبرىٰ ⑩ الصاخة ⑪ خافضة ⑫ رافعة
⑬ الساعة ⑭ العقبىٰ ⑮ يوم الخروج ⑯ يوم الخلود
⑰ يوم التغابن ⑱ يوم التلاق ⑲ يوم الفصل ⑳ يوم عبوس
㉑ يوم ثقيل ㉒ يوم عسير ㉓ يوم الحسرة ㉔ يوم الآزفة
㉕ يوم النشور ㉖ يوم الدين ㉗ يوم البعث ㉘ يوم الموعود
㉙ يوم الجزاء ㉚ يوم الحساب ㉛ يوم القيامة

○ اور یہی وہ دن ہوگا جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ (۷۰: ۴)

کہ جس دن میں حساب کتاب ہوگا اس دن کی مقدار دُنیا کے اعتبار سے پچاس ہزار سال یعنی ایک کروڑ اسی لاکھ دِنوں کے برابر ہوگی۔

○ اس طرح اہلِ جہنم کے دن سے حساب کتاب کا دن پچاس گنا بڑا بنتا ہے، کیونکہ اہلِ جہنم کا دن تو اس دُنیا کے دن سے تین لاکھ ساٹھ ہزار گنا ہے جبکہ یوم الحساب ایک کروڑ اسّی لاکھ گنا قرآن مجید سے ثابت ہے۔

○ اور اگر کوئی یہ کہے کہ ایک گناہ کی اتنی بڑی سزا آخر کیوں دی جائے گی، جبکہ تھوڑی سی تاخیر کے ساتھ نماز پڑھ بھی لے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح یہاں دُنیا میں کوئی شخص تھوڑے سے وقت میں کسی جرم کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کی سزا میں اسے کئی سال قید رہنا پڑتا ہے بعض کو دس بیس سال اور بعض کو مرتے دم تک قید و بندکی صعوبتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں۔ اسی طرح نماز قضا کرنے کی سزا بھی اس جرم کے مطابق ہوتی۔ اور اس سزا سے بچنے کا طریقہ یہی ہے کہ یہ جرم نہ کیا جائے۔

شبہ: اب اگر کوئی یہ کہے کہ اس حدیث کو موضوع اور من گھڑت نہ کہا جائے تو اس کی زد میں بڑی بڑی بزرگ ہستیاں بھی آجائیں اور انھیں بھی اس سزا کا مستحق قرار دینا پڑے گا۔ حتیٰ کہ صحابۂ کرامؓ اور خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نعوذ باللہ اس سزا کا مستحق ماننا پڑے گا۔ سو اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ "نماز قضا کرنے" اور "قضا ہوجانے" میں بہت بڑا فرق ہے۔

- یعنی "نماز قضا کرنے" کا مطلب تو یہ ہے کہ کسی شخص نے دُنیوی کام میں مشغول ہونے کی وجہ سے سستی اور تساہل و غفلت سے جان بُوجھ کر صحیح وقت پر نماز نہ پڑھی اور کسی شرعی عذر کے بغیر نماز قضا کردی۔ جبکہ
- "نماز قضا ہوجانے" کا مطلب یہ ہے کہ کسی شرعی عذر کی وجہ سے نماز اپنے صحیح وقت پر ادا نہیں کی جاسکی۔ اور غیر ارادی طور پر نماز قضا ہوگئی۔ احادیث میں آتا ہے کہ خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی بعض نمازیں قضا ہوجاتی تھیں۔ مثلاً:
- سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک رات حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سفر میں جارہے تھے۔ تو جب رات کا کچھ حصّہ باقی رہ گیا تو بعض صحابۂ کرامؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! اگر مناسب ہو تو کچھ دیر قیام کرلیں، تاکہ کچھ دیر لوگ سوجائیں۔ آپؐ نے فرمایا: مجھے یہ خوف ہے کہ سوتے میں کہیں تمھاری نماز نہ جاتی رہے۔ اس پر سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں آپ سب لوگوں کو جگادوں گا۔ اس کے بعد سب لوگ سوگئے اور سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے ایک کجاوہ سے ذرا پشت لگالی۔ لیکن ان پر بھی نیند کا ایسا غلبہ ہُوا کہ آپ بیدار نہ رہ سکے اور ان کی آنکھیں بند ہوگئیں۔ آخر کار سب سے پہلے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہُوئے، اس وقت آفتاب کا کنارہ نکل چکا تھا اور نمازِ فجر کا وقت ختم ہوچکا تھا۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے بلال! تمھارا وعدہ کہاں گیا!

سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! کیا عرض کروں، مجھے تو ایسی نیند آگئی تھی کہ اس سے پہلے کبھی اس طرح کی نیند نہیں آئی۔ اس پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے جب تک چاہا تمہاری روحوں کو بند رکھا اور جب چاہا چھوڑ دیا۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا: اے بلال! اُٹھو اور نماز کے لیے اذان دو۔ پھر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا۔ اور جب سُورج اُونچا ہوگیا اور دُھوپ پھیل گئی تو آپؐ نے وہ قضا نماز جماعت کے ساتھ ادا فرمائی۔ (بخاری ص۸۳ ج۱ وص۱۱۱۳ و قسطلانی ص۵۱۳ ج۱)

○ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنگِ خندق کے دن غروبِ آفتاب کے بعد سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ کُفّار کو بُرا بھلا کہتے ہُوئے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہُوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! سُورج غروب ہونے کے قریب ہوگیا تھا، جس کی وجہ سے میرے لیے نمازِ عصر پڑھنی ممکن نہ تھی۔ اس پر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: واللہ خود میں نے بھی تو عصر کی نماز نہیں پڑھی۔ سیدنا جابرؓ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد ہم میدانِ بطحان کی طرف چلے گئے، وضو کیا، اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غروبِ آفتاب کے بعد پہلے تو عصر کی نماز پڑھی اور پھر مغرب کی نماز پڑھی۔ (بخاری ج۱ ص ۸۳ و ۸۴)

○ یہ دو موقعے ایسے ہیں جن میں نماز کا وقت ختم ہونے کے بعد نماز پڑھی گئی۔ ایک موقع پر تو نیند کی وجہ سے نماز قضا ہُوئی، جبکہ دُوسرے موقع اس لیے نماز قضا ہوگئی کہ کفار سر پر چڑھ آئے تھے اور دفاع کے لیے خندق کھودنے کھودتے نمازِ عصر کا وقت جاتا رہا، یہ مجبوری تھی، اسے کوتاہی نہ سمجھیں، جیسا کہ:

○ سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لیس التفریط فی النوم انما التفریط فی الیقظۃ (مسند احمد ص۲۱۶ ج۵) کہ نیند کی حالت میں کوتاہی نہیں ہوتی، کیونکہ کوتاہی تو وہ ہوتی ہے جو جاگتے ہُوئے ہو۔

اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ
تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۗ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ
ثواب القبر حق
عذاب القبر حق
عقیدہ
عذاب قبر
مؤلف
شیخ التفسیر والحدیث
حضرت مولانا علامہ مفتی
سید محمد حسین شاہ صاحب نیلوی رحمۃ اللہ علیہ
سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

سوال: اصطلاحِ شرع میں قبر کسے کہتے ہیں۔ نیز سوال و جواب کس سے، کہاں اور کس وقت ہوتا ہے۔ اور اگر سوال و جواب عالمِ برزخ میں ہوتا ہے تو ماہنامہ عارفین دسمبر ۱۹۹۳ء ص ۲۸ کی اس روایت کا مطلب کیا ہے جس میں حضرت عمرو بن العاص نے اپنے بیٹے عبداللہ (رضی اللہ عنہما) کو وصیت کی تھی کہ میری قبر پر اتنی دیر کھڑے رہنا تاکہ سوال و جواب میں آسانی ہو۔ (مہر ظفر اقبال لک ممتاز کوٹ، جہان آباد ضلع سرگودھا)

جواب: قرآن مجید اور احادیثِ نبویہ کے مطالعہ سے یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ مرنے کے بعد انسان کی ارواح عالمِ برزخ میں منتقل ہوجاتی ہیں، خواہ مرنے والا مسلمان ہو یا کافر۔ اس کا جسم خاکی چاہے شرعی طریقہ کے مطابق زمین میں قبر کھود کر دفن کردیا جائے یا ہندوؤں کی طرح جلا دیا جائے، یا اہلِ مصر و چین کی طرح حنوط لگا کر رکھ لیا جائے یا اسے کوئی درندہ کھا جائے، یا وہ پانی میں غرق ہوجائے، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، کیونکہ حساب کتاب اور عذاب و ثواب جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ اس کی روح سے ہوتا ہے، جو عالمِ برزخ میں ہوتی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

○ ومن وراءھم برزخ الی یوم یبعثون (۲۳: ۱۰۰) یعنی ان کے آگے ایک اٹکاؤ ہے، اس دن تک اسی اٹکاؤ میں رہیں گے جس دن زندہ کرکے یعنی جسدِ عنصری میں روح ڈال کر اٹھائے جائیں گے۔ اس برزخ میں رہنے کے دوران کفار پر عذاب ہوتا رہے گا اور مومن نیک نعمتوں میں رہیں گے۔ حضرت شاہ عبدالقادر محدث و مفسر دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے موضح قرآن میں اس مقام پر فرمایا: معلوم ہوا یہ جو لوگ کہتے ہیں آدمی مرکر پھر آتا ہے سب غلط ہے، قیامت کو اٹھیں گے، اس سے پہلے ہرگز نہیں۔

قرآن مجید میں اس برزخ یا اٹکاؤ والی روحانی زندگی میں ہونے والے عذاب و ثواب کا ذکر بھی موجود ہے۔ مثلاً:

○ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرعون کے پیروکاروں کا حال بتلاتے ہوئے فرمایا: اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا (۴۰:۴۶) کہ سمندر میں غرق ہونے والے فرعونیوں کی حالت یہ ہے کہ انھیں ہر روز صبح و شام آگ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔

○ حضرت نوح علیہ السلام کے دور میں جن کفار کو پانی کے طوفان میں غرق کیا گیا تو فوراً ہی ان کی ارواح کو دوزخ کی آگ میں جھونک دیا گیا تھا جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا (۷۱:۲۵) یعنی گناہوں کی کثرت کے باعث ان کو پانی میں غرق کیا اور فوراً ہی آگ میں جھونک دیا گیا۔ اسی طرح امرأتِ لوط و امرأتِ نوح کو فرمایا: اُدْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ (۶۶:۱۰) کہ جہنم میں داخل ہونے والوں کے ساتھ تم بھی داخل ہو جاؤ۔

○ یہ تو تھے عذابِ قبر کے نمونے، جبکہ انھیں کسی گڑھے میں دفن بھی نہیں کیا گیا تھا، تو معلوم ہوا کہ اس سے مراد وہی برزخی عذاب ہے جو رُوح کو ہوتا ہے حالانکہ ان کفار کے اجسام تو پانی میں پڑے تھے لیکن ان کی ارواح جہنم میں عذاب کی سختیاں اُٹھا رہی تھیں اور قیامت تک اسی حالت میں رہیں گی تو جس طرح کافروں کو قیامت تک عذابِ قبر میں مبتلا رکھا جائے گا اسی طرح مومنین خصوصاً شہداء کو تنعیمِ قبر حاصل ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں اس کا ذکر بھی آتا ہے۔ چنانچہ:

○ انطاکیہ کے ایک شہید کا ذکر فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ (۳۶:۲۶) کہ آ مرنے سے میری جنّت میں داخل ہو جا۔

○ اسی طرح شہیدوں کے متعلق ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ (۳:۱۶۹ و ۱۷۰) یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں یعنی اسلام کا بول بالا کرنے اور کافروں کا زور توڑنے کے لیے لڑتے

ہوئے شہید ہو گئے ہیں، اُن کو مرا ہُوا تصوّر نہ کرو، یہ مُردے نہیں ہیں بلکہ اپنے رب کے ہاں عالمِ برزخ میں ایک مخصوص اعلیٰ حیات کے ساتھ جیتے جاگتے موجود ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ کے خوانِ کرم سے روزی ملتی ہے، وہ سدا خوش و خرم رہتے ہیں، اس چیز سے جو کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے دیتا ہے۔

○ اللہ تعالیٰ کے اس اِرشاد سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات شہیدوں کی ارواح سے متعلق ہے، ورنہ ان کا جسمِ خاکی تو کٹا ہُوا ہوتا ہے۔ اور اس مقام پر اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ وہ خوش و خرم ہیں، کھاتے پیتے ہیں، تو یہ معاملہ رُوح کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔ بلکہ اس دُنیا میں وہ اُڑ نہیں سکتے تھے جبکہ عالمِ برزخ میں اُڑتے پھریں گے، جیسا کہ پرندے ایک درخت سے اُڑ کر دُوسرے درخت پر چلے جاتے ہیں، جیسا کہ حدیثوں میں آتا ہے۔ چنانچہ:

○ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ارواحهم فی حواصل طیر خضر لها قنادیل معلقة بالعرش تسرح من الجنة حیث شاءت ثم تاوی الی تلك القنادیل (صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۳۵ و ۱۳۶ و مشکوٰۃ ص ۳۳ و ترمذی ج ۲ ص ۱۳۰ و ۱۳۱ و سنن ابن ماجہ ص ۲۰۶ و مسند حمیدی ج ۱ ص ۶۶ و مسند ابی داؤد الطیالسی ص ۳۸ و درمنثور ص ۲۹۱) یعنی شہیدوں کی روحیں سبز پرندوں کی صورت میں رہتی ہیں، وہ جہاں چاہتی ہیں جنت کی سیر کرتی اور کھاتی پیتی ہیں، پھر عرش کے ساتھ لٹکی ہوئی قندیلوں میں آرام کرتی ہیں۔

○ اس حدیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ارواحِ شہداء جنت میں نہیں بلکہ جنت سے باہر ہی ہوتی ہیں، نیز سبز پرندوں کی طرح اُڑتی پھرتی ہیں اور عرش سے لٹکی ہُوئی قندیلوں میں آرام کرتی ہیں۔

○ حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بھی جلالین ص ۳۰ و ۶۳ پر اس حدیث کا حوالہ دیا ہے۔ پھر اس پر محشی صاویؒ نے تحریر فرمایا کہ یہ زندگی

حیاتِ دُنیویہ کی طرح نہیں بلکہ اس سے کہیں اعلیٰ ہے، کیونکہ ان کی ارواح جہاں چاہتی ہیں جنت میں چلتی پھرتی ہیں۔ اس جنت سے مُراد عالم برزخ کی مثالی جنت ہے۔

○ پھر صرف شہداء ہی نہیں بلکہ تمام مومنین کی برزخی حیاتِ رُوحانی اسی طرح ہوتی ہے، جیساکہ صحیح حدیثوں میں وارد ہے۔ چنانچہ:

○ حضرت علامہ حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمیؒ المتوفی ۸۰۷ھ نے مجمع الزوائد و منبع الفوائد ج ۲ ص ۳۲۹ میں حضرت حافظ ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانیؒ کی معجم کبیر اور مسند امام احمد بن حنبلؒ کے حوالے سے حضرت اُم ہانی رضی اللہ عنہا (انصاریہ یا اختِ علیؓ) کی روایت نقل کی ہے کہ انھوں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ مرنے کے بعد ہم ایک دُوسرے کی زیارت کریں گے؟ تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تکون النسم طیرا تعلق بالشجر حتی اذا کان یوم القیٰمۃ دخلت کل نفس جسدھا۔ کہ ہاں ارواح اڑتے ہوئے پرندے ہوں گے جو درختوں سے فائدہ اُٹھائیں گے اور یہ سلسلہ برزخی زندگی میں جاری رہیگا یہاں تک کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو تمام ارواح اپنے اپنے اجسام عنصری میں داخل ہوجائیں گی۔

○ اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کی حدیث معجم کبیر للطبرانی کے حوالے سے علامہ ہیثمیؒ نے مجمع الزوائد کے اسی صفحہ پر نقل فرمائی ہے کہ انھوں نے فرمایا: ارواح المومنین فی طیر کالزرازیر یتعارفون منھا یرزقون من شجرۃ الجنۃ۔ کہ مومنین کی روحیں ایسے پرندوں کی صورت میں ہوتی ہیں کہ بڑی چڑیاں ہوں، وہ ایک دُوسرے کو پہچانتی ہیں اور جنت کے پھلوں میں سے انھیں روزی ملتی ہے

○ اسی طرح مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۹ و معجم کبیر للطبرانی ج ۲۵ ص ۱۰۵ و موطّا

امام مالک ص ۸۴ و مسند حمیدی ج ۲ ص ۳۸۵، اور نسائی ج ۱ ص ۲۹۲ میں حضرت ام بشر اور کعب بن مالک رضی اللہ عنہما کی روایت نقل ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومنین کی ارواح سبز رنگ کے پرندوں کی طرح اڑ اڑ کر جنت کے درختوں سے چگتی پھرتی ہیں۔

- حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ارواح الشهداء فی طیر خضر ترعی فی رياض الجنة ثم يكون ماواها الى قناديل معلقة بالعرش۔
- حضرت ابو العالیہ تابعی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: هم احياء (اى الشهداء) فی صور طیر خضر يطيرون فی الجنة حيث شاءوا ویاکلون من حيث شاءوا (درمنثور ج ۱ ص ۳۷۵)
- حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ تعالیٰ (تابعی) فرماتے ہیں: ارواح الشهداء طیر بیض فقاقیع فی الجنة (درمنثور ج ۱ ص ۳۷۵)
- حضرت قتادہ تابعی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ارواح الشهداء فی صور طیر بیض تاکل من ثمار الجنة (درمنثور)
- حضرت مفسر کلبی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ارواح الشهداء فی صور طیر بیض تاوی الی قناديل معلقة تحت العرش (درمنثور)
- حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا ہمارے مقتول جنت میں اور کفار کے مقتول جہنم میں نہیں ہیں؟ تو اس کے جواب میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک ہمارے مقتول جنت میں ہیں اور کفار کے مقتول جہنم میں ہیں۔ دیکھیے بخاری ج ۱ ص ۳۹۵۔
- حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اُحد کے روز کسی نے حضرت نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اگر میں قتل ہوگیا تو کہاں رہوں گا؟ تو اس کے جواب میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو برزخی جنت میں رہے گا۔ (مشکوٰۃ ص ۳۴۲)

○ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھا کر فرمایا کہ حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ اس وقت جنت کی نہروں میں تیرتے اور غوطے لگاتے پھر رہے ہیں۔ (مشکوٰۃ ص ۳۱۶)

○ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت حارثہ بن سراقہ شہید رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت ربیع بنت براء رضی اللہ عنہا نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ مجھے حارثہ کے متعلق بتلائیے کہ وہ کہاں ہے؟...... تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں کئی باغ ہیں اور تمہارا بیٹا (عالم برزخ کی مثالی) فردوس اعلیٰ میں پہنچ چکا ہے۔ (مشکوٰۃ ص ۳۳۱)

○ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مدعم نامی ایک غلام مرگیا تو لوگوں نے کہا کہ یہ تو بڑا خوش قسمت ہے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھا کر فرمایا کہ غنیمت کے مال میں سے کپڑا چوری کرنے کے باعث اس پر دوزخ کی آگ شعلے برسا رہی ہے۔ (مشکوٰۃ ص ۳۴۹)

○ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یوم خیبر میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا کہ فلاں شخص شہید ہے تو اس پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہرگز نہیں، میں نے تو اسے ایک چادر کی وجہ سے دوزخ میں دیکھا ہے جو اس نے غنیمت کے مال میں سے چرالی تھی۔ (مشکوٰۃ ص ۳۵۲)

○ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ کرکرہ نامی ایک شخص کے بارے میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا کہ وہ دوزخ میں ہے۔ (مشکوٰۃ ص ۳۴۹)

○ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے حضرت جعفرؓ بن ابی طالب کو جنت میں فرشتوں کے ساتھ اُڑتے ہوئے دیکھا ہے۔ (مشکوٰۃ ص ۵۷۰)

○ حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؑ فوت ہوئے تو آپؐ نے فرمایا کہ ابراہیم کو جنت میں دودھ پلانے والی دائی موجود ہے۔ (مشکوٰۃ ص ۵۶۸)

○ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب میرے سامنے دوزخ کی آگ لائی گئی تو میں نے اس میں بنی اسرائیل کی ایک عورت کو دیکھا جسے بلی کی وجہ سے عذاب ہو رہا تھا، اس نے بلی کو باندھ دیا تھا، پھر نہ تو اسے کھانے کو دیتی تھی اور نہ ہی چھوڑتی تھی کہ وہ زمین کے کیڑے مکوڑے ہی کھالے، یہاں تک کہ وہ بھوک سے مرگئی۔

○ نیز حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے عمرو بن عامر خزاعی کو بھی (اس برزخی) آگ میں دیکھا جو دوزخ میں اپنی آنتیں گھسیٹ رہا تھا۔ اور وہ پہلا شخص تھا جس نے بتوں کے نام پر جانور چھوڑنے کی رسم جاری کی تھی۔ (مشکوٰۃ ص ۴۵۶ باب البکاء والخوف)

○ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ واللہ میں نے ایک آدمی کو دیکھا جو جنت (برزخیہ) میں سیر کر رہا ہے۔ اس نے راستے میں لگے ہوئے ایک درخت کو کاٹا تھا، تاکہ مسافروں کو تکلیف نہ ہو۔ (مشکوٰۃ ص ۱۶۸)

○ حضرت حسناء بنت معاویۃ الصریمیہ رحمہا اللہ تعالیٰ فرماتی ہیں کہ میرے چچا (حضرت ابورافع اسلم بن سلم قبطی رضی اللہ عنہ مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ وفات کے بعد جنت میں کون رہتے ہیں تو آپؐ نے فرمایا کہ نبیؑ، شہید، نومولود اور زندہ درگور (م ص ۳۳۵)

- معلوم ہُوا کہ جو انسان اس دُنیائے فانی سے اِنتقال کر جاتا ہے اس کی رُوح اس جسدِ عنصری کی طرف قیامت سے پہلے پہلے واپس نہیں آتی، سوائے چند مستثنیات کے۔ مثلاً:
- حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے دَور میں جو ستّر آدمی طور پر فوت ہو گئے تھے، پھر ان کے اِن اجسادِ عنصریہ کی طرف ان کی ارواح کو لوٹا کر دوبارہ زندہ کیا گیا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ (۲: ۵۶)
- اِسی طرح جس مقتول کو بنو اسرائیل نے قتل کر دیا تھا، پھر آپس میں اِختلاف کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے اس مقتول کے بعض حِصّے کو بعض پر مارنے سے اس کو زندہ کر دیا تھا تاکہ وہ اپنے قاتل کی نشان دہی کر سکے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى (۲: ۷۳)
- اسی طرح حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے پُورے ایک سو سال تک مُردہ رکھ کر زندہ فرمایا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں: فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ (۲: ۲۵۹)
- اِنسان کی رُوح ابدانِ خاکی عنصری سے اِنتقال و اخراج کے بعد عالمِ برزخ کی مثالی جنت یا دوزخ میں رہتی ہے۔ کیونکہ حضرت رسول اللہ ﷺ کے اِرشادات سے یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ نیک لوگوں کی ارواح علّیین میں اور بد اعمال لوگوں کی ارواح سجّین میں رہتی ہیں۔ اور تمام صحابۂ کرامؓ اور دیگر سلف صالحینؒ کا اسی پر اجماع ہے۔ جیسا کہ:
- حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے موقع پر فرمایا: جنة الفردوس ماواه (مشکوٰۃ ص ۵۴۷) یعنی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ٹھکانا جنت الفردوس ہے۔
- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کسی نے پُوچھا کہ قبضِ رُوح کے بعد حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب کہاں ہیں؟ تو اس کے جواب

ہیں انھوں نے فرمایا کہ جنت میں۔ (شرح الصدور ص ۹۸)

- حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو جب حجاج بن یوسف نے سُولی پر قتل کردیا تو ان کی والدہ ماجدہ سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما غمزدہ ہوئیں، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ ماں جی آپ مغموم نہ ہوں، کیونکہ ارواح تو اللہ تعالیٰ کے ہاں آسمان میں ہیں، اور یہ مصلوب تو محض ایک بے جان لاش ہے۔ (شرح الصدور ص ۹۳)
- حضرت امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مومنین کی ارواح عرش کے زیر سایہ سفید پرندوں کی صورت میں رہتی ہیں اور کفار کی رُوحیں زمین کے نیچے (سجین) میں۔ (شرح الصدور ص ۹۳)
- حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شخص کی رُوح جسم سے الگ ہوجائے اور وہ تکبر، حرام خوری اور قرض وغیرہ سے بری ہو تو سیدھا جنت میں داخل ہوجاتا ہے۔ (شرح الصدور ص ۹۳)
- حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مومنین کی ارواح جبریلؑ کی طرف چڑھ جاتی ہیں۔ (شرح الصدور)
- حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شہید سبز پرندوں کی طرح عرش کے نیچے قندیلوں میں رہتے ہیں اور (برزخی) جنت کے باغات میں جہاں چاہیں سیر کرتے ہیں۔ (شرح الصدور)
- حضرت اُبَیّ بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں (برزخی) جنت کے کھلے میدان میں باغات ہیں، جن میں گنبدوں والی کوٹھیاں ہیں اور ان میں شہید رہتے ہیں۔ (شرح الصدور)
- حضرت مِسوَر بن مخرمہ رضی اللہ عنہ نے بے ہوشی سے افاقہ ہوجانے کے بعد کلمۂ شہادت پڑھ کر فرمایا کہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ رفیق اعلیٰ میں ہیں، اور عبدالملک و حجاج بن یوسف دوزخ میں آنتیں گھسیٹ رہے ہیں۔

- حضرت امیرالمومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت پر اپنے اشعار میں فرماتے ہیں: (ترجمہ) اے قوم کفار! اب اگر تم سرکشی کرو اور ہمارے مقابلہ میں حضرت حمزہؓ کو شہید کرکے فخر کرو تو یہ تمہارا فخر بے جا ہے۔ کیونکہ اس سے کچھ نقصان نہیں ہوا، الٹا فائدہ ہی ہوا ہے کیونکہ وہ تو جنت کے عالی شان بالا خانوں میں پہنچ چکے ہیں۔
- حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو ہدیۂ سلام پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں: (ترجمہ) آپ کو اس جنت میں اللہ تعالیٰ کا سلام پہنچے جس میں آپ کو لازوال دولت و نعمت پہلے ہی سے حاصل ہے۔
- حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اپنے اشعار میں کفار کو للکارتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: (ترجمہ) اے کافرو! کیا تم ان شہیدوں کے قتل ہونے پر فخر کرتے ہو، جن پر صاحب انعامات کثیرہ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت سے انعامات نازل ہوتے ہیں اور اب وہ جنت میں رہائش پذیر و مقیم ہوچکے ہیں۔ اور تمہارے لیے اس قسم کے شیر چھوڑ گئے ہیں جو اپنے بچوں کی طرف سے مدافعت کرتے ہیں۔
- حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے ضرار بن الخطاب کو جواب دیتے ہوئے فرمایا: (ترجمہ) اے کفار! اگر تم حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو اپنی حماقت اور بے وقوفی کی وجہ سے قتل بھی کردو، تو اس سے ان کا کوئی نقصان نہیں ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ اس چیز پر بہت اچھی طرح قدرت رکھتے ہیں کہ وہ ان کو پاکیزہ جنت میں داخل فرمادیں جو نیک لوگوں کے رہنے کی جگہ ہے۔
- اسی طرح دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اپنے اشعار میں یہی واضح کیا ہے کہ شہداء قبض روح کے بعد جنت میں چلے جاتے ہیں۔ چنانچہ:

- حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا اپنے بھائی سید الشہداء حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی شہادت کے موقع پر تعزیتی اشعار میں فرماتی ہیں (ترجمہ) کہ کسی واقف کار نے بتلایا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وزیر بلکہ بہترین وزیر حضرت حمزہؓ کا انتقال ہوگیا ہے ان کو سچے اور برحق معبود، مالکِ عرش نے جنت اور دائمی فرحت و سرور کی طرف بُلا لیا ہے جس میں وہ ہمیشہ زندہ رہیں گے (ابن ہشام ص۲ ج۲)

- حضرت حسّان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کفار کے جواب میں یہ اشعار پڑھ کر شہداء کے بارے اپنے عقیدے کا اظہار اس طرح فرمایا: (ترجمہ) اے کفار تم ہمارے شہداء اور ان میں سے خصوصاً ایک جلیل القدر شہید حضرت حمزہؓ کا ذکر برائی کے ساتھ نہ کرو جنھوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت میں جان دے دی۔ کیونکہ ان کا مقام جنت الخُلد ہے اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف جنت میں داخلے کا حکم ہوچکا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جن معاملات کا فیصلہ کرتا ہے اس کا حکم بڑی تیزی سے نافذ ہوتا ہے، اور اس حکم پر فوری طور پر عملدرآمد شروع ہوجاتا ہے۔ اس لیے میرا ایمان ہے کہ ان کو ضرور جنت مل چکی ہے اور اے ابن زبعری! تمہارے مقتول تو دوزخ میں پڑے ہیں، جہاں ان کے کھانے کو جھاڑ کانٹے اور کھولتا ہوا گرم پانی ہے۔

- حضرت حسّان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اور دیگر شہداء کا ذکرِ خیر کرتے ہوئے فرمایا: (ترجمہ) مجھے رقتِ شوق نے بھائیوں اور ان شہداء کی یاد دلائی جن کے ضمن میں طفیلؓ، رافعؓ اور سعدؓ بھی چل دیے اور جنت میں جابسے ہیں۔ ان کے مکانات ان سے خالی اور زمین ان سے ویران ہوگئی ہے۔

(شعری کلام کے لیے دیکھیے ندائے حق جلد اول جز اول ص ۶۳۶ تا ۶۳۸)

- حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ برزخی زمین میں روح جہاں چاہتی چلتی پھرتی ہے۔ (فتح الربانی ص ۹۳)
- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مومن کی اولاد جنت کے پہاڑ میں رہتی ہے، جن کی پرورش حضرت ابراہیم اور حضرت سارا علیٰ نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام فرما رہے ہیں۔ اور یہ سلسلہ اِسی طرح جاری رہے گا یہاں تک کہ قیامت کے دن اپنے اپنے (نیک) باپوں کی طرف لوٹا دیے جائیں گے۔ (معجم کبیر طبرانی)
- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ شہداء کی رُوحیں اُڑنے والے پرندوں کی صُورت میں ہوتی ہیں۔ (مشکوٰۃ ص ۳۳۰)
- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ (وفات کے بعد) شہداء کی ارواح دُوسرے (مثالی) جسم میں بجز جاتی ہیں۔ (شرح الصدور ص ۹۷)
- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے تلمیذ رشید حضرت وہب بن مُنبّہ رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اِنسان کے جسم عنصری کے اندر سے جو رُوح نکلتی ہے وہ انسان کے جسم عنصری کے اجزا کے اندازے پر ہوتی ہے۔ اور یہ جسم عنصری تو انسان (رُوح) کے لیے ایک قمیص کی طرح ہوتا ہے جس کو اِنسان اپنے جسم سے اُتار کر پھینک دیتا ہے۔ (شرح الصدور ص ۳۵)
- حضرت ضمرۃ بن حبیب تابعی رحمۃ اللہ تعالیٰ سے مُرسلاً مروی ہے کہ مؤمنین کی ارواح (اپنے ابدانِ خاکی سے نکلنے کے بعد) سبز رنگ کے اُڑنے والے قالبوں میں رہ کر جنت میں گھومتی پھرتی ہیں۔ جبکہ کافروں کی ارواح (عالمِ برزخ میں کافروں کی روحوں کے قیدخانہ) سجّین میں محبوس رہتی ہیں۔ (کتاب الرّوح ص ۱۵۹، الحاوی للفتاوی ص ۳۶۲)
- حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے شاگردِ رشید حضرت امام عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ شہید کے لیے

اللہ تعالیٰ حسین سے حسین تر جسم مثالی مہیا فرماتے ہیں اور شہید کی رُوح کو اس جسم میں داخل ہونے کا حکم فرماتے ہیں۔ پھر شہید کی رُوح اس نئے جسم مثالی میں داخل ہونے کے بعد اپنے عالم دُنیا والے اُس جسم عنصری کو اپنے تصور میں لاتا ہے (جو ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا تھا۔ اور) جس سے نکل کر آیا ہے۔ (حاشیہ ترمذی ج ۲ ص ۱۹۴)

○ حضرت امام ابنِ قیّم رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: رُوح کے چار مکان ہیں:

○ پہلا مکان: ماں کا پیٹ یا رحم مادر۔

○ دُوسرا مکان: عالمِ دُنیا۔

○ تیسرا مکان: عالمِ برزخ۔ جہاں موت کے بعد سے قیامت تک رہنا ہوگا۔ اور یہ مکان دُنیا سے اتنا ہی بڑا ہے جتنی کہ یہ دُنیا ماں کے پیٹ سے بڑی ہے۔

○ چوتھا مکان: آخرت، یعنی جنت یا جہنم۔

(شرح الصدور ص ۳۴)

○ حضرت شیخ ابراہیم کورانی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انسان کو ظاہری طور پر نظر آنے والے ان ابدانِ محسوسہ سے جُدا ہونے کے بعد ان کی رُوحیں دُوسرے مثالی ابدان کے ساتھ جا ملتی ہیں، جو ان کے لائق اور اعمال کے مناسب ان کو نصیب ہوں گے۔ (رُوح المعانی ج ۱۵ ص ۱۴۸)

○ حضرت امام شرف الدین حسین بن محمد بن عبد اللہ طیبی شارح مشکوٰۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان ابدانِ عنصریہ سے اخراجِ رُوح کے بعد اللہ تعالیٰ انہی ابدانِ عنصریہ کی ہیئت پر دُوسرے مثالی ڈھانچے پیدا فرما دیتا ہے۔ اب ان مثالی ڈھانچوں کے ساتھ ان ارواح کا تعلق قائم ہوجاتا ہے اور وہ مثالی بدن اجسام عنصریہ کے قائم مقام ہوتے ہیں تو ان مثالی اجسام کے ذریعے حسّی لذتیں پلتے رہتے ہیں۔ (تفسیر قاسمی ج ۲ ص ۳۲۲)

○ حضرت امام ابن دحیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کی کتاب التنویر کے حوالے سے حضرت امام سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا ہے کہ شہید کی رُوح جو پہلے اس دُنیا میں اپنے جسدِ عنصری کے اندر موجود تھی، اب شہادت حاصل کرنے کے بعد ایک دُوسرے برزخی و مثالی جسم میں داخل کردی جاتی ہے، جو اُڑنے والے پرندے کی طرح معلوم ہوتا ہے، پھر یہ رُوح اس دُوسرے برزخی جسم میں اس طرح رہتی ہے جس طرح (عالمِ دُنیا کے) اس جسمِ عنصری میں رہتی تھی۔ اور یہ اس دُوسرے جسم میں رُوح کا رہنا برزخ کی مُدت میں ہے۔ یہاں تک کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس رُوح کو اس دُنیا والے جسمِ عنصری میں لوٹائے گا، جس طرح اللہ تعالیٰ نے اسے پہلے پیدا فرمایا تھا۔ (شرح الصدور ص ۹۷)

○ حضرت امام عبدالرزاق اور حضرت امام ابن حاتم رحمہا اللہ تعالےٰ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل فرمائی ہے کہ عالمِ برزخ میں اُڑنے والے یہ قالب در اصل ان لوگوں کے اعمالِ صالحہ ہی ہوتے ہیں، جنھیں اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ کے ساتھ ان کی ارواح کے لیے مجسّم فرما دیتا ہے۔ (روح المعانی ج ۲۳ ص ۶۵ و جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۳۰ و ۱۳۱)

○ حضرت امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی کتاب العقیدۃ الطحاویۃ کی شرح میں ہے کہ یہ یقین جانیئے کہ عذابِ قبر عذابِ برزخ ہی کا نام ہے، سو جو بھی عذاب کا اہل مرجائے اسے اس عذاب میں سے اس کا حصہ ملتا ہے خواہ اسے گڑھے میں گاڑا جائے یا نہ گاڑا جائے۔ خواہ اس کو درندے کھاجائیں یا جل کر راکھ ہوجائے یا اسے ہوا میں اڑا دیا جائے یا اسے سولی چڑھا دیا جائے یا سمندر میں غرق ہوجائے حاصل یہ ہے کہ رُوحِ انسان کے لیے تین گھر ہوتے ہیں، ○ ایک دُنیا

○ دُوسرا برزخ ○ تیسرا سدا رہنے کی جگہ۔ یعنی جنت یا دوزخ۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہر گھر کے لیے علیحدہ علیحدہ مخصوص احکام مقرر فرمائے ہیں دیکھیے شرح عقیدہ طحاویہ ص ۳۳۰ و ۳۳۱۔

○ تفسیر معالم التنزیل پ ۹ ص ۲۰۳ و تفسیر خازن ص ۵۱۱ میں اس طرح ہے کہ جب مومن بندے کی رُوح قبض کرنے کا وقت آتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان کے پاس فرشتوں کو روانہ فرماتے ہیں جن کے پاس تحفے ہوتے ہیں اور وہ کہتے ہیں یاایتہا النفس المطمئنۃ (الآیہ) اور رُوح نکالتے وقت مشک جیسی خوشبو محسوس ہوتی ہے۔ اور فرشتے آسمان کے کنارے پر کھڑے ہوکر دُعا فرماتے ہیں۔ تمام آسمانوں کے دروازے کھولے جاتے ہیں۔ اور ہر ایک فرشتہ دعا کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ رُوحِ مومن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچ سجدہ ریز ہوجاتی ہے۔ پھر حضرت میکائیل علیہ السلام کو کہا جاتا ہے کہ اس رُوح کو مومنین کی رُوحوں کے رہنے والی جگہ میں پہنچادو۔ پھر اس رُوح پر قبر وسیع کردی جاتی ہے، ستر گز چوڑی اور ستر گز لمبی۔

○ حضرت علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مسند احمد میں حدیث ہے جس میں ہر مومن کے لیے بشارت ہے کہ اس کی رُوح جنت میں سَیر کرتی ہے اور جنت کے میوے کھاتی ہے اور عجائبات دیکھتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے احسانات کا مشاہدہ کرتی ہے۔ اور یہ مسئلہ اجماعی ہے۔ اس پر چاروں اماموں کا اتفاق ہے۔ اور یہی مسلک اہل السّنّت والجماعت کا ہے۔ (ابن کثیر ج ۲ ص ۳۹۲)

○ حضرت علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ شہداء کی ارواح یعنی جانیں جن کے ذریعے سمجھ بوجھ، ادراک اور تمیز حاصل ہوتی ہے وہ سبز پرندوں کی طرح جنت کی نعمتوں میں رہتی ہیں، اس ذریعے سے ان شہداء

کی روحوں یعنی جانوں کو لذت محسوس ہوتی ہے۔ (اکلیل ج ۴ ص ۸۲)

○ حضرت علامہ ابو الحاکم بن مرجان رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں شہیدوں کیلیے رَبّ تعالیٰ کے ہاں اُن کی وہ برزخی زندگی بہ نسبت دنیوی زندگی کے کامل ہوتی ہے۔ دنیوی اجسام کے خبث اور ظلمات سے چھوٹ جاتی ہے...... لیکن حیاتِ تام بعث ہی کے دن ہوگی، جس دن کہ ان ارواح کا وجود پھر سے ان عنصری اجسام میں ہوجائے گا۔ (اکلیل ج ۴ ص ۸۲)

○ حضرت امام علی بن سُلطان محمد القاری المعروف بہ ملّا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں کہ جتنی مُدت برزخ میں رہنے کی ہے اتنی مُدت میں ان ارواح کی خاطر اُن کے اِن کثیف عنصری اجساد کے بدلے لطیف قسم کے خالی ابدان جوڑ دیے جاتے ہیں تاکہ یہ رُوح اِن ابدانِ لطیفہ کے ذریعے کھانے پینے وغیرہ حتی لذتوں کے ساتھ متمتع اور محظوظ ہوں اور یہ اس لیے ہوتا ہے تاکہ نعیم وغیرہ علی وجہ الاکمل ہو۔ (مرقاۃ ج ۴ ص ۳۱)

○ حضرت امام عبد الوہاب شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ ان عنصری جسموں میں سے ارواح کو کھینچ کر نکالتے ہیں تو ان ارواح کو دُوسرے جسمانی ڈھانچوں میں امانتاً رکھ چھوڑتے ہیں، جو اس نوری قرن میں جمع ہیں، پس مرنے کے بعد اس عالمِ برزخ میں جن جن امور کا انسان ادراک کرتا ہے تو وہ اسی صُورت کی آنکھ وغیرہ کے نور کے ساتھ ادراک کرتا ہے جو اس نوری قرن میں ہے، تو اس طرح اس اِنسان کو حقیقی ادراک بھی ہوتا ہے۔ (الیواقیت والجواہر ج ۲ ص ۱۲۸)

○ حضرت امام ابو المعین میمون بن محمد نسفی الحنفی (متوفی ۵۰۸ھ) رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا ہے کہ ارواح چار قسم کی ہوتی ہیں:

① انبیاء کرام علیہم السلام کی ارواح، جو اپنے اس جسدِ عنصری سے نکل کر اپنی برزخی صورتوں میں مشک و کافور سے معطر ہوتی ہیں، اور جنت میں

کھاتی پیتی اور مزے کرتی ہیں۔ اور رات کو عرش کے نیچے معلق قندیلوں کی طرف آکر بسیرا کرتی ہیں۔

④ شہداء کی ارواح، جو اپنے اِن دُنیوی اجسادِ عنصریہ سے نکلنے کے بعد سبز پرندوں کی صورت میں رہ کر جنت میں کھاتی پیتی اور مزے کرتی ہیں۔ اور رات کو عرش کے نیچے معلق قندیلوں کی طرف آکر بسیرا کرتی ہیں۔

③ مطیع مومنین کی ارواح، جو جنت کے باغات میں رہ کر انتظار کر رہی ہیں، کھاتی پیتی نہیں (انھیں کھانے پینے کی حاجت ہی نہیں ہوتی) البتہ وہ جنت میں اُڑتی پھرتی (اور خوش و خرم رہتی) ہیں۔

④ کُفار کی ارواح، جو سجین میں رہتی ہیں (بحر الکلام ص ۸۶)

○ فضیلۃ الشیخ الاستاذ عبدالرحمٰن الوکیل الرئیس العام لجامعۃ الانصار المحمدیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے حضرت سعد صادق ؒ ساکن قاہرہ مصر کی کتاب الصراع بین الحق والباطل طبع کرائی، جس کے ص ۶۲ و ۶۳ پر ہے کہ: ولی ہو یا غیر ولی قبر میں سب کی حیات دنیوی زندگی کے مغایر ہے..... وہ حیات غیبی برزخی ہے، جس کی حقیقت اللہ تعالیٰ وحدہٗ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

○ حضرت علامہ سید آلوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں ہر مرنے والے کو حیات ملتی ہے خواہ شہید ہو یا کوئی اور۔ نیز روحیں جواہر قائم بذاتِ خود ہیں، ان ابدان سے مغایر ہیں جو ظاہرہ محسوس ہوتے ہیں لیکن پھر بھی اس بات سے کوئی امر مانع نہیں کہ ان ارواح کا تعلق کسی برزخی بدن کے ساتھ ہو جو اس کثیف بدن سے مغایر ہو۔ (رُوح المعانی ج ۲ ص ۲۱)

○ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکتوبات ج ۲ ص ۱۱۶ میں تحریر فرمایا ہے کہ کفار کے ارواح سجین میں ہیں، نیز آپ نے یہ بھی تحریر فرمایا کہ مومنین کی روحیں جنت میں اللہ تعالےٰ کا انعام حاصل کر رہی ہیں ان ارواح کا تعلق ابدانِ دنیویہ سے نہیں ہے۔

- حضرت علامہ شیخ زادہ محمد بن مصلح الدین القوجوی الرومی الحنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ کی روایت نقل فرما کر بطور خلاصہ حاشیہ تفسیر بیضاوی میں ولکن لاتشعرون (الآیہ) کے تحت تحریر فرماتے ہیں کہ خلاصہ حضرت حسن بصریؒ کی روایت کا یہ ہے کہ اس بات میں تو کسی قسم کا شک و شبہ نہیں اور یہ بات بالکل بدیہی اور واضح ہے کہ (شہیدوں کی زندگی) اس عنصری جسم کے ساتھ تو ہرگز نہیں ہے، کیونکہ ظاہری طور پر محسوس ہونے والا یہ جسم تو معدوم، لاشے اور نیست و نابود ہو چکا ہے۔ اس لیے لازمی امر ہے کہ ان شہداء کی زندگی کسی اور طرح کی ہو جو روحانی ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ولکن لاتشعرون فرمایا۔ کیونکہ دُنیا کے رہنے والوں کو تو اسی حیات کا شعور ہو سکتا ہے جو اس عنصری و حسی جسم کے ساتھ ہو۔ اور یہ جو شہداء کی حیات ہے وہ اس عنصری و حسی جسم کے ساتھ نہیں ہے بلکہ شہداء کی حیات معنوی و رُوحانی ہے۔ کیونکہ اگر اِنسان دُنیا میں نیکی کرتا رہا ہے تو (عالمِ قبر میں) قیامت تک اس کی رُوح آسودگی و عیش و فرحت میں رہے گی۔ اور اگر انسان دُنیا میں بُرے کام کرتا رہا تو (عالمِ قبر میں) قیامت تک اس کی رُوح دُکھ اُٹھاتی اور مار کھاتی رہے گی۔ اور صحابۂ کرامؓ، تابعین اور تمام محدثینِ عظام کا یہی مذہب ہے۔

- حضرت مفسر بیضاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ روحیں ایسی ذات ہیں جو بذاتِ خود قائم ہیں اپنے ہونے میں کسی جسم وغیرہ کی محتاج نہیں اور جسم سے جُدا ہونے کے بعد بھی باقاعدہ علم و فہم اور ادراک سے متصف رہتی ہیں۔ اور جمہور صحابہؓ و تابعینؒ اسی مذہب پر ہیں اور آیاتِ قرآنی و احادیثِ نبویہ بھی یہی کہتی ہیں۔

○ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قبر سے مراد عالم برزخ ہے جو دُنیا اور آخرت کے درمیان ایک واسطہ ہے، اور اس کا تعلق ان دونوں مقاموں سے ہے۔ اور قبر سے مراد یہ گڑھا نہیں ہے جس میں مُردے کو دفن کرتے ہیں۔ کیونکہ کئی مُردے ایسے ہوتے ہیں جو پانی میں غرق ہوجاتے ہیں اور کئی آگ میں جلادیے جاتے ہیں، اور کئی جانوروں کے پیٹ تحلیل ہوجاتے ہیں۔ (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۶۲ و ۱۱۴)

○ نیز آپ نے فرمایا: اہلِ سُنّت و جماعت کے عقائد میں سے ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ عذابِ قبر حق ہے۔ اور یہاں قبر سے مراد عالمِ برزخ ہے، جو دنیا اور آخرت کے درمیان واسطہ ہے۔ (تکمیل الایمان ص ۱۵)

○ امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے الخیر الکثیر کے خزانۂ تاسعہ ص ۱۵۸ میں احکام نشأۃ المعاد کے زیرِ عنوان تحریر فرمایا ہے کہ عالمِ آخرت کی چار منزلیں ہیں، ان میں سے پہلی منزل عالمِ برزخ ہے، جس کا نام حضرت رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے قبر رکھا ہے۔

○ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ اپنی تفسیر عزیزی پ ۲۹ ص ۱۳۳ میں فرماتے ہیں کہ عذاب روح کو ملتا ہے بدن کو نہیں۔

○ نیز تحفہ اثنا عشریہ میں حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ وفات کے بعد بدن کے ساتھ رُوح کا تعلق منقطع ہوجاتا ہے۔

○ نیز فرمایا: برزخ میں رُوح کا اپنے جسدِ عنصری کے ساتھ تعلق ایسا ہوتا ہے جس طرح ایک عاشق کا تعلق اپنے معشوق سے ہُوا کرتا ہے اور یا اس طرح سمجھیں کہ جس طرح کسی مالک کا تعلق اپنے مملوک کے ساتھ، یا گھر والے کا تعلق (پردیس میں) اپنے گھر کے ساتھ ہوتا ہے۔

○ نیز فرمایا: وفات کے بعد اس رُوح کا بدنِ حقیقی بدنِ ہوائی ہے اور عالمِ مثال میں رُوح کا تعلق اسی سے ہوتا ہے۔ (دیکھیے ص ۲۵۱، ۲۳۸ و ۳۰۶)

- حضرت مفسر عبد الحق حقانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عقائد الاسلام ص ۱۹۰ و ۱۹۱ میں تحریر فرمایا ہے کہ قبر کے وسیع و تنگ ہونے سے ہماری مراد یہ نہیں کہ یہ گڑھا کہ جس میں جسم (خاکی) کو چھپایا ہے وہ وسیع و تنگ ہوتا ہے، بلکہ اُس عالم (یعنی برزخ) میں رُوح پر تنگی اور کشادگی ہوتی ہے، اور اصلی قبر اس کی وہی ہے۔ ہاں عرفِ عام میں (ہاتھوں سے کھودے ہُوئے) اس گڑھے کو بھی قبر کہتے ہیں۔
- حضرت مولانا نجم الغنی رامپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تہذیب العقائد ص ۲۰ میں تحریر فرمایا ہے کہ قبر سے مراد عالم برزخ ہے کہ دنیا اور آخرت کے درمیان واسطہ ہے۔ قبر سے مراد یہاں مدفن نہیں ہے، تاکہ یہ کیفیت شامل ہو ان لوگوں کی نسبت بھی جو دریا میں ڈوب گئے ہیں، یا آگ میں جل کر مر گئے ہیں یا کسی جانور نے ان کو کھا لیا ہے۔
- نیز ص ۱۲۱ میں تحریر فرمایا کہ سجین اور علیین کو عالم قبر کہتے ہیں۔
- حضرت مولانا عبد الرحمٰن سلہٹی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے احسن العقیدۃ لاہل السنۃ والجماعۃ ص ۲۱ میں تحریر فرمایا کہ: اعتقاد رکھنا چاہیے کہ عذاب قبر کا برحق ہے اور اس سے مراد عذاب عالم برزخ کا ہے کہ واسطہ ہے درمیان دنیا اور آخرت کے۔ گنہگار مومن اس عالم برزخ میں محنت اور عذاب میں رہیں گے اور نیک کار مومن ناز و نعمت میں اس طرح پر کہ خواہش اور مرضی اس خالق حقیقی کی ہوگی۔
- حضرت مولانا عبد العزیز پرہاروی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے نبراس ص ۳۲۹ میں تحریر فرمایا کہ عذاب صرف رُوح کو ہوتا ہے۔
- حضرت مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بیضاوی ص ۲۰۱ کے حاشیہ میں تحریر فرمایا کہ: ولکن لا تشعرون میں اس بات پر متنبہ کیا گیا ہے کہ اس جسدِ عنصری کے ساتھ حیات نہیں اور نہ حیوانی حیات کی جنس سے

○ قرآن مجید کی آیاتِ بیّنات، احادیثِ نبویہؐ، اقوالِ صحابہؓ و تابعینؒ اور علماء و ائمۂ تفسیر و محدثینِ عظام کے ارشادات سے یہ بات تو بخوبی واضح ہوجاتی ہے کہ اس جسدِ عنصری سے جب انسان کی رُوح نکل جاتی ہے تو یہ جسدِ خاکی اِنسانِ حقیقی سے خالی ہو کر محض ایک بے جان لاش رہ جاتا ہے۔ اور رُوح جو اصل و حقیقی اِنسان ہے عالمِ برزخ میں چلی جاتی ہے۔ پھر نیک اِنسان برزخی جنت میں تا قیامت عیش و فرحت کے ساتھ رہنا شروع کرتا ہے اور بُرا انسان برزخی دوزخ میں قیامت تک کے لیے قید کردیا جاتا ہے۔ پھر جنت میں پہنچنے والی روحیں اپنے اپنے مقام و مرتبہ اور اعمال کے مناسب برزخی و مثالی اجسام و ابدان کی صورت پاکر اُڑنے والے پرندوں کی طرح شکل اختیار کرلیتی ہیں اور پھر حسبِ مراتب ان کے رنگ بھی مختلف ہوتے ہیں۔ یعنی شہداء سبز رنگ اور عام مومنین سفید رنگ میں' نیز شہدا تو جنت میں جہاں چاہیں چگتے پھریں' اور عام مومنین اسی برزخی جنت میں اتنے خوش اور عیش و نشاط کی زندگی گزارتے ہیں کہ انھیں کھانے کی خواہش تک نہیں ہوتی۔ عالمِ برزخ کے اس حصے کو علّیین اور برزخی یا مثالی جنت بھی کہا جاتا ہے جو کہ ساتوں آسمانوں سے اُوپر جنّتِ حقیقی کے نواح میں واقع ہے۔

○ اس عالمِ مثال میں شہید اپنے مثالی برزخی جسم میں داخل ہونے کے بعد اپنے دُنیوی جسدِ خاکی کے بارے میں سوچتا ہے۔ اور یہ خواہش بھی کرتا ہے کہ اے کاش! کبھی مجھے دوبارہ دُنیا کے اُسی جسدِ خاکی میں لوٹا دیا جائے؛ خواہ چند ساعت کے لیے سہی' بس اُس جسدِ خاکی میں جاتے ہی دس بیس کفار کو قتل کردوں' اور بالآخر ایک بار پھر جامِ شہادت پی کر اس عالمِ برزخ میں آؤں' بلکہ

بار بار اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان دیتے رہنے کی تمنا کرتا رہتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ وہ قیامت کے نفخۂ ثانیہ سے پہلے ارواحِ انسان کو عالمِ برزخ کے مثالی جسم سے نکال کر دوبارہ دُنیا کے جسدِ خاکی میں واپس نہیں بھیجتا۔ اس لیے انسان کی رُوح قیامت تک عالمِ برزخ میں خوش و خرم رہتی ہے اور ایک لمحے کے لیے بھی اس دُنیوی عنصری جسم میں لوٹ کر واپس نہیں آتی۔

○ اسی طرح کفار و مشرکین اور بدکار لوگوں کو ان کے ابدانِ خاکی سے نکالنے کے بعد کالے رنگ کے پرندوں کی سی بُری صورت دے کر عالمِ برزخ کے آتش بار اور اندھیرے سے ڈھبے ہُوئے خوفناک حصّے میں قید کر دیا جاتا ہے۔ عالمِ برزخ کے اس حصّے کو سجّین اور برزخی یا مثالی دوزخ بھی کہا جاتا ہے۔ یہاں پر کفّار اور گناہ گار لوگ اپنے اپنے اعمالِ بد کے موافق قیامت تک سزا پاتے رہیں گے اور ایک لمحے کے لیے بھی عالمِ برزخ کے اُس خوفناک جسم سے نکل کر اس دُنیوی جسم خاکی میں نہیں آسکتے، اس لیے کہ انھیں زنجیروں میں جکڑ کر آتش بار اور اندھیرے قیدخانہ میں محبوس کر دیا جاتا ہے جو کہ حقیقی دوزخ کے نواح میں واقع ہے۔

○ بعض روایات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اصل و حقیقی جنت اور دوزخ کے درمیان جیسا کہ اعراف نامی ایک مقام ہے، تو عالمِ برزخ میں بھی مثالی اعراف موجود ہے، جہاں گنہگار مومنین کی ارواح امید و یاس کی کشمکش میں مبتلا رہیں گی۔

○ اس طرح گویا عالمِ برزخ کے تنعیم و تعذیب کے حوالے سے تین حصّے ہُوئے۔ تو اب عالمِ برزخ کے ان تینوں حصّوں یعنی علّیّین، سجّین اور اعراف میں اپنے اپنے اعمال کے موافق جزا و سزا

پانے والے تینوں قسم کے اِنسان یعنی مومن و کافر اور گنہگار مومنین قیامت کے نفخۂ ثانیہ کے بعد دوبارہ اپنے اُنہی پہلے دُنیوی عنصری اجسادِ خاکی میں عود کرآئیں گے جن میں وہ کبھی اس زمین پر حیاتِ دنیویہ کے دور میں رہا کرتے تھے۔ خواہ کسی کا وہ دُنیوی جسمِ خاکی اللہ تعالیٰ کی قدرت سے اس وقت تک محفوظ اور صحیح سلامت رہا ہو جیسے انبیاءِ کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے اجسادِ مبارکہ۔ اور چاہے انسان کا وہ جسمِ خاکی مرورِ زمانہ کے باعث گل سڑ کر یا آگ میں جل کر خاک ہو چکا ہو۔

- بہرحال تمام اہل السُنّت والجماعت کا اس بات پر اِتفاق ہے کہ اِصطلاحِ شرع میں عالمِ برزخ کو قبر بھی کہتے ہیں اور اسے عالمِ قبر سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ اور انسانِ حقیقی کو جسدِ خاکی سے نکلنے کے بعد اسی برزخی قبر میں اپنے اپنے اعمال کے موافق برزخی تعذیب و تنعیم یا عذاب و ثواب ہوتا رہتا ہے۔ اور اس کا اِنکار کفر ہے۔
- نیز قرآنِ مجید کی آیاتِ بینات اور ارشاداتِ نبویہؐ کی روشنی میں اہل السُنّت والجماعت کے تمام علماء متقدمین و متاخرین اس مسئلہ میں متحد القسان و یک زبان ہیں کہ جب عذاب و ثواب کی نسبت قبر کی طرف ہو تو اس سے مراد عالمِ برزخ ہوتا ہے۔ ان میں سے بعض محدثین و مفسرین کے ارشادات تو گزشتہ اوراق میں آپ پہلے ہی پڑھ چکے ہیں، لیکن تمام علماء کے اقوال و ارشادات کو احاطۂ تحریر میں لانا باعثِ طوالت ہوگا اس لیے بطورِ اِختصار اب صرف علماء متاخرین خصوصاً پاک و ہند کے چند نامور علماءِ کرام کے اِرشاداتِ عالیہ کے نقل کرنے پر اِکتفا کیا جاتا ہے۔ ؏

شاید کہ اتر جائے ترے دِل میں مری بات

- حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنی درسی کتاب مالابدمنہ ص ۱۲ میں فرمایا کہ قبر سے مراد عالمِ برزخ ہے۔
- نیز فرمایا: انبیاء و شہداء کے ارواح اعلیٰ علیین میں ہیں (تذکرۃ الموتیٰ والقبور ص ۳۴)
- حضرت شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی و مہاجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے تلمیذ رشید حضرت نواب قطب الدین محدث و مفسر دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے مظاہر حق ترجمہ مشکوٰۃ المصابیح ص ۶۲ میں تحریر فرمایا ہے کہ: مُراد قبر سے عالمِ برزخ ہے، کہ وہ واسطہ ہے درمیان دنیا و آخرت کے۔
- نیز آپ نے یہ بھی لکھا کہ کچھ معنیٰ قبر کا گڑھا ہی نہیں ہے۔
- حضرت مولانا محمد حسن سنبھلی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے نظم الفرائد حاشیہ شرح العقائد النسفیہ ص ۱۷۱ میں تحریر فرمایا ہے کہ قبر سے مراد گڑھا نہیں جس میں میت کو دفن کیا جاتا ہے بلکہ عالمِ برزخ ہے۔
- حضرت مولانا محمد عیسیٰ الہ آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے نور الصدور ص ۱۰۰ میں تحریر فرمایا کہ "علماء نے فرمایا ہے کہ عذاب برزخ کو عذاب قبر کہتے ہیں۔ اور برزخ کہتے ہیں دنیا و آخرت کے درمیانی مدت کو۔ یعنی میت نہ دنیا میں ہے نہ آخرت میں بلکہ عالمِ برزخ میں ہے اور جس میت کو اللہ تعالیٰ عذاب کرنے کا ارادہ کرتا ہے، اس کو اسی عالمِ برزخ میں عذاب کرتا ہے۔" اور نور الصدور ص ۱۲۳ میں تحریر فرماتے ہیں:
- جاننا چاہیے کہ عالمِ دُنیا و آخرت کے درمیان ایک عالم ہے، اس کا نام برزخ ہے۔ یہی عالم ارواح کے رہنے کی جگہ ہے۔ برزخ دنیا سے بڑا اور آخرت سے بہت چھوٹا ہے۔ اس کے درجے اور طبقے بہت ہیں۔ اور اعمال کے موافق ارواح کے بھی مختلف درجے ہیں، اور یہ ارواح اپنے اپنے اعمال کے موافق (قیامت قائم ہونے تک) ان درجوں میں رہیں گی۔

○ حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بعدِ مرگ جسدِ مُردہ من جملہ جمادات ہوجاتا ہے"۔ (آبِ حیات ص ۲۰)

○ نیز فرماتے ہیں کہ "بعد موت نہ ارواحِ شہدا کو اِن ابدانِ (خاکی) کے ساتھ تعلق رہتا ہے اور نہ ارواح اور مومنین کو"۔ اس کے بعد تحریر فرمایا: بہرحال ابدانِ دُنیا سے (مومنین اور شہدا) دونوں کو کچھ تعلق نہیں رہتا۔ (آبِ حیات ص ۱۶۸)

○ نیز آپ نے جمالِ قاسمی ص ۸ پر تحریر فرمایا کہ جب تک (جسمِ خاکی سے) تعلق روحانی ہے جبھی تک حیاتِ جسمانی اور صفاتِ روحانی (سُننا دیکھنا وغیرہ) کی بھی جسم میں جلوہ گری ہے۔ ورنہ جیسے (رحمِ مادر میں جسمِ خاکی کے ساتھ روح ملنے سے) قبل (رُوح و جسمِ عنصری کے درمیان) تعلق کچھ نہ تھا' ایسے ہی بعد اِنفکاک بھی تعلق کچھ نہیں رہتا۔ اس کے بعد تحریر فرمایا:

○ اِس بدن کے اعتبار سے (شہدا و مومنین) دونوں کی موت برابر ہے، یعنی دونوں یہاں کے جسمِ (خاکی) سے بے علاقہ ہوجاتی ہیں۔ (۔ ص ۱۳)

○ نیز آپ نے یہ بھی فرمایا کہ شہدا کی وہ حیات جس کے تحقق پر کلام اللہ اور احادیثِ صحیحہ ناطق ہیں (وہ برزخ کی) حیاتِ ثانی ہے۔ (آبِ حیات ص ۱۳)

○ نیز خیرالحیات وخیرالممات ص ۴۲ و ۴۳ میں ہے کہ یہ تو ظاہر ہے کہ رُوح اِس جسمِ (خاکی) سے تو مفارق ہوجاتی ہے' اس لیے اِس جسمِ (خاکی) کو تو عذاب و ثواب تکلیف و آرام کچھ نہیں ہوتا۔ (تسکین القلوب ص ۶۷)

○ نیز آبِ حیات ص ۱۳ میں یہ بھی فرمایا کہ جب رُوح کو اس جسم (عنصری) سے تعلق ہی نہیں رہا تو یہ ازواج و اموال رُوح کے حق میں بے کار محض ہوگئے۔ اور دُوسرے عالم کے اجسام (مثالی) سے اگر تعلق پیدا ہوگیا تو وہ اس باب (منافعِ دنیویہ) میں کچھ مفید نہیں۔ کیونکہ اُس عالم کے اجسام سے تعلق اگر ذریعۂ انتفاع ہوسکتا ہے تو وہیں کے ازواج و اموال کے انتفاع کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

- حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی رحمۃ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں کہ اس جگہ عالمِ قبر سے مُراد عالمِ برزخ ہے، جو دُنیا اور آخرت کے مابین ایک جہان ہے۔
- حضرت مولانا محمد طاہر قاسمی نبیرۂ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہما اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں کہ رُوحِ انسانی اگر دُنیا سے پاک ہوکر جسم سے نکلتی ہے تو عالمِ قدس میں اس کا ٹھکانا ہوجاتا ہے جسے علیین کہتے ہیں، اور اگر ناپاک ہوکر دُنیا سے رُخصت ہوتی ہے تو عالمِ ظلمت میں اس کا ٹھکانا ہوتا ہے جسے سجین کہتے ہیں۔ (عقائد الاسلام قاسمی ص ۴۶)
- نیز مولانا قاسمیؒ نے ص ۹۸ و ۹۹ میں تحریر فرمایا کہ جو روحیں پاک اور مومن ہوتی ہیں ان کو حشر تک علیین میں رکھا جاتا ہے۔ اور جو روحیں ظلماتِ کفر میں لپٹی رہتی ہیں ان کو سجین میں جگہ دی جاتی ہے۔ گویا یوں سمجھیے کہ یہ ہر دو مقامات ارواحِ بشریہ کے لیے بمنزلہ دو مسافر خانوں کے ہے، جہاں قیامت تک نیک و بد رُوحیں ثواب و عقابِ آخرت سے آشنا کرائی جاتی ہیں۔
- حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ سرے سے قبر میں پڑے ہُوئے بدن سے رُوح کا تعلق ہوتا ہی نہیں ہے، بلکہ بدنِ خاکی سے رُوح نکلنے کے بعد رُوح کو جو شعور و ادراک ہوتا ہے اسے حیات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ (حل مشکلات القرآن ص ۱۳)
- حضرت مولانا محمد ابراہیم دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کشف المغالطات ص ۱۵۹ میں تحریر فرمایا ہے کہ قبر اس گڑھے کا نام نہیں ہے جہاں جسدِ خاکی مدفون کرکے خاک ڈالتے ہیں، جہاں تک زندہ لوگوں کے ہاتھ پہنچتے ہیں، اِس گڑھے کو برائے نام یا بطورِ مجاز قبر کہتے ہیں۔ حقیقی قبر یہ نہیں، حقیقی قبر عالمِ برزخ ہے۔

○ حضرت پیرومرشد مولانا شاہ حسین علی الوانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب تحریراتِ حدیث ص ۲۰۸ میں فرمایا کہ: حنفی کہتے ہیں کہ قبر سے مُراد برزخ ہے۔

○ حضرت مفتیٔ اعظم ہند مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ تعالےٰ نے جواہرالایمان ص ۶ میں تحریر فرمایا کہ قبر سے مراد گڑھا ہی نہیں ۔

○ حضرت حکیم الامت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اس رُوح کو برزخ میں دُوسرا جسد عطا ہوتا ہے۔ اور ساتھ ہی اِس جسد سے تعلق رکھتا ہے۔ اور قبر کا سوال وجواب اس جسدِ مثالی سے ہوتا ہے جو وہاں عطا ہوتا ہے۔

○ اب یہاں بعض لوگوں کو مغالطہ ہوتا ہے کہ اس جسم سے بھی رُوح کا تعلق قائم رہتا ہے تو اس تعلق کی وضاحت کرتے ہُوئے فرماتے ہیں:

○ جسدِ عنصری سے تعلق رہنے کا ایسا درجہ ہے جیسے کوئی رضائی اُتار کر رکھ دے اور دُوسری اوڑھ لے۔ اب چلنا پھرنا تو دُوسرے جسم کے ساتھ ہوتا ہے، اگرچہ ایک گونہ تعلق پہلے کے ساتھ رہتا ہے، تو رُوح گو وہاں جسدِ مثالی کے ساتھ ہوگی مگر تعلق اس جسدِ عنصری کے ساتھ بھی ہوگا (کہ اس جسدِ عنصری میں کبھی رہا کرتا تھا) اب اس سے یہ شبہ بھی جاتا رہا کہ اگر کسی میت کو شیر کھا جائے یا آگ میں جل جائے کیا تب بھی حساب ہوگا۔؟ —— سو یہ جواب سوال اسی جسدِ مثالی کے ساتھ ہوگا جو عالمِ برزخ میں عطا ہوتا ہے (ملفوظات ۱۳ ص ۵۱۴ و ۸۲۸)

○ نیز آپ تحریر فرماتے ہیں کہ: غرض ایک جسم تو یہاں (دُنیا میں) ہے اور ایک جسم عالمِ مثال میں ہے۔ وہاں کی دوزخ بھی مثالی ہے، بس اس مثال ہی کا نام قبر ہے، کیونکہ وہ جو عالمِ مثال ہے وہیں اِسی کو

عذابِ قبر بھی ہوگا (اب کوئی اشکال نہ رہا) اشکال تو تب ہوتا ہے جب قبر سے مُراد گڑھا ہوتا جس میں لاش دفن کی جاتی ہے۔ حالانکہ اصطلاحِ شریعت میں قبر گڑھے کو کہتے ہی نہیں، بلکہ عالمِ مثال کو کہتے ہیں قبر۔ اور وہاں پہنچنا کسی حال میں منتفی نہیں خواہ مُردہ دفن ہو یا نہ۔ (اشرف الجواب ج ۳ ص ۳۴۶، التکشف ص ۵۵)

○ نیز ایک موقع پر آپ نے اسی مسئلہ کو درج ذیل الفاظ میں واضح فرمایا: بعض ملاحدہ کہتے ہیں کہ اگر مُردہ جلایا گیا تو عذابِ قبر کیسے ہوگا؟ فرمایا: اُس نے یہی نہیں سمجھا کہ مُعذَّب کونسا جسم ہے، خاکی یا مثالی؟ مُعذَّب جسمِ مثالی ہے۔ یہ (ملحد و بے دین) لوگ اس کو کیا جانیں، دیکھتے تو جانتے۔ (اس کے بعد فرمایا کہ) تقریب الی الفہم خواب سے ہوسکتی ہے۔ (نیز فرمایا:) قبر سے مُراد حدیث میں عالمِ برزخ ہے، نہ حفرہ (یعنی گڑھا)۔ دیکھیے: مجالسِ حکمت، مجلس ۱۳ ص ۴۳۔ قسط نمبر ۲۰ ۲۵ شوال ۱۳۳۲ھ طبع مُصطفائی جزء ۱۔ از حسن العزیز تالیفاتِ اشرفیہ تھانہ بھون۔

○ خلاصہ حضرت تھانویؒ کی عبارات کا یہ ہُوا کہ: جس وقت انسان کے اس جسدِ خاکی سے رُوح نکلتی ہے تو سیدھی عالمِ مثال ہی میں پہنچتی ہے وہاں ایک آسمان ہے مشابہ آسمانِ دُنیا کے، اور زمین بھی ہے مشابہ دُنیا کی زمین کے، اور جسم بھی ہے مشابہ اس جسم کے، تو رُوح کے لیے مرنے (یعنی جسدِ خاکی سے نکلنے) کے بعد ایک جسمِ مثالی ہوگا۔ (اشرف الجواب ج ۳ ص ۲۲۵)

○ مرنے کے بعد (حساب کتاب کے لیے) مثالی قبر میں اُٹھایا جاتا ہے، وہیں سوالات اور عذاب و ثواب ہوتا ہے، وہیں کی زمین اس کو دباتی ہے وہ عالمِ مثال کچھ تو عالمِ دُنیا کے مشابہ ہے اور کچھ مشابہ عالمِ آخرت کے ہے۔ اور وہ عالمِ مثال ہی ہے جسے حدیثوں میں قبر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (اشرف الجواب ج ۳ ص ۳۴۷)

○ حضرت سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنی تفسیر کشف الرحمٰن ص ۷۰۵ میں تحریر فرمایا ہے: یاد رہے کہ اس جنت سے اصلی حقیقی جنت مراد نہیں، جس میں حشر و نشر اور حساب کتاب کے بعد مومنین کو وہاں گھر ملے گا، بلکہ اس جنت سے مراد وہ جنت ہے جو عالم قبر یعنی عالم برزخ میں واقع ہے۔ اور وہ خاص شہداء کا مقام ہے جو حقیقی جنت سے متصل ہے۔

○ حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تفسیر ماجدی ص ۵۵۲ میں تحریر فرمایا ہے: خود برزخ جس عالم کا نام ہے وہ آخرت کی ہلکی سی منامی رویائی شکل ہے۔ (اس بارے میں ہمارا موقف آگے واضح ہوگا) نیز ص ۱۱۷۶ میں تحریر فرماتے ہیں کہ آگ میں جل کر، پانی میں غرق ہو کر، درندوں کی غذا بن کر ہر حال میں ہر صورت سے انسان جاتا عالم قبر ہی میں ہے۔

○ حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے سیرۃ النبی ج ۴ ص ۶۶۸ میں تحریر فرمایا کہ: اصل مکلف روح ہے جسم نہیں۔ جسم بمنزلہ آلہ کے ہے۔ دنیا میں اس کا جسم خاکی تھا، برزخ میں اس کا اور جسم ہوگا، جو مادہ اور مادیات سے پاک و بری ہوگا، تاہم اس کو اپنے جسم خاکی سے ایک قسم کی نسبت حاصل ہوگی۔ اور اتنی ہی نسبت کی بنا پر قبر کی اصطلاح عام بول چال میں جاری ہے، کیونکہ ہم اپنی آنکھوں سے مسلمان مُردوں کو اسی قبر میں جاتے دیکھتے ہیں۔

○ نیز آپ نے مزید یہ بھی فرمایا کہ: لفظِ قبر سے درحقیقت مقصود وہ خاک کا تودہ نہیں جس کے نیچے کسی مُردہ کی ہڈیاں پڑی رہتی ہیں۔ بلکہ (قبر سے مقصود درحقیقت) وہ عالم ہے جس میں یہ مناظر پیش آتے ہیں، اور وہ ارواح اور نفوس کی دنیا ہے مادی عناصر کی نہیں۔

- حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا (۷۱:۲۵) کے تحت حاشیہ میں تحریر فرمایا کہ طوفان آیا اور بظاہر پانی میں ڈبائے گئے لیکن فی الحقیقت برزخ کی آگ میں پہنچ گئے۔
- حضرت اُستاذی سیدی سندی مولانا محمد شاہ جہلمی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے آیت مِمَّا خَطِيْٓــٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا (۷۱:۲۵) کا ترجمہ اس طرح کرایا کہ حضرت نوح علیہ السلام کی منکر قوم کے اجسادِ عنصریہ کو اپنے گناہوں کی وجہ سے پانی کے طوفان میں غرق کردیا گیا، اس کے بعد بلا تاخیر ان کی ارواح کو عالم برزخ کی آگ میں داخل کردیا گیا۔ یعنی اُغْرِقُوْا کی و ضمیر کا مرجع اجسادھم ہے۔ اور ادخلوا میں و ضمیر کا مرجع ارواحھم ہے۔ اور پھر اغرقوا میں و ضمیر کا مرجع اجسادھم ہونے کی نظیر میں صاحب جلالین حضرت علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی وہ تفسیر بتلاتے تھے جو ان مثل عیسٰی عند اللہ کمثل ادم کے بعد اللہ تعالیٰ کے فرمان خلقہ من تراب کی تفسیر فرمائی، ای خلق جسدہ من تراب یعنی حضرت آدم علیہ السلام کے جسدِ عنصری کو مٹی سے بنایا۔ اور فاغرقوا میں و ضمیر کا مرجع ارواحھم ان احادیث صحیحہ مرفوعہ کی وجہ سے ہے جو ارواحھم سود کی شرح کرتی ہیں۔
- حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ اپنی مستند کتاب عِلمُ الکلام ص ۲۳۴ میں "عالم آخرت" کے زیر عنوان تحریر فرماتے ہیں کہ قبر حقیقت میں اُسی عالم برزخ کا نام ہے، اس گڑھے کا نام نہیں جس میں مُردے کو دفن کیا جاتا ہے۔
- نیز آپ نے اپنی کتاب "عقائد الاسلام" میں "عالم برزخ" کے زیر عنوان تحریر فرمایا کہ: مرنے کے بعد زمانِ بعث تک انسان عالم برزخ میں رہتا ہے۔ کما قال تعالیٰ ومن ورائھم برزخ الی یوم یبعثون (۲۳:۱۰۰)

○ اور اسی کو عالم قبر بھی کہتے ہیں۔ اس پر ایمان لانا فرض اور لازم ہے۔

○ قبر میں مومنوں اور کافروں سے منکر اور نکیر کا سوال حق ہے۔ قبر سے وہ گڑھا مُراد نہیں جس میں مردہ کا جسم دفن کیا جاتا ہے' بلکہ عالمِ برزخ مُراد ہے' جو دُنیا اور آخرت کے درمیان میں ایک عالم ہے۔ جو من وجہٍ دُنیا کے مشابہ ہے اور من وجہٍ آخرت کے۔ (عقائد الاسلام ص ۵۸)

○ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع مفتی اعظم پاکستان رحمۃ اللہ تعالیٰ نے معارف القرآن ج ۸ ص ۶۶۵ میں تحریر فرمایا کہ یہ عذاب و ثواب قبر یعنی برزخ میں ہوگا۔

○ حضرت مولانا اسد الرحمٰن قدسی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے معارف و طریقت ص ۴۲ میں تحریر فرمایا ہے: برزخ وہ عالم ہے جو اصطلاحاً قبر کہلاتا ہے۔

○ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلۂ العالی نے معارف الحدیث ج ۲ ص ۳۲ میں تحریر فرمایا کہ قبر سے مُراد عالمِ برزخ کا ٹھکانا ہے۔

○ حضرت مفسر شیخ علی طنطاوی مدظلۂ العالی نے اسلام کا عام فہم تعارف (مترجم اُردو سید شبیر احمد، ص ۷۴ تا ۷۶) میں اس موضوع پر نہایت احسن طریقے سے عام فہم انداز میں مسئلہ سمجھایا ہے۔ چنانچہ انھوں نے تحریر فرمایا کہ ہم مرنے کو اس دُنیا سے نکالا جانا خیال کرتے ہیں وہ بھی درحقیقت ہماری ایک نئی ولادت ہے اور ایک بہت ہی پُر آسائش دُنیا کی طرف یعنی عالمِ برزخ کی طرف منتقل ہونا ہے، عالمِ برزخ جو اس مادی اور فانی دنیا اور اُخروی ابدی جہان کے مابین ایک پڑاؤ ہے۔ کچھ آگے چل کر لکھتے ہیں:

○ قبر میں ہم نہیں رہیں گے ہمارا جسم قبر میں رہے گا۔ آپ جانتے ہیں یہ جسم کیا ہے؟ انسان کی قمیص جب میلی یا بوسیدہ ہوجاتی ہے تو اُسے اتار کر پھینک دیا جاتا ہے ..... اسی طرح جب انسان مرتا ہے تو اس کا یہ مادی جسم اس سے جُدا ہوجاتا ہے۔ دراصل یہ جسم ایک قمیص سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا جسے پہنا جاتا ہے اور اتار دیا جاتا ہے۔ اور مٹی میں صرف جسم دفن ہوتا ہے۔

- حضرت الشیخ عبدالکریم محمد المدرس مدظلہٗ العالی نے نور الاسلام ص ۲۵۹ میں تحریر فرمایا ہے کہ جس صحیح مسلک پر اکثر ائمہ کرام متفق ہیں وہ یہ ہے کہ مرنے کے بعد ثواب و عذاب رُوح اور جسد ہر دو کے مجموعے پر ہوتا ہے، لیکن وہ جسد جسدِ برزخی ہے، یہ مادی (عنصری) جسد نہیں جو دُوسروں کو نظر آتا ہے، جس کا مشاہدہ کیا جاتا ہے، کیونکہ وہ جسدِ مادی (عنصری) تو ایسا ہے کہ انسان جل جاتا ہے تو اس کا بدن ریزہ ریزہ ہوکر اُڑ جاتا ہے۔ اور یا غرقِ قبر میں رہتے رہتے دُھول ہوجاتا ہے۔ اور جسدِ برزخی سے مُراد وہ جسدِ (مثالی) ہے جو نعمت پانے والے یا سزا کے مستحق رُوح کے لیے ایک لطیف جسم اللہ تعالیٰ پیدا فرماتا ہے۔
- علاوہ ازیں انہی جیسی تحقیق حضرت امام محمد بن محمد غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ سے حضرت مولانا عبدالعزیز پرہاروی نے شرح العقائد النسفیہ کی شرح نبراس ص ۳۲۹ میں اور حضرت رمضان آفندیؒ نے حاشیہ شرح العقائد النسفیہ ص ۲۲۷ میں نقل فرمائی ہے۔
- نیز حضرت علامہ بدرالدین محمود عینیؒ نے عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ص ۹۷/۲۳ میں حضرت محدث ابن بطالؒ کا قول بھی نقل فرمایا ہے کہ: عرض نار یعنی آگ کا پیش ہونا صرف رُوحوں کے ساتھ خاص ہے کیونکہ یہ بدن (عنصری) تو فنا ہوجاتا ہے۔ اور فانی چیز معدوم کے حکم میں ہوتی ہے، اور معدوم پر آگ پیش نہیں ہوسکتی۔
- اسی طرح امام بریلویہ کے شاگردِ خاص محشی کنزالایمان نعیم الدین مُراد آبادی نے آیت ۳: ۱۶۹ کے حاشیہ ۳۳۲ میں لکھا ہے: ثابت ہوا کہ ارواح باقی ہیں، جسم کے فنا کے ساتھ فنا نہیں ہوتیں۔
- نیز انہی مُراد آبادی صاحب کے شاگرد مفتی احمد یار نعیمی نے آیت ۷۱: ۲۵ کے حاشیہ ۲۰ میں لکھا ہے کہ: قوم نوح پانی سے آگ میں پہنچائی گئی کہ ان کے

جسم طوفانِ نوحی میں رہے، ان کی روحیں دوزخ میں۔ آگے چل کر مزید لکھا کہ عذابِ قبر دفن ہونے پر موقوف نہیں، مُردے کا جسم کہیں ہو عذابِ قبر ہوگا کہ قومِ نوح پانی میں ڈوب کر بھی عذابِ قبر میں گرفتار ہوئی۔

○ نیز مفتی صاحب موصوف نے اسرار الاحکام بہ انوار القرآن میں یہ بھی لکھا ہے کہ قبر سے مراد صرف یہ غار نہیں ہے جس میں مردہ دفن ہوتا ہے، بلکہ اس سے عالمِ برزخ مُراد ہے، مُردہ کا جسم کہیں ہو مگر رُوح تو محفوظ ہے۔

○ اسی طرح مولوی رحیم بخش نے اسلام کی گیارھویں کتاب ص ۲۱۰ میں لکھا ہے کہ: عالمِ برزخ یعنی عالمِ قبر کی حقیقت اس عالمِ دُنیا کی حقیقت کے علاوہ ہے۔ پھر ص ۲۱۴ پر لکھا: عالمِ قبر جُدا عالم ہے اور دُنیا کے عالم سے جُدا اور مبائن ہے اور اس کے لوازم جُدا ہیں اور اس کے احکام جُدا ہیں، اس لیے اُس عالم کا اِس عالمِ دُنیا پر پُورا پُورا اور بعینہٖ قیاس نہیں ہوسکتا۔

○ نعیم الدین مُراد آبادی، احمد یار خان نعیمی اور مولوی رحیم بخش کی عبارات کے بعد اب دیکھیے کہ ان کے امام احمد رضا خان بریلوی کا عالمِ برزخ کے متعلق کیا عقیدہ ہے۔ چنانچہ جب ان سے پُوچھا گیا کہ: "برزخ سے مُراد قبر ہے یا وہ زمانہ جو بعد مرنے سے قیامت یا حشر تک ہے؟" تو اُس کے جواب میں انھوں نے کہا کہ: "نہ قبر، نہ وہ زمانہ، بلکہ وہ مقامات جن میں اَرواح بعد موت حشر تک حسبِ مراتب رہتی ہیں۔" (ملفوظات ج ۴ ص ۲۶،۲۵)

○ علماءِ بریلویہ کے بعد مُناسب ہے کہ غیر مقلدین میں سے بھی نمونہ کے طور پر نواب وحید الزمان حیدر آبادی کا اس بارہ میں مسلک لکھ دیا جائے۔ چنانچہ آیت ۲: ۱۵۴ کے تحت حاشیہ میں انھوں نے لکھا کہ مرنے کے بعد برزخ میں ہر شخص کو زندگی حاصل ہے۔ مگر مومن کی رُوح راحت میں ہے، اور کافر کی رُوح کو عذاب ہو رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو عذابِ قبر سے بچا کر تنعیمِ قبر سے نوازے۔ آمین۔

خلاصہ یہ ہوا کہ قرآن مجید اور ارشاداتِ نبویؐ کی روشنی میں صحابۂ کرامؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ اور سلف و خلف سے تمام علماء متقدمین و متاخرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اصطلاحِ شریعت میں قبر سے مُراد عالمِ برزخ ہوتا ہے، خصوصاً جب عذاب و ثواب کی نسبت قبر کی طرف ہو۔ اور حقیقت شناس علماءِ حق میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ اس گڑھے کو بھی برزخ کہا جاتا ہے جس میں انسان کے جسدِ عنصری کو دفن کیا جاتا ہے۔ بلکہ تمام محدثین و مفسرین، علمِ عقائد کے ماہرین و ائمہ مجتہدین بالاتفاق کہتے ہیں کہ عالمِ برزخ اس عالمِ دُنیا سے الگ ایک عالم ہے جو اس عالمِ دُنیا سے اتنا ہی بڑا اور وسیع ہے جتنا کہ ماں کے پیٹ سے یہ عالم جہاں اس وقت ہم آباد ہیں۔ اور اس عنصری جہان کے الگ اربع عناصر سے الگ ہے۔ اور اس عالم میں نیک مسلمانوں کا مقام الگ اور بدکردار کفار کا مقام الگ ہے۔ جیسا کہ:

حضرت محدث ابنِ حزم رحمۃ اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرمائی ہے:

ذلك البرزخ عند منقطع العناصر بحيث لا ماء ولا هواء ولا تراب ولا نار (شرح الصدور ص ۱۰۶) کہ وہ عالمِ برزخ اس مقام پر ہے جہاں اربع عناصر منقطع ہوجاتے ہیں۔ اور نہ تو وہاں اس عالمِ دُنیا کا پانی ہے، نہ ہوا، نہ مٹی اور نہ ہی وہاں پر آگ ہے، اور جو آگ کفار کے سامنے پیش ہوتی ہے وہ عالمِ دُنیا کی آگ نہیں، اور جو پھل شہداء کو دیے جاتے ہیں وہ بھی عالمِ دُنیا کے پھل نہیں۔

بہرحال اس جسدِ عنصری سے جب انسانِ حقیقی نکل کر عالمِ برزخ میں منتقل ہوجاتا ہے تو اس کے اعمال مجسم ہوکر سبز، سفید یا سیاہ رنگ کے اڑنے والے پرندوں کی صورت اختیار کرلیتے ہیں اور انسان ان میں رہتا ہے اور پھر تاقیامت وہیں رہے گا۔ اور انسان کا وہ

جسمِ عنصری جس میں اِنسان حیاتِ دُنیویہ کے دَوران رہتا تھا اور وہ خوش قسمتی سے شرعی طریقے کے مُطابق تجہیز و تکفین کے بعد زمین میں قبر کھود کر رکھ دیا گیا ہو، یا پانی میں غرق ہوگیا ہو یا آگ میں جل کر راکھ ہوگیا ہو یا کسی درندے کی غذا بن گیا ہو، یا تدفین کے بعد مٹی ہوگیا ہو، تاہم اس کے جسمِ عنصری میں سے ایک حِصّہ یا جز ایسا ضرور محفوظ رہتا ہے جو کسی صورت میں گلتا سڑتا نہیں اور نہ ہی معدوم ہوتا ہے۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتا ہے کہ وہ کہاں ہے اور کس کا ہے۔ گویا وہ ایک بیج کی طرح ہے، اور یوم بعث میں اُسی بیج سے اِنسان کے اس جسدِ عنصری کو دوبارہ اپنی قدرتِ کاملہ سے اللہ تعالیٰ اُسے پیدا فرماکر اسی اِنسان کی رُوح اس میں داخل فرمائیں گے جس کا وہ بیج تھا جیسا کہ:

- حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ اِنسان کے جسم میں کوئی چیز ایسی نہیں جو فنا نہ ہوجائے سوائے "عجبُ الذنب" کے جس سے اُسی اِنسانی جسم کو دوبارہ بنایا جائے گا۔ (صحیح بخاری ص ۷۳۵)
- صحیح ابنِ حبان ج ۶ ص ۵۶ میں ہے کہ جب حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عجب الذنب کا نام لیا تو حاضرینِ مجلس میں سے کسی نے پُوچھا وما ھو یا رسول اللّٰہ؟ کہ "عجبُ الذنب" سے آپ کی مُراد کیا ہے۔ تو اس کے جواب میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مثل حبۃ خردل منہ ینشئ یعنی عجب الذنب بہت ہی چھوٹی مقدار میں بدنِ انسان کی ایک جُزء ہے۔ اور تقریبِ فہم کے لیے تم اس طرح سمجھ لو جیسے رائی کے دانہ کی طرح کوئی بہت ہی چھوٹی سی چیز ہو۔ اور اس چھوٹی سی چیز کو اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ سے اپنے ہاں (یعنی اپنے علم میں) محفوظ رکھتا ہے۔ پھر اسی قلیل المقدار جز سے اِنسان کا جسدِ عنصری دوبارہ بنایا جائے گا۔

حضرت شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بھی تذکرہ قرطبیہ ص ۳۹ میں یہی مرفوع حدیث مسلم و ابن ماجہ کے حوالے سے بیان فرمائی ہے اور تحریر فرمایا کہ کسی کے سوال پر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "عجب الذنب رائی کے دانہ کی طرح ایسی قلیل المقدار چیز ہے جس سے دوبارہ انسان اُگ پڑیں گے جیسے پودے اُگ پڑتے ہیں"۔ گویا عجب الذنب ایک بیج ہے اور وہ اس قدر چھوٹا ہے کہ جسے فلسفہ کی اصطلاح میں "جزو لایتجزیٰ" کہتے ہیں، اور چونکہ باشندگان عرب اس اصطلاح کو نہیں سمجھتے تھے، اس لیے تقریب فہم کے طور پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رائی کے دانے کی مثال دے کر بتلایا کہ دوبارہ انسان اسی قلیل المقدار چیز عجب الذنب سے پیدا ہوگا یا اُگے گا۔ پھر اس میں رُوح پھونک دی جائے گی۔

اور یہی وہ جزء ہے جس کے قبض کرنے کا حکم فرشتوں کو اللہ تعالیٰ دیتے ہیں، اور یہ جزء ایسی ہے جس میں کسی قسم کا تغیر تبدل نہیں ہوتا اور نہ وہ مزید اجزاء میں متفرق ہوتا ہے کیونکہ اس قدر چھوٹا جزء ہے اس سے آگے اس کی جزء نہیں ہوسکتی۔ اور اللہ تعالیٰ اسے تحلیل ہونے سے محفوظ رکھتا ہے، اس کو نہ زمین کھا سکتی ہے اور نہ ہی وہ مٹی میں مخلوط ہوسکتا ہے اور نہ ہی اس سے پودے اور پھل اُگتے ہیں۔ اور وہ وہی جزء ہے جس سے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے نکال کر میثاق کے روز عہد لیا گیا تھا۔ پھر جسدِ عنصری سے نکال کر عالمِ قبر یعنی برزخ میں اسی کو مخاطب کر کے پوچھا جائے گا کہ روزِ میثاق میں تو نے ربوبیتِ رب کا جو عہد کیا تھا تو اب بتا کہ جسدِ عنصری میں رہ کر عالمِ دنیا میں تو نے کسے رب سمجھ رکھا تھا اور تو کس دین و مذہب پر رہا ....... الخ

تفصیل کے لیے دیکھیے تفسیر نیشاپوری ج ص ۱۳۸ و تفسیر رازی ج ۸ ص ۲۲۰ و تہافۃ الفلاسفہ ص ۱۲۰ و ۱۲۱ و الیواقیت والجواہر ج ۲ ص ۱۳۲ و ۱۳۹۔

## قبرِ عُرفی اور قبرِ اصطلاحی کا محلِ استعمال:

○ قبرِ عُرفی تو وہ ہے جو کسی انسان کے اِنتقال کے بعد اس کے جسدِ عنصری کو زمین میں دفن کرنے کی غرض سے شرعی حکم کے مُطابق بیلچوں اور کسیوں وغیرہ کی مدد سے موقع کی مناسبت سے شق یا لحد کی صُورت میں کھود کر بنائی جاتی ہے۔ اور اس قبر کا لفظ اِستعمال اُس وقت ہوتا ہے جب اس کے مامور و محکوم اہلِ دُنیا ہوں۔ جیسے:

○ قبر اس طرح بنائی جائے کہ میت کا جسم دائیں کروٹ پر قبلہ رُخ رہے اور سر، پاؤں اور پیٹھ قبلہ کی طرف نہ ہونے پائیں۔ ○ قبر بغلی بنائی جائے ○ قبر بغلی بنانا مشکل ہو تو شق بنائی جائے۔ ○ قبر کے اندر یا اُوپر پُختہ اینٹیں نہ لگائی جائیں۔ ○ قبر کے اندر کچی اینٹیں یا سرکنڈے رکھے جائیں۔ ○ قبر میں لکڑی نہ رکھی جائے۔ ○ جسدِ میت کو قبلہ کی طرف سے قبر میں اُتارا جائے۔ ○ عورت کے جسدِ مُردہ کو قبر میں اتارتے وقت پردہ کیا جائے۔ ○ سخت مجبوری نہ ہو تو عورت کی میّت کو اس کے محرم قبر میں اُتاریں۔ ○ جسدِ میّت کو قبر میں اُتارتے وقت بسم اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ کہا جائے۔ ○ قبر میں میت کو دفن کرتے وقت اس کا مُنہ قبلہ رُخ کیا جائے۔ ○ قبر میں جسدِ میت کو رکھ کر کفن کی گرہیں کھول دی جائیں۔ ○ قبر کو وسیع اور گہرا رکھا جائے۔ لیکن اس سے میّت کا قبر میں بٹھایا جانا مقصود نہیں، مقصد اِکرامِ جسدِ میت ہے ○ قبر میں میت کو اتارنے کے کچی اینٹوں یا سرکنڈوں سے ڈھک کر مٹی ڈال دی جائے۔ ○ قبر پر مٹی ڈالنے کی ابتدا سرہانے کی طرف سے کی جائے۔ ○ قبر پر مٹی ڈالتے وقت جب مٹی کی پہلی مُٹھی ڈالے تو مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ پڑھے، دُوسری مٹھی پر وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ اور تیسری مٹھی ڈالتے ہُوئے وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرٰى (۲۰:۵۵) پڑھے۔

○ قبر پر ایک بالشت کی مقدار مٹی ڈالیں، اس مقدار سے اُونچا نہ کریں۔
○ قبر کو اوپر سے کوہان کی طرح بنائیں، سطح ہموار نہ کریں ○ قبر پر مٹی ڈالنے کے بعد پانی چھڑکیں، اور چھڑکا سر کی طرف سے شروع کریں۔
○ قبر پر مٹی ڈالنے اور پانی چھڑکنے کے بعد سر کی طرف کھڑے ہوکر سُورۂ بقرہ کی ابتدائی پانچ آیتیں اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ تک، اور قدموں کی طرف کھڑے ہوکر سُورۂ بقرہ کی آخری دو آیتیں یعنی اٰمَنَ الرَّسُوْلُ سے فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ تک پڑھیں، پھر قبر کے گرد کھڑے ہوکر دُعا کریں۔ ○ قبر کے گرد کھڑے ہوکر دُعا و استغفار للمیت میں اتنی دیر مشغول رہیں جتنی دیر ایک اُونٹ ذبح کرکے اس کا گوشت تقسیم کرنے میں لگتی ہے۔ اس سے ایک فائدہ تو یہ ہوگا کہ قراءۃ قرآن مجید اور دُعا و استغفار سے اللہ تعالیٰ میت کو ثواب دے گا اور دُوسرا یہ کہ یہ وقت عالمِ برزخ میں اس میت کی رُوح سے منکر نکیر کے سوال و جواب کا ہوتا ہے، اس وقت اگر ایصالِ ثواب کے لیے آپ تلاوتِ قرآن مجید اور میت کے لیے دُعا و استغفار کریں گے تو اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر شفقت فرمائیں گے تو اس میت کی رُوح خوش ہوگی اور وہ سوالوں کے جواب خوشی خوشی دے سکے گا۔
○ قبر کو پختہ نہ بنائیں، اور نہ اس پر چُونہ گچ کریں۔ ○ قبر پر بیٹھنا، لیٹنا سونا اور ہنسنا بھی نہیں چاہیے۔ ○ قبر پر پیشاب پاخانہ بھی نہیں کرنا چاہیے۔ ○ قبر پر چراغاں بھی نہ کریں، اور نہ اگربتی سُلگائیں۔
○ قبر پر لکھنا بھی نہیں چاہیے، البتہ بطور نشان کے کوئی پتھر وغیرہ رکھ دینا چاہیے۔ ○ قبر پر کوئی چادر یا غلاف بھی نہ ڈالنا چاہیے۔
○ قبر پر کوئی عمارت یا گنبد نہ بنائیں، اور نہ کسی پہلے سے بنے ہوئے مکان میں قبر بنائیں۔ ○ قبر پر نہ میلہ لگائیں اور نہ عرس کریں۔

اسی طرح اس عُرفی قبر سے متعلق اور بھی بہت سے خلافِ شرع کام ایسے ہیں جن سے خود بھی بچنا چاہیے اور دُوسروں کو بھی ان کاموں سے منع کرنا چاہیے، خصوصاً اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں دوستوں کو ایسے کاموں سے ضرور منع کرنا چاہیے، کیونکہ ان میں سے بعض کام تو ایسے ہیں جن کے کرنے سے اِنسان مسلمان ہی نہیں رہتا، البتہ بعض کام بدعت ہیں اور بدعت بھی جہنم میں پہنچانے والی بُرائی ہے، اِسے معمولی نہیں سمجھنا چاہیے۔ مثلاً:

○ قبر پر اذان دینا۔ ○ قبر کے اِردگرد قرآن خوانی کے لیے اُجرت پر اجیر حُفاظ کو بٹھانا۔ ○ قبر پر ڈھول بجانا۔ ○ قبر پر پھول رکھنا ○ قبر پر دال، چاول وغیرہ ڈالنا۔ ○ قبر کی زیارت کے لیے دن اور وقت مقرر کرنا۔ ○ قبر کو غسل دینا۔ ○ قبر کی طرف مُنھ کرکے ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگنا۔ ○ قبر کی طرف مُنھ کرکے نماز پڑھنا۔ ○ قبر کی طرف مُنھ کرکے سجدہ کرنا۔ ○ قبر کو یا صاحبِ قبر کو سجدہ کرنا ○ قبر کو ہاتھ لگا کر اپنے بدن پر پھیرنا۔ ○ قبر کے پاس بیٹھ کر مراقبہ کرنا۔ ○ قبر کا بوسہ لینا، یا قبر کو ہاتھ لگا کر ہاتھ چُومنا۔ ○ قبر پر عَلَم اور جھنڈیاں لگانا۔ ○ قبر کا طواف کرنا۔ ○ قبر پر مَنّت یا نذر و نیاز کی کوئی چیز رکھنا۔ ○ قبر کے پاس جانور ذبح کرنا۔ ○ قبر پر جا کر صاحبِ قبر کو پُکارنا، اور اسے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سفارش کرنے کو کہنا ○ قبر والے سے حاجتیں مُرادیں مانگنا۔ ○ قبر کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا۔ ○ قبر پر مجاور بن کر بیٹھنا۔ ○ قبر کی مٹی، کنکر پتھر وغیرہ کو متبرک سمجھنا۔ ○ قبر پر رکھے ہُوئے پانی اور پھول وغیرہ کو متبرک سمجھنا۔
○ قبر کے پاس قوالیاں کرنا اور صاحبِ قبر کے محاسن بیان کرنا۔
○ قبر کی زیارت کے لیے عورتوں کا آنا۔ وغیرہ وغیرہ۔

- البتہ بلاقید زمان قبروں کی زیارت کے لیے مُردوں کا آنا مسنون ہے حضرت امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص قبرستان میں جاکر سورۂ اخلاص گیارہ بار پڑھ کر اس کا ثواب مُردوں کو بخش دے تو جس قدر مُردے اس قبرستان میں دفن ہیں اتنا ہی ثواب اسے بھی ملے گا۔
- نیز حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ جو شخص ہفتہ میں ایک بار اپنے ماں باپ کی قبروں کی زیارت کرتا رہے گا' اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے اور اس کا شمار والدین کے ساتھ نیکی کرنے والوں میں ہوگا۔
- اس لیے مسلمان کو چاہیے کہ زیارت قبور کے لیے گاہے گاہے قبرستان میں جایا کرے تاکہ آخرت بھی یاد آتی رہے اور عبرت بھی حاصل ہو۔
- اور زیارتِ قبور کے وقت سب سے پہلے یہ دُعائیہ کلمات کہے:
- اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَھْلَ الْقُبُوْرِ
- یا اس طرح کہے: اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ اَھْلَ الدِّیَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ یَغْفِرُ اللّٰہُ لَنَا وَلَکُمْ۔
- یا اس طرح کہے: فَسَاَلَ اللّٰہُ لَنَا وَلَکُمُ الْعَافِیَۃَ اَنْتُمْ لَنَا سَلَفٌ وَنَحْنُ بِالْاَثَرِ وَاِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰہُ بِکُمْ لَلَاحِقُوْنَ۔
- یا اس طرح کہے: یَرْحَمُ اللّٰہُ الْمُسْتَقْدِمِیْنَ مِنَّا وَالْمُسْتَأْخِرِیْنَ۔ یا اس طرح کے کوئی دُعائیہ کلمات کہے۔
- بہر حال ان تمام امور کا تعلق دُنیا والوں کے ساتھ ہے۔ اِسی لیے تمام اہلِ علم ان مقامات پر قبر سے یہی گڑھا مُراد لیتے ہیں جو قبر کے عُرفی معنے ہیں۔ اور اہلِ علم میں سے کسی نے بھی ان مقامات میں سے کسی مقام پر قبر کے معنی عالمِ برزخ نہیں لیے جو قبر کے اِصطلاحی معنے ہیں۔

اور قبر کا معنیٰ عالم برزخ اُس وقت ہوتا ہے جب ایسے اُمور کا ذکر ہو جن کا تعلق عالمِ دُنیا سے اِنتقال کر جانے والے اِنسان کی رُوح کے ساتھ پیش آنے والے معاملات سے ہو۔ مثلاً:

○ قبر میں فرشتوں کا آنا۔ ○ فرشتوں کا جنت سے ریشمی لباس لاکر رُوح کو کفن دینا۔ ○ فرشتوں کا اُس پر نمازِ جنازہ پڑھنا۔ ○ فرشتوں کا قبر میں میت کو اُٹھا کر بٹھانا۔ ○ قبر میں منکر نکیر فرشتوں کا میت سے سوال کرنا۔ مثلاً: من ربك کہ تیرا رب کون ہے؟ ما دینك تیرا دین کونسا ہے؟ من نبیك تیرا نبی کون ہے۔ اور ما تقول فی حق هذا الرجل الذی بعث فیکم کہ اس شخص کے بارے میں تو کیا کہتا ہے جو تم میں تبلیغ توحید کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا گیا تھا؟ ○ مومن فرشتوں کے سوال سُنتا، سمجھتا اور صحیح صحیح جواب دیتا ہے۔ ○ کافر و منافق فرشتوں کے سوال سُنتا تو ہے لیکن سمجھتا نہیں، اور فرشتوں کے سوال سُن کر گھبرا جاتا ہے اور ھاھا لا ادری کہتا ہے۔ ○ فرشتے آگ کے گرز لے کر اس کافر یا منافق کو مارتے ہیں۔ جس سے اس کا جسم ریزہ ریزہ ہوجاتا ہے۔ ○ فرشتے پھر اس کے جسم کو جوڑ کر صحیح سالم بناتے ہیں، اور پھر گُرز مارتے ہیں۔ اور یہ سلسلہ اسی طرح قیامت تک رہتا ہے ○ قبر میں ایسے ایسے سانپوں کا میت کے جسمِ مثالی سے لپٹ کر اسے ایذا دینا جن کی نظیر اس عالمِ دنیا میں نہیں ملتی۔ ○ کافر کے لیے قبر میں ایسی تنگی ہوجاتی ہے کہ اس کی دائیں پسلیاں بائیں طرف، اور بائیں پسلیاں دائیں طرف والی پسلیوں میں گھس جاتی ہیں۔ ○ کافر ان تکالیف پر ایسا چیختا چلّاتا ہے کہ کوسوں تک اس کی آواز پہنچتی ہے ○ کافر کی قبر میں اندھیرا ہوتا ہے۔ ○ مومن کی قبر میں روشنی ہوتی ہے۔ ○ مومن کی قبر ستر گز چوڑی اور ستر گز لمبی ہوتی ہے ○ مومن

کی قبر میں جنت کی طرف کھڑکیاں کھلنے سے جنتی پھولوں کی خوشبو اور خوشگوار ٹھنڈی ہوا آتی ہے۔ ○ کافر کی قبر میں دوزخ کی طرف کھڑکیوں کے کھلنے سے دوزخ کی لُو اور گرم ہوائیں آتی ہیں۔ ○ مومن کی قبر میں آرام دہ جنتی بستر بچھ جاتا ہے۔ ○ کافر کی قبر میں آگ سے بنا ہُوا تکلیف دہ دوزخی بچھونا ہوتا ہے۔ ○ مومن اپنی وسیع و عریض قبر میں چلتا پھرتا اور سیر کرتا ہے۔ ○ کافر اپنی تنگ و تاریک قبر میں زنجیروں سے جکڑا ہُوا پڑا رہتا ہے۔ ○ مومن اور شہید اپنے اپنے مرتبہ و مقام کے لحاظ سے سفید اور سبز اُڑنے والے پرندوں کی صورت میں برزخی جنت میں جہاں چاہیں اُڑتے پھرتے اور سیر کرتے رہتے ہیں۔ ○ کافر اپنی قبر میں سیاہ رنگ کے بدصورت پرندے کی شکل میں محبوس رہتا ہے۔ ○ مومن شہید اپنی قبر میں برزخی جنّت کے میٹھے، رسیلے، خوش ذائقہ اور خوشبودار پھل اور میوے کھاتا رہتا ہے۔ ○ بعض بڑے بڑے کافر اپنی اپنی قبر میں پڑے اپنی بھاری بھرکم آنتیں گھسیٹتے اور مار کھاتے رہتے ہیں۔

○ اسی طرح عذابِ قبر کی اپنے اعمال کے لحاظ سے اور بہت سی صورتیں بھی ہیں۔ مثلاً: (مشتے نمونہ از خروارے)

○ زانی اور زانیہ ننگے بدن ہوتے ہیں۔ ○ آگ سے بھرے ہُوئے تنور میں رہتے ہیں۔ ○ کبھی اُوپر کو آتے ہیں تو کبھی نیچے کی طرف چلے جاتے ہیں۔ ○ غیبت کرنے والے اور بے عمل خطیب کے جبڑے کو آگ کی قینچیوں سے کترا جاتا ہے اور یہ عمل بار بار ہوتا ہے۔

○ ایسے مواقع پر تمام علماء سلف و خلف قبر سے مُراد عالمِ برزخ لیتے ہیں جو قبر کے اصطلاحی و شرعی معنے ہیں۔ اور ایسا عذاب عالمِ برزخ میں جسم مثالی پر مع الروح سچ مچ وارد ہوتا ہے، خواب والا معاملہ نہیں ہوتا۔

## خواب سے عذابِ قبر کی تشبیہ

○ بعض علماء کرام نے موت کے بعد وارد ہونے والے واقعات کو محض ایک خواب جیسی حالت سمجھ کر کہا کہ جس طرح کسی شخص کو خواب میں مختلف مناظر دکھتے ہیں، اور وہ خواب میں دُکھ سُکھ محسوس کرتا ہے، مگر اس سونے والے کے پاس بیٹھا ہُوا آدمی اس کی حالت کو محسوس نہیں کرسکتا۔ جیسا کہ حضرت حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فتح الباری ج ۳ ص ۱۸۲ میں تحریر فرمایا ہے۔ لیکن ان کی یہ مثال ممثّل لہٗ کے ساتھ مُطابق نہیں، اور یہ قیاس مع الفارق ہے کیونکہ سونے والے کی رُوح کا تعلق بدنِ عنصری کے ساتھ منقطع نہیں ہوتا۔ صرف اتنا ہے کہ سونے والے کے حواس ظاہری طور پر معطل ہوجاتے ہیں جبکہ مرنے والے کی رُوح اس کے بدنِ عنصری سے خارج ہوکر اربع عناصر سے عبارت اِس عالمِ دُنیا سے دُور عالمِ برزخ میں چلی جاتی ہے اور پھر یومِ البعث سے پہلے پہلے اس جسدِ عنصری میں واپس نہیں آتی۔ جیسا کہ:

○ اللہ تعالیٰ کا اِرشاد ہے: فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ (۴۲:۳۹) کہ اللہ تعالیٰ ان روحوں کو روک لیتا ہے جن پر موت کا حکم کرچکا ہے۔

○ جامع البیان اور خازن میں لکھا ہے: فلا یردھا الیٰ جسدھا۔

○ بیضاویؒ و مراغیؒ نے تحریر فرمایا ہے: لا یردھا الیٰ البدن۔

○ ابنِ قیمؒ نے کتاب الرّوح میں تحریر فرمایا: لا یردھا الی جسدھا قبل یوم القیٰمۃ

○ مظہری میں ہے: لا یردھا الی البدن حتیٰ ینفخ نفخۃ البعث۔

○ قرطبی میں ہے: ولا یرسلہ الیٰ یوم القیٰمۃ۔

○ رازیؒ نے تحریر فرمایا: ثم انہ سبحانہ وتعالیٰ یرد الروح الی البدن یوم القیٰمۃ الکبریٰ کہ پھر اللہ تعالیٰ اس رُوح کو قیامتِ کبریٰ کے دِن اس بدنِ عنصری کی طرف واپس کرے گا۔

○ حضرت علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ کے ذہن میں حیات بعد الممات کے بارے میں نیند سے مشابہت کی ایک مثال آئی، جسے انھوں نے فتح الباری میں نقل فرمانے کے بعد خود ہی اس کا رد بھی کر دیا اور فرمایا:
والتنظیر بالنائم لایصح کہ سونے والے کے ساتھ میت کی مثال دینا صحیح نہیں ہے۔ اور اس کی وجہ یہ بتلائی کہ سونے والے کے بدن سے تو رُوح کا تعلق (بدستور قائم رہتا ہے) منقطع نہیں ہوتا صرف ظاہری طور حواس معطل ہوجاتے ہیں، لیکن میت کے بدن سے تو رُوح کا تعلق کُلی طور پر منقطع ہوجاتا ہے (فتح الباری ج ۳ ص ۱۸۲)

○ حضرت علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ کی اس عبارت میں کسی قسم کا الجھاؤ نہیں، بالکل سیدھی سی بات ہے کہ اگر کسی کے ذہن میں اس طرح کا شبہ پیدا ہو تو اُسے صحیح نہ سمجھے۔ اور اہلِ تحقیق کا یہی طریقہ ہوتا ہے کہ کوئی شبہ پیدا ہو تو اُسے لکھ کر بعد میں اس کا جواب دیتے ہیں۔ اور حضرت علامہ ابن حجرؒ نے بھی یہاں اِسی طرح کیا ہے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اگر موت کے بعد والی زندگی اور عالمِ برزخ میں نکیرین کے ساتھ سوال جواب اور عذاب و ثواب کو کسی سوتے ہُوئے شخص کے خواب کی طرح سمجھ لیا جائے تو لوگوں میں نہ تو نیکی کا شوق رہے گا اور نہ ہی گناہوں سے بچنے کی کوئی فکر۔ اور عذابِ قبر سے پناہ مانگنا تو بالکل ہی بے مقصد ہوجائے گا کیونکہ خواب میں تو اِنسان خود کو اُڑتا ہُوا بھی دیکھتا ہے، خود کو حج و زیارات مقاماتِ مقدسہ سے مُشرّف ہوتا ہُوا بھی دیکھتا ہے، جنت بھی دیکھ لیتا ہے۔ اور بعض اوقات خود کو شیر سے بچھڑتا ہُوا، پہاڑ سے گرتا ہوا، اور کبھی اپنے آپ کو مرتے ہُوئے بھی دیکھتا ہے۔ لیکن جب سو کر اٹھتا ہے تو خواب وہیں دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں اور وہ اپنی اصلی حالت میں ہوتا ہے۔

## کرمِ شکم سے مُعَذَّب و مُنَعَّم کی تشبیہ

○ بعض علماءِ کرام جو آدمی کے اِنتقال کے بعد اس کے اسی جسدِ عنصری کے معذب و منعم ہونے کے قائل ہیں وہ ایک اور مثال بھی دیتے ہیں کہ جس طرح اِنسان کے جسم میں مختلف قسم کے کرم و کیڑے ہوتے ہیں اور اس کے معدے اور انتڑیوں و امعاء سے اپنی خوراک کھاتے ہیں اور آپس میں لڑتے مرتے بھی رہتے ہیں، دکھ سکھ بھی اُٹھاتے رہتے ہیں لیکن اس کے باوجود اس آدمی کو اپنے پیٹ میں ہونے والی اِس کارروائی کا ذرہ برابر اِحساس نہیں ہوتا، اِسی طرح جس انسان کو کسی درندے یا پرندے نے کھالیا ہو تو وہ اس کے پیٹ میں رہ کر بھی عذابِ قبر یا ثوابِ قبر محسوس کرتا رہتا ہے اور جن جانوروں نے اسے کھایا ہے انھیں اس کارروائی کا کچھ اِحساس نہیں ہوتا۔

○ لیکن یہ مثال بھی مُمَثَّل لہٗ کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتی اس لیے یہ مثال دینا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ کرمِ شکم جو کسی اِنسان کے پیٹ میں ہوتے ہیں وہ اپنا مستقل جسم رکھتے ہیں وہ انسان کا جزوِ بدن نہیں ہوتے، اور جو اِنسان جانوروں کی خوراک بن جاتا ہے تو اس کا جسم تھوڑا تھوڑا مختلف قسم کے چھوٹے بڑے جانوروں، پرندوں اور حشرات کے حِصّے میں آتا ہے۔ اور پھر اِنسان کا وہ جسدِ عنصری اِن مختلف درندوں، پرندوں اور حشراتُ الارض کے پیٹ میں جاکر ان جانوروں کی قوتِ ہضم کے موافق ہضم ہوگیا جس سے اس کا خون بنا اور وہ خون اس کے پہلے خون میں شامل ہوکر اس جانور کے پُورے جسم میں گردش کرنے لگا اور اس کا باقی حِصّہ فضلہ بن کر بول و براز کی راہ اس جانور کے جسم سے خارج ہوکر ایک بار پھر غلاظت خور کیڑوں کی خوراک بنا اور پھر کرم خور پرندوں کی خوراک بنا پھر پرند خور اِنسان

کی لذت دہن کا باعث ہُوا۔ اور بالآخر ہزاروں جانوروں، درندوں، پرندوں، حشرات الارض بلکہ کسی نہ کسی انسان کے جسم میں بھی اس کے اجزا پہنچ جاتے ہیں۔ اور پھر تو یہ سلسلہ قیامت تک اسی طرح جاری و ساری رہے گا۔

○ بہرحال درندوں کا شکار ہونے والے انسان کے جسدِ عنصری کو پیٹ کے کیڑوں پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ جیسا کہ شرح عقائد نسفیہ طبع مصر کے حاشیہ ص ۱۱۵ پر حضرت علامہ ملا جُنید رحمۃ اللہ تعالیٰ نے حضرت علامہ احمد بن موسیٰ شمس الدین خیالی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تردید میں کہا ہے جو انھوں نے شرح عقائد نسفیہ ص ۱۱۸ پر تحریر فرمایا ہے۔

○ اور ان علماء کا کہنا ہے کہ مرنے کے بعد انسان کی رُوح اسی جسدِ عنصری میں حساب کتاب اور عذاب و ثواب کے لیے لوٹ آتی ہے خواہ اس جسم کے ذرات مختلف مقامات میں کیوں نہ بکھرے پڑے ہوں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بات بعید نہیں کہ انسان کے مختلف مقامات میں بکھرے ہُوئے ہزاروں لاکھوں بلکہ کروڑوں اجزاء کے ساتھ انسان کی اس رُوح کا تعلق قائم فرما دے۔

○ لیکن افسوس کہ اتنے بڑے بڑے متبحر علماء ربانیین معتزلیوں کے رد میں عذاب و ثواب قبر کے اثبات میں قرآن و حدیث کی بجائے عقلی طور پر مسئلہ سمجھانے بیٹھے تو غلطی کا شکار ہوگئے۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان علماء کی اس قلمی لغزش کو معاف فرما کر ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین

○ حقیقت یہ ہے کہ انسان کے انتقال کے بعد اس کی رُوح عالم برزخ میں پہنچ جاتی ہے جہاں اُسکے اعمال مجسم ہوکر اس کی رُوح کا مستقر بنتے ہیں اور وہیں اسے عذاب و ثواب قبر ہوتا ہے۔ اور یہ دنیوی عنصری جسم کہیں بھی ہو اور کسی حالت میں بھی ہو عجب الذنب میں اس کا ایک عنصر ہر حال میں محفوظ رہتا ہے جس سے یہ جسم عنصری دوبارہ بنے گا۔

## رُوح کی سُورج سے تشبیہ

○ بعض علماء کرام ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ انسان کی رُوح عالمِ برزخ میں رہتی تو اپنے اپنے مقام پر ہی ہے، یعنی نیک لوگوں کی رُوح علیین میں اور بدعمل لوگوں کی رُوح سجین میں رہتی ہے۔ مگر اس کے باوجود اس رُوح کا اشراف یا اشراق (یعنی جھانکنا یا چمکانا) اس جسدِ عنصری پر ہوتا ہے، جیسے سُورج تو آسمان پر موجود ہے مگر اس کی روشنی اور چمک زمین پر پڑتی رہتی ہے، جس کے آثار زمین کے پودوں پر مترتب ہوتے رہتے ہیں' ایسے ہی روحیں عالمِ برزخ میں اپنے اپنے مقام پر رہتی ہیں مگر ان کا اشراف یا اشراق اپنے اپنے ابدانِ عنصریہ پر پڑتا رہتا ہے جس کے باعث ان کے ابدان عذاب و ثواب محسوس کرتے رہتے ہیں۔

○ لیکن ان علماء کا یہ خیال بھی غلط ہے۔ کیونکہ یہ مثال جہاں قرآن وحدیث کی تعلیمات سے موافقت نہیں رکھتی وہاں اپنے ممثل لہٗ کے ساتھ مُطابقت بھی نہیں رکھتی۔ کیونکہ سُورج تو ایک ایسا جرم ہے جو خود اپنے مستقر سے نیچے نہیں اُترتا بلکہ اس کی شعاع زمین پر پڑتی ہے' جو نہ تو سورج ہے اور نہ ہی اس کی صفت ہے بلکہ وہ تو ایک عرض ہے جو کسی جوہر کے ساتھ قائم ہوتا ہے۔ جبکہ رُوح خود ایک ایسی ذات اور جوہر ہے جو اُوپر کو چڑھتی اور نیچے کو اُترتی ہے۔ جیسا کہ پہلے وہ عالمِ ارواح میں تھی تو جسدِ عنصری بننے کے بعد عالمِ ارواح سے نکل کر بطنِ مادر میں اس جسدِ عنصری میں داخل ہوگئی اور اشراف اشراق پر کفایت نہیں کی' پھر ایک عرصہ تک عالمِ دنیا میں اسی جسدِ عنصری میں رہنے کے بعد عالمِ برزخ میں چلی گئی' اور پھر یوم البعث میں اسی جسدِ عنصریہ میں عود کرے گی۔ اور اشراف و اشراق کی دلیل بھی تو کوئی نہیں جس کا ماننا ضروری ہو۔

خلاصہ اس تمام تحریر کا یہ ہے کہ شکمِ مادر میں جب انسان کا جسدِ عنصری تیار ہو کر رُوح کا متحمل ہو جاتا ہے تو عالم ارواح سے رُوح کو نکال کر اس میں داخل کر دیا جاتا ہے۔ جہاں وہ اس جسم میں داخل ہو کر مختلف قسم کی حرکات کرتا ہے، یہاں پر اسے رزق بھی ملتا ہے اور وہ اگر اس وقت سوچنے سمجھنے کی صلاحیت رکھتا تو یہی سمجھتا کہ بس زندگی یہی ہے، جو وہ گزار رہا ہے اور اس زندگی کو چھوڑنے کے لیے کبھی تیار نہ ہوتا، سوائے اس کے کہ زبردستی اسے وہاں سے باہر نکال دیا جائے۔ اور اگر وہ بولنے کی صلاحیت رکھتا تو اپنے ماں کے پیٹ سے نکلنے جانے کو وہ اپنی موت بتلاتا۔ حالانکہ یہ تو اس کی ولادت ہے۔ اس کے بعد وہ ہلتا جلتا ہے، مختلف قسم کی آوازیں نکالتا ہے، سانس لیتا ہے، نبض چلتی ہے، اپنی آنکھیں کھول کر اِرد گرد دیکھتا ہے اور سمجھتا ہے کہ یہ تو کوئی پہلے سے بڑی دُنیا ہے۔

○ پھر تدریجاً وہ ذی رُوح جسم بڑھتا ہے، اس کے ناخن، دانت اور بال وغیرہ بھی بڑھتے ہیں، دودھ پانی وغیرہ پیتا ہے پھر بتدریج کھانے والی نعمتیں کھاتا ہے۔ پھر آہستہ آہستہ اٹھنا بیٹھنا، کھڑے ہونا، چلنا پھرنا اور پھر دوڑنا بھاگنا اچھلنا کودنا اور کھیلنا شروع کرتا ہے۔ اور رفتہ رفتہ یہ عالمِ دُنیا اس کی نظروں میں وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ پھر حسبِ دستور پڑھتا پڑھاتا ہے، تجارت یا محنت کرتا۔ کبھی بیمار پڑتا ہے کبھی تندرست ہو جاتا ہے۔ کسی کو نفع پہنچاتا ہے اور کسی نقصان۔ غرض اس عالمِ دُنیا میں ایک وقتِ معین تک نیک یا بد زندگی گزار کر اگلے جہان چلا جاتا ہے۔ جو درحقیقت اس کی ایک نئی ولادت ہے، وہ مرتا نہیں، عالمِ دُنیا کے اس جسدِ عنصری کو چھوڑ کر عالمِ برزخ کی طرف انتقال کر جاتا ہے۔ جس کو اہلِ دُنیا عُرفِ عام میں موت سے تعبیر کرتے ہیں۔

○ اس وقت اس جسدِ عنصری کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ اس کے تمام حواس

ختم ہوجاتے ہیں، نہ وہ سانس لیتا ہے، نہ ہلتا جُلتا ہے، نہ اس کی نبض چلتی ہے نہ دِل دھڑکتا ہے، ناخنوں اور بالوں کا بڑھنا ختم ہوجاتا ہے، نہ کھاتا پیتا ہے، نہ اُٹھ کر بیٹھ سکتا ہے۔ چلنا پھرنا دَوڑنا کھیلنا تو دُور کی بات ہے۔ اُس کے مُنھ میں زبان تو ہوتی ہے مگر بول نہیں سکتا، آنکھیں بھی کھُلی ہوتی ہیں مگر دیکھ نہیں سکتا، کان بھی ہوتے ہیں مگر سُن نہیں سکتا، اور ناک بھی ہوتی ہے مگر سونگھ نہیں سکتا۔ اسی طرح اس کے ہاتھ بھی موجود ہوتے ہیں مگر ان ہاتھوں سے کوئی چیز پکڑ نہیں سکتا، لکھ نہیں سکتا، سر سے کپڑا سرک جائے تو درست نہیں کرسکتا، پاؤں ہوتے ہیں مگر چل نہیں سکتا۔

- پہلے خود نہایا کرتا تھا مگر اب اس میں نہانے کی طاقت نہیں، دُوسرے لوگ اسے نہلاتے ہیں۔ پہلے اپنے کپڑے خود پہن لیتا تھا مگر اب اسے دُوسرے لوگ کپڑے پہناتے ہیں۔ پہلے خود چلتا پھرتا تھا مگر اب دوسرے لوگ اسے چارپائی پر لٹا کر قبر تک لے جاتے ہیں۔
- جب اس جسدِ عنصری میں رُوح تھی تو مارنے پیٹنے سے چیختا چلاتا تھا۔ مگر اب اگر اسے کوئی مارے پیٹے، عملِ جراحی کے ذریعے اس کے پورے جسم کو چیر پھاڑ کر جسمانی معائنہ کرے، اس کی آنکھیں یا گردے نکال لے، اس کے جوڑ بند الگ الگ کردے، گوشت پوست کو ہڈیوں سے اتار دے تب بھی نہ روتا ہے، نہ اس کی آنکھوں سے آنسو نکلتے ہیں، نہ کسی کو مدد کے لیے پکارتا ہے اور نہ بھاگتا ہے۔ اور ہندو تو اسے جلا کر بھسم کردیتے ہیں تو یہ اُف تک نہیں کرتا۔
- غرض رُوح نکلنے کے بعد یہ جسدِ عنصری بیکار محض ہوجاتا ہے اور باعتبار ماکان کے انسانیت کے باعث احتراماً جسدِ مسلم کو حکمِ شرع کے موافق غسل وکفن کے بعد اس پر نمازِ جنازہ پڑھ کر دفن کردیا جاتا ہے۔ بلکہ غیرمسلم کے جسمِ خاکی کو بھی گڑھا کھود کر دفن کرنے کا حکم ہے تاکہ اسے چیل کوّے نہ کھائیں۔

○ مضمون سابق سے بات تو پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ اس عُرفی قبر میں انسان نہیں بلکہ انسان کا جسدِ عنصری دفن کیا جاتا ہے، اور جس انسان کے جسدِ عنصری کو اللہ تعالیٰ محفوظ رکھنا چاہیں محفوظ رکھیں لیکن اس کا تعلق رُوح کے ساتھ کلی طور پر ختم ہوجاتا ہے۔

○ اب رہی رُوح (انسانِ حقیقی) سواے عالمِ دُنیا کے اس جسدِ عنصری سے مع نسمہ کے کھینچ کر نکالنے کے بعد عالمِ برزخ میں اپنے اپنے اعمال کے مُطابق ان کے مناسب مقام پر پہنچادی جاتی ہے۔ اور نسمہ جس نے یومِ میثاق میں الست بربکم کے جواب میں بلیٰ کہا تھا اور جسمِ عنصری میں رُوح کے ساتھ داخل کیا گیا تھا اور رُوح کے ساتھ یہ بھی اب تک عجبُ الذنب یعنی پیچھے والی ہڈی میں رہا تھا اب بھی وہ رُوح کے ساتھ ہی عالمِ برزخ میں موجود ہے۔

○ بہرحال وہ روحِ انسان پُوری طرح سُوجھ بُوجھ رکھتی ہے۔ جب وہ برزخ میں پہنچتی ہے تو مومنوں کی روحیں اس کے استقبال کو آتی ہیں، اس سے مل کر خوش ہوتی ہیں، پسماندگان کا حال دریافت کرتی ہیں۔ اگر کسی کے متعلق وہ رُوح یہ اطلاع دے کہ وہ تو مجھ سے پہلے ہی دُنیا سے آچکا ہے تو اگر وہ علیّین میں بھی نہ ہو تو افسوس کرتی اور کہتی ہیں کہ تب تو وہ سجین میں چلاگیا ہوگا۔ اور اپنے علیّین میں پہنچنے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتی ہیں۔

○ پھر فرشتے (منکر نکیر) اس کے پاس آتے ہیں تو وہ انھیں دیکھتی اور پہچانتی ہے فرشتے اس سے سوال کرتے ہیں اور وہ بخوبی ان کے سوالوں کو سُنتی اور سمجھتی ہے اور پھر ان سوالوں کا مناسب جواب دیتی ہے۔ فرشتے اس کا مناسب جواب سُن کر اسے تسلی دیتے ہیں اور اسے جنت کا آخری ٹھکانہ بھی دکھادیتے ہیں۔ پھر درجات کے موافق یا تو اسے برزخی جنت میں آزاد چھوڑ دیا جاتا ہے کہ جہاں چاہیں اڑتے پھریں، یا پھر انھیں کہتے ہیں کہ جیسے نئی بیاہی

دلہن آرام سے سوتی ہے تو بھی بغیر کسی خوف و خطر کے بڑے آرام سے بخوشی سوجا۔ اور اس کے لیے جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں؛ اور پھر قیامت تک اسے جنت کی خوشبو اور خوشگوار ٹھنڈی ہوا لگتی رہتی ہے اور شہداء کو تو جنت سے رزق بھی ملتا رہتا ہے، وہ کھاتے پیتے رہتے ہیں اور جہاں چاہیں برزخی جنت میں گھومتے پھرتے اور اُڑتے رہتے ہیں؛

○ اسی طرح حضرات انبیاء کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کہ جن کا مرتبہ تمام مومنین، صدیقین، شہداء اور صالحین سے اعلیٰ و ارفع ہے، ان کو تو سب سے زیادہ مسرت کے اسباب میسر ہیں۔ اور ان سب سے بڑھ کر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام و مرتبہ ہے۔

اب رہیں کفار اور گنہگار مومنین کی ارواح، سو انھیں بھی اپنے اپنے اعمال کے مطابق سجین میں سزا ملتی ہے یا اعراف برزخی میں امید و یاس میں رہتے ہیں۔ تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

○ امید ہے آپ کو اچھی طرح یہ مسئلہ سمجھ آگیا ہوگا کہ اصطلاح شرع میں قبر کسے کہتے ہیں اور سوال و جواب کس سے کہاں اور کب ہوتا ہے۔ نیز آپ کو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی اپنے بیٹے حضرت عبداللہؓ کو کی گئی وصیت کا مطلب بھی اچھی طرح سمجھ آگیا ہوگا کہ در اصل چونکہ یہ وقت عالمِ برزخ میں فرشتوں کے سوال جواب کا ہوتا ہے۔ اور اگر اس وقت میت کے لیے دُعاء مانگی جائے اور اس کے لیے استغفار کی جائے اور ایصالِ ثواب کے لیے قرآن مجید کی تلاوت کی جائے تو اللہ تعالیٰ اسے آسانی کے ساتھ سوالوں کے جواب دینے کی ہمت دے گا اور اس کے درجات بلند فرمائے گا۔

سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ وَصَلِّ عَلَيْهِ

بسم اللہ الرحمن الرحیم
جعلنا عالیھا سافلھا وامطرنا علیھا
حجارۃ من سجیل
القول المرعی
فی القبر الشرعی
مؤلفہ
شیخ الحدیث والتفسیر حضرۃ مولانا
علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ
سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

۱۲۶

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہم تمام اہل السنۃ والجماعۃ بلکہ سوائے ایک دو متقدمین کے تمام اہل اعتزال بھی اس پر متفق ہیں کہ مرنے کے بعد برزخی زندگی میں سزا و جزا ہے۔ بشر مریسی اور ضرار بن عمرو کے متعلق مشہور یہی ہے کہ وہ برزخی جزا و سزا کے منکر ہیں، مگر حضرت سیدی محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ صدر مدرس دارالعلوم دیوبند اپنی تقریر حدیث میں فرمایا کرتے تھے کہ میں جب تک ان کی عبارتیں خود اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لوں ان کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتا:

ممکن ہے کہ انہوں نے کچھ کہا ہو اور سمجھنے والوں نے کچھ اور ہی سمجھا ہو۔

بہرحال بعد از موت سزا و جزا کے جیسے اہل السنۃ والجماعۃ قائل ہیں ایسے ہی معتزلہ اور روافض بھی قائل ہیں۔ البتہ متاخرین معتزلہ میں سے بعض منکر ہیں۔

اور انکار کیوں کریں جبکہ قرآنی آیات عذاب و ثواب بعد از موت کو واضح کرتی ہیں۔ جیسے سورت نوح کی آیت، سورت مؤمن کی آیت، سورت توبہ کی آیت وغیرہ۔

اسی طرح متواتر احادیث سے عذاب و ثواب قبر ثابت ہے۔ مثلاً

★ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ★ عبداللہ بن مسعودؓ ★ امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ ★ زید بن ارقمؓ ★ امام عمر بن الخطابؓ ★ مسلم بن ابی بکرہؓ ★ ابوالعلاء السائبؓ ★ ابومسعودؓ ★ انس بن مالکؓ ★ عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ ★ ابوہریرہؓ ★ ابن عباسؓ ★ امام علیؓ بن ابی طالب ★ ابوبکرہ ★ عبادۃ بن

الصامتؓ ★ خالد بن عرفطؓ ★ سلیمان بن صردؓ ★ براء بن عازبؓ ★ ابو سعید خدریؓ ★ فضالہ بن عبیدؓ ★ عقبہ بن عامرؓ ★ ابو برزہؓ ★ ابو امامہ ★ عبد اللہ بن عمرؓ ★ زید بن خالدؓ وغیرہ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اس کے راوی ہیں۔

پھر تمام صحابہؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ کا اس پر اجماع ہے۔ اسی لئے بہت سے علمائے کلام نے منکرین عذاب و ثواب بعد الموت پر کفر کا فتویٰ بھی لگایا ہے۔ مگر مع هٰذا معتزلہ میں سے کسی کو کسی نے کافر نہیں کہا۔ اس سے معلوم ہوا کہ معتزلہ عذاب و ثواب بعد الموت کے منکر نہیں ہیں۔

لیکن اب سوال یہ ہے کہ یہ عذاب و ثواب کہاں ہوتا ہے؟

سو اس بات کے لئے رُوح کا مقام معلوم کرنا پڑتا ہے کہ جہاں روح وہیں عذاب و ثواب ہوگا، کیونکہ جماد کو عذاب نہیں ہوتا کیونکہ غیر حی کو عذاب دینے کو علماء نے سفسط لکھا ہے کیونکہ جماد کو حِس نہیں ہوتی۔

سو بعض نے مسند احمد کی حدیث کو دیکھ کر عود رُوح الی الجسد العنصری کا قول کیا ہے اور بعض نے بین الجسد و الکفن کا قول کیا اور بعض نے افنیہ قبور پر رہنے کا قول کیا اور بعض نے کہا کہ ارواح کا مقام علیین و سجین ہے۔

اور یہی قول الحق اور اسلم ہے اور احادیث صحیحہ سے یہی ثابت ہے۔ جیسے صحیح سند کے ذریعہ حضرت امامہؓ سے مروی ہے کہ:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو آیت الکرسی ہر مکتوبہ کے بعد پڑھے گا تو موت کے سوا اس کو جنت میں داخل ہونے سے کوئی چیز مانع نہیں۔"
(جامع صغیر صفحہ ۱۷۴)

اسی طرح بسند صحیح حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ:

"نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے آج رات جنت میں داخل ہو کر دیکھا تو جعفر طیار کو فرشتوں کے ساتھ اڑتا ہوا پایا اور حضرت حمزہؓ تخت پر تکیہ لگائے ہوئے تھے۔ اور فرمایا کہ میں جنت میں گیا تو ایک لونڈی میرے

سامنے آئی میں نے پوچھا تو کس کی ہے ؟ تو اس نے جواب دیا کہ میں زید بن حارثؓ کی ہوں :

اور حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ :

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں جنت میں گیا تو پڑھنے کی آواز سنی تو میں نے پوچھا کہ یہ کون پڑھ رہا ہے ، فرشتوں نے کہا کہ یہ حارثہ بن نعمان پڑھ رہے ہیں :

اور آپؐ نے فرمایا کہ :

ایک عورت دوزخ میں اس لئے گئی ہے کہ اس نے بلی کو باندھ رکھا تھا ، تو اسے کھانے کو دیتی اور نہ اسے چھوڑتی تھی کہ زمین کے خشاش میں سے کھاتی حتیٰ کہ مرگئی :

اور فرمایا کہ :

میں نے حضرت خدیجہؓ کو جنت کی نہروں میں سے ایک نہر کے کنارہ پر دیکھا

اور فرمایا کہ :

ابراہیم بن النبیؐ کی دائیاں جنت میں تعینات ہیں جو جنت میں اس کو دودھ پلاتی ہیں :

اور کسی نے آنحضرتؐ سے اُحد کے دن میں پوچھا کہ یا حضرت ! آپ یہ فرمائیے کہ اگر میں مارا جاؤں تو پھر کہا جاؤں گا تو آپؐ نے فرمایا کہ :

جنت میں :

اور حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ اُم حارثہؓ کو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ :

جنت میں کئی باغ ہیں اور تیرا بیٹا (حارثہ) فردوس اعلیٰ میں پہنچا ہے :

نیز فرمایا کہ :

شہید کے سوا کوئی مسلمان ایسا نہیں جو جنت میں جاکر پھر دنیا میں واپس جانے کی خواہش کرے اگرچہ اس کو سب دنیا ہی کیوں نہ مل جائے ، البتہ شہید جنت کی عزت کو دیکھ کر جو شہادت کی وجہ سے ملی ہے یہ خواہش کرے گا کہ پھر دنیا میں

واپس جا کر کفار سے جہاد کر کے دسیوں بار شہید ہوں کہ اس مرنے میں اور مرنے کے بعد اس کے ثواب میں بڑا مزہ ہے:

اور عبدالرحمٰن بن عمیرہؓ نے بھی اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔ اور حضرت مسروقؓ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا کا مطلب پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ ہم نے اس آیت کا مطلب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا تو آپ نے فرمایا تھا کہ:

"شہیدوں کی زندگی اس طرح ہوگی کہ ان کی روحیں سبز پرندوں کے اندر رہ کر جنت کی سیر کرتی رہتی ہیں جہاں ان کا دل کرتا ہے، پھر ان کی خاطر عرش کے نیچے لالٹینیں لٹکی ہوئی ہیں وہاں جا کر آرام کرتی ہیں، پھر ان کا رب ان کیطرف توجہ فرماتے ہوئے پوچھتے ہیں کہ اب کسی چیز کی تمہیں خواہش ہے؟ تو عرض کرتے ہیں نہیں حضور کس چیز کی اب ہمیں خواہش ہو جبکہ اتنے عیش وعشرت اور آرام میں ہیں کہ جنت میں ہمیں اتنی آزادی ہے کہ جہاں ہم چاہتے ہیں سیر کرتے پھرتے ہیں۔ تین دفعہ یہ سوال جواب ہوتا ہے، جب وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سے پوچھ کر ہی رہے گا تو پھر کہہ ہی دیتے ہیں کہ ربا ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہماری روحیں ہمارے عنصری بدنوں میں واپس فرمائے تاکہ تیری راہ میں دوبارہ جہاد کر کے قتل ہوں جب اللہ تعالیٰ اس کے سوا کوئی حاجت مانگنے کی نہیں دیکھے گا تو پھر ان سے سوال نہیں کرے گا:"

اور حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ کو یہ بات بتائی کہ:

"اُحد میں جو تمہارے بھائی شہید ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی روحیں سبز پرندوں کے اندر رکھی ہیں، جنت کی نہروں پر آ کر ان کا پھل کھاتے ہیں اور عرش کے سایہ میں جو سونے کی لالٹینیں لٹکی ہوئی ہیں وہاں جا آرام کرتے ہیں اور جب اس قدر انہوں نے اپنے کھانے پینے اور رہائش و آرامگاہ کی فراغت پائی تو کہنے

لگے کوئی ہے جو ہمارے اس عیش و آرام کی خبر ہمارے بھائیوں کو پہنچائے
کہ ہم جنت میں زندہ ہیں، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی"

اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ
"جب مرنے والا مرجاتا ہے تو اس کا مقام سامنے دکھایا جاتا ہے، اگر دوزخی
ہے تو دوزخ کا مقام اس کو دکھایا جاتا ہے اور اسے کہا جاتا ہے کہ یہ ہے تیرا
مقام، اسی میں تجھے رکھا جائے گا قیامت تک"

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"شہید لوگ جنت کے دروازہ پر ایک نہر کے پاس سبز گنبد میں رہتے ہیں اور صبح
و شام جنت سے ان کو کھانا آتا ہے"

اور فرمایا کہ:

"عمرو بن عامر خزاعی (جس نے عرب میں بت پرستی کی بنیاد رکھی تھی اور سانڈ
غیر اللہ کے نام پر چھوڑنے کی رسم شروع کی تھی اور کھونٹی میں چیز لٹکالیتا تھا)
کو آگ کے اندر میں نے دیکھا جو اپنی آنتیں گھسیٹے پھر رہا تھا"

اسی طرح اور بہت سی حدیثیں ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ارواح ان
عرفی قبروں کی طرف نہیں لوٹائی جاتیں بلکہ یا برزخی جنت میں ہوتی ہیں جس کا نام علیین
ہے یا برزخی دوزخ میں ہوتی ہیں جس کا نام سجین ہے اور یہ عرفی قبر مراد نہیں ہوسکتی
اور نہ ہی حضرت موسیٰؑ اس عرفی قبر میں نماز پڑھتے ہیں کیونکہ قبر نماز پڑھنے کی جگہ نہیں
(قبر میں نماز کوئی مردہ پڑھتا ہے اور نہ ہی قبر پر اور نہ ہی قبر کی طرف کسی زندہ کو نماز پڑھنے
کی شرعی اجازت ہے۔ مؤخر الذکر ہر دو باتیں تو ظاہر ہیں)

اسی طرح حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ قبر کے اندر نہ نماز پڑھنے کی جگہ ہے اور نہ ہی
مردہ اس قبر عرفی میں نماز پڑھتا ہے۔

کیونکہ حضرت حسینؓ بن علیؓ اور عبداللہؓ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا کہ:

صَلُّوْا فِیْ بُیُوْتِکُمْ وَلَا تَتَّخِذُوْهَا قُبُوْرًا۔ یعنی اپنے گھروں میں بھی نماز سنتیں اور نفل وتہجد وغیرہ پڑھ لیا کرو اور ان کو قبروں کی طرح نہ سمجھ لو۔
مطلب بالکل واضح ہے کہ جیسے قبر میں پڑا ہوا مردہ نماز نہیں پڑھتا ایسے ہی تم اپنے گھروں کو نماز پڑھے بغیر نہ چھوڑو۔

اور حضرت موسیٰ کی بابت جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آپ کو میں نے قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا یہ عالم مثال ہے نہ قبر عرفی۔ چنانچہ مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے سیرت المصطفیٰ میں اس حدیث کو اس عنوان کے تحت ذکر فرمایا ہے کہ:

## "عالمِ مثال کی بے مثال امثال"

اس قبر سے عرفی قبر سمجھنا کم فہمی ہے۔ نیز اگر عذاب وثواب اسی گڑھے میں ہونے کا عقیدہ رکھیں تو کہنا پڑے گا کہ ہندو سکھ وغیرہ جو لوگ گڑھے میں دفن نہیں کرتے تو ان کو عذاب کی چھٹی ہوئی، نہ ان کو گڑھے میں دفن کیا اور نہ ہی ان کو عذاب ہوگا، پھر اس عقیدہ سے قرآنی آیات کا انکار بھی لازم آتا ہے کیونکہ قرآن پاک کہتا ہے کہ فرعونیوں کو غرق کرنے کے بعد ان کو صبح شام آگ پر پیش کیا جاتا ہے حالانکہ ان کی قبریں کسی نے نہیں بنائیں۔

اور قرآن پاک کہتا ہے کہ نوح کی قوم کو طوفان میں غرق کرنے فوراً آگ میں داخل کر دیا گیا۔ حالانکہ ان کی قبریں بھی کسی نے نہیں بنائیں۔

اور جن کو درندے پرندے کھا جاتے ہیں ان کی قبریں نہیں بنائی جاتیں۔

اور جو سمندر میں یا دریاؤں میں غرق ہو جاتے ہیں ان کو مچھلیاں اور دوسرے دریائی جانور کھا جاتے ہیں ان کی قبریں نہیں بنائی جاتیں۔

اب قبر اگر گڑھے کا ہی نام ہو جیسا کہ اس پر لوگ زور دیتے ہیں تو فرعونیوں، قوم نوح، ہندوؤں، سکھوں، اور درندوں پرندوں کی خوراک بننے والے مردوں کے عذاب قبر کا انکار کرنا پڑے گا اور جو ان قطعیات کا انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ فرعونیوں کا گڑھا نہیں لہٰذا ان کو عذاب نہیں، قوم نوح کے لئے گڑھے نہیں کھودے گئے

ار ذ ا

اس لئے ان کو بھی عذاب نہیں تو یہ شخص قرآن کی صریح آیتوں کا انکار کر کے کافر ہوگیا۔
لگا تو تھا اہل حق کو معتزلی بنانے مگر قدرت خدا کی دیکھو آپ ہی ایمان اور قرآن سے
ہاتھ دھو بیٹھا۔ اللھم احفظنا من شر السفہاء من العلماء

نیز اگر قبر کے معنی گڑھے کے کریں تو بہت سی احادیث صحیحہ کا انکار لازم آئے گا
یا کہنا پڑے گا کہ کافر اور مرتد بھی عذاب قبر سے محفوظ ہیں۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حدیث صحیح میں ہے کہ ایک کاتب وحی مرتد ہوگیا تھا
نبی پاکؐ نے باطلاع اللہ تعالیٰ صحابہ کرام کو بتایا کہ زمین اس کے مرنے کے بعد اس کو
قبول نہیں کرے گی۔ چنانچہ وہ مرتد مرگیا لوگوں نے اسے دفن کیا۔ دوسرے دن دیکھتے
ہیں کہ قبر سے باہر زمین کے اوپر پڑا ہے پھر دفن کیا پھر تیسرے دن دیکھا قبر سے باہر زمین
پر پڑا ہے۔ اسی طرح سات بار اس کو دفن کرتے ہیں ہر بار وہ زمین پر قبر سے باہر نکل
پڑتا ہے۔ ایک اور صحابی کی وہاں سے گذر ہوتی ہے اور وہ یہ مردہ زمین سے باہر پڑا
دیکھ کر کہتا ہے کہ کیا ہوگیا ان لوگوں کو جو اپنے مردہ کو دفن نہیں کرتے۔ لوگوں نے کہا ہمارا
کوئی قصور نہیں ہم نے تو اس کو سات دفعہ دفن کیا ہے ہر بار زمین سے باہر نکل پڑتا ہے۔

اگر عذاب قبر اس گڑھے میں مانا جائے تو اس مرتد کی بابت کہنا پڑے گا کہ وہ
عذاب قبر سے محفوظ ہے حالانکہ وہ بہت ہی پلید ہے کہ صرف عالم برزخ میں بس نہیں
اس کے جسم کو بھی اللہ تعالیٰ ذلیل کر کے قبر سے باہر پھینک دیتا ہے یہ اس کی نہایت درجہ
کی تذلیل ہے اور عالم قبر عالم برزخ میں اس کے ساتھ جو معاملہ ہو رہا ہے وہ اپنی جگہ
ہے۔

اس تقریر سے یہ بات واضح ہوگئی کہ قبر اس گڑھے کا نام نہیں جسے لوگ اپنے ہاتھوں
سے کسیوں کے ذریعے کھود کر اس میں میت کو دفن کرتے ہیں بلکہ قبر کسی اور چیز کا نام ہے
جہاں جزا و سزا ہوتی ہے۔ ہاں اس گڑھے کو عرفی قبر کہتے ہیں۔ عرفی قبر کے احکام جدا
ہیں جو اہل دنیا کے ساتھ متعلق ہیں۔ مثلاً اس قبر کو وسیع بنانا اس میں میت کو
دفن کرنا اور اس پر مٹی ڈالنا اور اس کی شکل کوہان کی سی بنانا اور اس پر پانی

چھڑکنا اور سنگریزے رکھنا اور اس پر کھڑے ہوکر گھنٹہ دو گھنٹہ دعائیں مانگتے رہنا مامورات میں سے ہے۔

اور اس کو پختہ بنانا، یا اس کے اندر کے حصّہ کو پختہ بنانا، یا اس پر پھول ڈالنا، یا وہاں بیٹھ کر قرآن پڑھنا اور اس پر بیٹھنا یا وہاں سونا، یا ہنسنا اور اس پر دیوار کھڑی کرنا، یا اس کے اردگرد گنبد بنانا، یا اس پر چادر یا غلاف وغیرہ ڈالنا، یا اس کے قریب جانور لاکر ذبح کرنا، یا اس کے قریب شور و غل کرنا، اس پر عرس کرنا، مسید کرنا، ڈھول وغیرہ مزامیر کا استعمال کرنا، قوالی کرنا، اس پر چراغان کرنا، اگربتی وغیرہ جلانا، یا اس کو لیپنا، یا دھونا، یا اس پر زائد مٹی ڈالنا، یا ان کی بے حرمتی کرنا یا اس پر یا اس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنا یہ سب منہیات سے ہے۔

اور شرعی قبر کے احکام جدا ہیں۔ جو اہل دنیا کی نظر سے عموماً غائب رہتے ہیں۔ اور اہل برزخ میں سے بعض پر منکشف ہوتے ہیں۔ وہاں فرشتوں کو عذاب وثواب پر تعینات کیا جاتا ہے۔ وہاں کی نعمتیں یہاں کی نعمتوں سے مختلف، وہاں کی آگ یہاں کی آگ سے مختلف، وہاں کے سانپ، بچھو یہاں کے سانپ بچھوؤں سے مختلف۔ غرض وہاں کی ہر چیز یہاں کی ہر چیز سے مختلف ہے۔

البتہ بعض اوقات اہل دنیا کی عبرت کے لئے جسم عنصری پر کچھ حالات ظاہر ہوتے ہیں۔ یعنی بغیر اعادۂ رُوح کے

اب اس مسئلہ کو ہم اپنے اکابر کی زبانی بیان کرتے ہیں۔ آپ ان کی عبارات کو پڑھ کر سوچیں کہ یہ دعویٰ ہمارا صحیح ہے یا غلط۔ آیا اس دعویٰ میں ہم منفرد ہیں یا تمام اکابر کا یہی عقیدہ تھا۔

# حکیم الامت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ

(۲۹) جواب اس شبہ کا کہ جب مرنے کے بعد روح جسم سے علیحدہ ہو جاتی ہے تو پھر

## عذابِ قبر کس چیز پر ہوتا ہے

بات یہ ہے کہ وہ روح ہے۔ جس کے ساتھ یہ معاملہ کیا جاتا ہے۔ رہا یہ کہ روح مجرد ہے یا مادی ہے۔ بعض اہل کشف کا قول ہے کہ مجرد ہے اور بعض متکلمین اس طرف گئے ہیں کہ مادی ہے اور دلیل یہ بیان کی ہے کہ تجرد خواص واجب سے ہے لیکن یہ دعویٰ خود بے دلیل ہے بلکہ خواص واجب قدم اور وجوب ہے۔ سو جو حکما مجردات کے قائل ہیں وہ مجردات میں قدم بھی مانتے ہیں۔ یہ بے شک باطل ہے، باقی اگر روح کو مجرد کہا جائے اور حادث بالذات وبالزمان بھی مانا جائے تو کونسی دلیل عقل کے خلاف ہے۔ غرض بعض متکلمین تو سوائے واجب کے کسی چیز کے مجرد ہونے کے قائل نہیں۔ اور صوفیہ کرام کئی چیزوں کے تجرد کے قائل ہیں، ان کو لطائف کہتے ہیں۔ جیسے روح، قلب، سر، خفی، اخفی۔ اور کہتے ہیں کہ انسان جس طرح عناصر سے مرکب ہے، اسی طرح ان اجزائے مجردہ سے بھی ہے۔ اور اس پر دلیل بیان کرتے ہیں کہ ہم نے خلوات اور مراقبات میں مجردات کا مشاہدہ کیا ہے۔ سو جب تک قرآن وحدیث کے خلاف نہ ہو، کیونکر اس کا انکار کر سکتے ہیں۔ تو اگر روح مجرد ہے، تو اس پر البتہ بیٹھنا صادق نہیں آتا۔ مگر صوفیہ اس کے قائل ہوئے ہیں کہ دوسرا بدن جو مشابہ اس بدن عنصری کے ہوتا ہے، عالم برزخ میں دیا جاتا ہے، تو جس طرح

یہ جی تھا وہ بھی جی ہے۔ سب عذاب و ثواب اسی پر ہوتا ہے۔ اور اس بدن کی طرح اسے بھی حِس ہوتی ہے بلکہ اس سے زیادہ حِس ہوتی ہے۔ کیونکہ اس کا مادہ لطیف ہوتا ہے۔ (رُوح البحر والشیخ صـ۱۳)

(اشرف الجواب صـ ۱۲۸/۳)

## (۸۴) ★ رُوح کو موت نہیں آتی ★

بلکہ جسم عنصری کو آتی ہے اور بحث حقیقت شرح

یاد رکھو موت صرف جسم عنصری کو آتی ہے۔ روح کو موت نہیں آتی۔ بلکہ موت سے صرف اس کا تعلق جسم عنصری سے منقطع ہو جاتا ہے۔ اب اس کے بعد یہ مجبو کر لذات سے متنفع و متلذذ ہوتی ہے اور جسم اس کے لئے بمنزلہ آلہ و مرکب کے ہے اور یہ رُوح موت کے بعد بھی علیٰ حالہٖ باقی رہتی ہے بلکہ اب اس کی قوت پہلے سے زیادہ ہو جاتی ہے تو موت کے بعد وہ اس عالم کے لذات سے متلذذ ہوتی ہے اور اگر تم یہ سمجھو کہ میری حقیقت تو محض جسم ہی ہے تو اس کی مثال ایسی ہوگی جیسے کوئی گدھے پر سوار ہو کر یوں کہے کہ میں گدھا ہوں۔ سو اس کا تو کوئی علاج نہیں۔ صاحب آپ کی حقیقت وہ ہے، جس کو آپ جسم میں سے تعبیر کرتے ہیں کہ میں نے یہ کیا میں نے وہ کیا۔ اب آپ غور کیجئے کہ اس "میں" کا مصداق کیا چیز ہے۔ کیا آنکھ، ناک، یا منہ اور ہاتھ پیر کو "میں" کا مصداق کہہ سکتے ہو ہرگز نہیں ورنہ چاہئے کہ ان اعضا کے جاتے رہنے سے انسان ہی جاتا رہے۔ اور یہ غلط ہے رہے اور اعضا شریفہ اور قوائے شریفہ جیسے قلب اور عقل وغیرہ۔ ممکن ہے کہ آپ ان کو "میں" کا مصداق کہیں گے۔ مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی اس کا مصداق نہیں ہیں۔ کیونکہ آپ ان کو اپنی طرف مضاف کرتے ہیں کہ میرا دل کمزور ہو گیا، یا میری عقل میں یوں آتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اور اضافت علامت مغائرت ہے، تو معلوم ہوا کہ یہ بھی آپ کی حقیقت نہیں بلکہ حقیقت آپ کی رُوح ہے اور گو وہاں بھی اضافت

۱۰/

جاتا ہے یہ میری روح۔ مگر چونکہ مستقل دلائل سے ثابت ہو کہ یہ حقیقت ہے۔ اس لئے یہ اضافت مجازیہ ہے اور دوسرے اعضاء و قویٰ میں ایسی کوئی دلیل نہیں، بلکہ خلاف پر دلیل قائم ہے۔ چنانچہ ایک زمانہ میں یعنی بالکل بچپن میں عقل نہیں ہوتی اور آپ ہو۔ ہیں۔ ایک وقت میں یعنی بعد موت تلب نہ رہے گا اور آپ ہوں گے۔ صاف دلیل ہے کہ آپ کی حقیقت یہ چیزیں نہیں۔ اس لئے یہ اضافت حقیقیہ ہے۔ بہرحال آپ کی حقیقت روح ہے۔ اور اس پر موت نہیں آتی۔ بلکہ وہ بجنسہٖ موت کے بعد اپنے حال پر رہتی ہے۔

اور اب بجائے اس جسم کے جو موت کے بعد فنا اور شکستہ ہو جاتا ہے، روح کا مرکب دوسرا جسم بنتا ہے جس کو جسم مثالی کہتے ہیں۔ اب روح اس جسم کے ذریعے سے سارے منافات و تلذذات حاصل کرتی ہے۔ اور یہ جسم مثالی وہ نسمہ ہے جس کو متکلمین اہل ظاہر روح کہتے ہیں۔ یعنی موت کے وقت جو چیز جسم عنصری سے الگ ہوتی ہوئی معلوم ہوتی ہے وہ نسمہ ہے۔ اور یہ بھی مادی چیز ہے مگر اس کا مادہ لطیف ہے اور اس کو جسم عنصری کے ساتھ ایسا حلولی تعلق ہے، جیسا جسم تعلیمی کا تعلق جسم طبعی کے ساتھ حکماء نے بیان کیا ہے۔ یعنی وہ نسمہ مقدار اور ہیئت و شکل میں بالکل جسم عنصری کے برابر ہے۔ اور درجہ تشبیہ یہی ہے۔ ورنہ جسم تعلیمی تو عرض ہے اور یہ جوہر، اور یہ نسمہ اس وقت یعنی زندگی میں اس کے اندر سرایت کئے ہوئے ہے اور موت کے وقت وہ الگ ہو جاتا ہے۔ یہی جسم مثالی ہے جو موت کے بعد روح حقیقی کا مرکب بنتا ہے۔ اور یہ جسم مثالی گو مادی ہے مگر اس جسم سے زیادہ لطیف و قوی ہے۔ اور روح حقیقی جو حقیقت میں انسان ہے وہ مادہ سے بالکل مجرد ہے۔ وہ نہ اس وقت جسم کے اندر ہے نہ موت کے وقت جسم سے الگ ہو، بلکہ وہ تو محض جسم کی مدبر ہے۔ جو اب بھی بدن سے الگ ہی ہے۔ اور نہ اس کی تدبیر کر رہی ہے اور گو متکلمین نے روح کے تجرد کا انکار کیا ہے، مگر اس بارہ میں فلاسفہ کا قول راجح ہے۔ دلائل سے قوت انہی کے قول کو ہے اور صوفیہ کا کشف بھی اسی کے موافق ہے کہ روح حقیقی مادہ سے مجرد ہے البتہ فلاسفہ کا اس کو قدیم کہنا جیسا قدماء کا قول ہے یا حادث بعد حدوث البدن کہنا

جیسا کہ شائین کا قول ہے، یہ بالکل غلط اور خلاف نصوص ہے اور متکلمین نے جس چیز کو رُوح سمجھ کر مادی کہا ہے وہ در اصل روح حقیقی نہیں بلکہ نسمہ ہے جو مرکب رُوح کا ہے غرض یہ بات ثابت ہوگئی کہ انسان میں جو اصل چیز ہے وہ حقیقت میں وہی انسان ہے۔ موت کے بعد وہ اپنے حال پر رہتا ہے۔ اس کی قوت و صفات میں کچھ کمی نہیں آتی بلکہ پہلے سے کچھ ترقی ہو جاتی ہے اور اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ گو رُوح کو موت نہیں آتی مگر جسم سے تو تعلق منقطع ہو جاتا ہے تو جو انتفاعات روح سے تنہا نہیں ہو سکتے تو وہ اب نہ ہو سکیں گے۔ اس کا جواب بھی معلوم ہو گیا کہ موت کے بعد جسم مثالی مرکب بنتا ہے جو اس جسم عنصری سے لطیف اور قوی تر ہے، وہ سب لذات سے منتفع ہوتا ہے، جس کے مقابلہ میں یہاں کی لذات ہیچ ہیں اور رُوح ان سے متلذذ ہے، کھانا بھی، پینا، سیر و تماشا بھی، ملاقات احباب بھی، مکانات اور باغات بھی وغیرہ وغیرہ۔ اس حقیقت کا مراقبہ کر کے موت کا دھیان کرو تو انشاء اللہ موت سے وحشت نہ ہوگی، بلکہ اس کا شوق پیدا ہوگا، اور یوں کہو گے:

خرم آں روز کزیں منزل ویراں بروم
راحت جاں طلبم وزپئے جاناں بروم
نذر کردم کہ گر آید بسر ایں غم روزے
تا در میکدہ شاداں وغزل خواں بروم

(اشرف الجواب حصہ ۲ ص ۱۸۵ تا ۱۸۶)

★★★★★

## (۱۰۶) عالم مثال اور عذاب و ثواب قبر کا اثبات

اوّل عالم مثال کا اثبات کرتا ہوں۔ سو سمجھ لیجئے کہ یہ ثابت ہے۔ اشارات نصوص سے اور اشارات تو میں نے احتیاطاً کہدیا ہے۔ ورنہ وہ اشارات بمنزلہ صداقت کے ہیں تو گویا بالتصریح یہ ثابت ہے کہ علاوہ شہادت یعنی دنیا کے اور عالم غیب یعنی آخرت کے ان

دونوں کے درمیان میں ایک اور بھی عالم ہے۔ جس کو عالم مثال کہتے ہیں جو من وجہ
مشابہ ہے عالم شہادت کے اور من وجہ مشابہ ہے عالم غیب کے یعنی وہ برزخ ہے درمیان
دنیا اور آخرت کے۔ اور اس عالم کے ماننے سے ہزاروں اشکالات قرآن و حدیث کے
حل ہو جاتے ہیں۔ مثلاً حدیث میں ہے اور یہ کام کی بات ہے۔ حدیث میں وارد ہے
کہ قبر میں اس طرح سے عذاب ہوگا یا ثواب ہوگا۔ مثلاً عذاب کی ایک صورت یہ بھی ہوگی
زمین مل جائے گی اور صاحب قبر کو دبائے گی۔ اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ ہم دیکھتے ہیں
کہ جتنا فصل لاش اور قبر کی دیواروں میں مردہ کو رکھتے وقت ہوتا ہے وہی باقی
رہتا ہے۔ لاش دبتی دباتی کچھ بھی نہیں۔ ویسی کی ویسی رکھی رہتی ہے۔ تو یہ صورت
عذاب قبر کی جو حدیث میں آئی ہے ظاہر ہے کہ دنیا کے متعلق تو ہے نہیں کیونکہ مشاہدہ
اس کی تکذیب کرتا ہے۔ یہ اشکال اس وجہ سے اور بھی قوی ہو گیا کہ لوگوں نے اس کو
دنیا ہی کے متعلق سمجھ لیا۔ حالانکہ اگر دنیا کے متعلق ہوتا تو اس کے آثار کا نظر آنا بھی ضروری
تھا۔ اور اگر آخرت کے متعلق سمجھا جاوے تو اول تو آخرت میں وہ زمین نہیں جو
لفظ زمین سے متبادر ہے۔ دوسرے یہ کہ آخرت میں اگر وہ پہنچ جائے تو پھر وہاں دو ہی
ٹھکانے ہیں، جنت یا دوزخ۔ اور داخل ہونے کے بعد جنت سے تو کسی کا نکلنا ممکن
نہیں اور دوزخ سے بھی سب کا نکلنا ممکن نہیں اور حشر ہوگا جنت و دوزخ سے
باہر تو معلوم ہوا کہ ابھی جنت یا دوزخ میں گیا ہی نہیں۔ پھر حدیث کے کیا معنی۔ تو اول
اس پر تو کسی کو یہی شبہ ہو سکتا ہے کہ جو ملاحدہ اور اہل سائنس کہتے ہیں وہی ٹھیک ہے چنانچہ
ملاحدہ اور بعض اہل سائنس جو ایمان لائے ان کا بھی مذہب یہی رہا کہ یہ سب مثالیں ہیں
اور تشبیہیں ہیں اور مطلب ان مثالوں کے دینے سے یہ ہے کہ ایسی حالت ہوتی ہے یعنی
مشابہ ان حالتوں کے ہوتی ہے۔ واقع میں یہ حالتیں پیش نہیں آتیں تو اپنے نزدیک گویا یہ بہت
بڑی دوڑ دوڑے۔ حاصل اس تقریر کا یہ ہوا کہ وہ لوگ محض روحانی عذاب و ثواب
کے قائل ہو گئے اور جسمانی کے منکر ہو گئے۔ اسی طرح حدیث شریف میں جو ہے
القبر روضة من ریاض الجنة او حفرة من حفر النار یعنی قبر یا تو جنت کا

ٹکڑا ہوتی ہے یا دوزخ کا گڑھا۔ تو وہ لوگ اس پر کہتے ہیں کہ ہم دیکھتے ہیں قبریں کہ یہاں نہ پھول ہیں جنت کے نہ آگ ہے دوزخ کی۔ پھر اپنے ظاہری معنوں پر قبر دوزخ کا گڑھا یا جنت کا ٹکڑا کیونکر ہو سکتی ہے۔ غرض یہاں قبر کی جنت و دوزخ میں تو یہ اشکال ہے۔ رہی آخرت سو وہاں کی دوزخ و جنت میں وہ اشکال ہے جو میں نے پہلے عرض کیا۔ بہرحال یہ اشکال حل نہیں ہو سکتا۔ جب تک تیسرے عالم کے قائل نہ ہوں یعنی عالم برزخ کے جس کو عالم مثال بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ مشابہ اس عالم کے بھی ہے یعنی باعتبار آخرت کے تو گویا وہ دنیا ہے اور باعتبار دنیا کے گویا کہ وہ آخرت ہے۔ تو وہ عالم ہے جیسا کہ باغ کا پھاٹک کہ بہ نسبت اندرونی حصہ باغ کے تو گویا وہ باغ نہیں ہے لیکن بہ نسبت خارج حصہ باغ کے گویا کہ وہ باغ ہے۔ یا جیسے حوالات کہ بہ نسبت گھر کے تو وہ جیل خانہ ہے مگر بہ نسبت جیل خانہ کے پھر گھر ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے عالم مثال کو دنیا کا بھی نمونہ بنایا ہے۔ تو جس وقت انسان مرتا ہے پہلے اس عالم مثال ہی میں جاتا ہے۔ وہاں ایک آسمان بھی ہے مشابہ دنیا کے آسمان کے اور زمین بھی مشابہ دنیا کی زمین کے، اور ایک جسم بھی ہے مشابہ اس جسم کے لیکن وہ بھی ہے جسم ہی تو مرنے کے بعد تو روح کے لئے ایک جسم مثالی ہوگا۔ اور آخرت میں جو جسم ہوگا وہ یہی ہوگا جو دنیا میں ہے۔ ...، یہ ایمان ہے ہمارا کہ حشر روحانی بھی ہے اور جسمانی بھی۔ یعنی یہی جسم جو ہم اب لئے بیٹھے ہیں اور جو گل سڑ کر خاک ہو جائے گا۔ اسی کو حق تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے پھر تازہ بنا کر محشور فرمائیں گے۔ لیکن وہاں اس جسم کی خاصیت بدل جائیگی یعنی اب تو یہ خاصیت ہے کہ جو ہم کھاتے پیتے ہیں اس کا پیشاب پاخانہ بنتا ہے بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ یہاں تک کہ ایک دن مر کر فنا ہو جاتا ہے۔ وہاں گویا ابدی اور خالد ہو جائے گا۔ غرض ایک تو جسم یہاں ہے اور ایک جسم ہے عالم مثال میں اور وہ مشابہ ہے اس جسم کے یہ جسم بعینہ نہیں تو عالم مثال میں بدن بھی مثالی ہے، وہاں کی دوزخ بھی مثالی ہے۔ بس اس عالم مثال ہی کا نام قبر ہے۔ اب سب اشکال رفع ہو گئے۔ کیا معنی کہ قبر سے مراد یہ محسوس گڑھا نہیں ہے۔ کیونکہ کسی کو بھیڑیا کھا گیا،

یا کوئی سمندر میں غرق ہو گیا تو اس صورت میں چونکہ وہ زمین میں دفن نہیں ہوا اس لئے اس کو چاہئے کہ قبر کا عذاب ہی نہ ہو۔ لیکن اب اشکال ہی نہ رہا۔ کیونکہ وہ جو عالمِ مثال ہے وہیں اس کو عذاب قبر بھی ہو جائے گا۔ اشکال تو جب ہوتا جب قبر سے مراد یہ گڑھا ہوتا۔ جس میں لاش دفن کی جاتی ہے۔ حالانکہ اصطلاح شریعت میں قبر گڑھے کو کہتے ہی نہیں بلکہ عالم مثال کو کہتے ہیں قبر۔ اور وہاں پہنچنا کسی حال میں منتفی نہیں خواہ مردہ دفن ہو یا نہ ہو اور اس عالم مثال کے نہ جاننے ہی کی وجہ سے یہ بھی کہتے ہیں عوام کہ قبر ذرا بڑی رکھنی چاہئے تاکہ مردہ کو بیٹھنے میں تکلیف نہ ہو۔ تو معلوم ہوتا ہے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اسی قبر کے اندر مردہ کو بٹھایا جاتا ہوگا۔ تو بس پھر کیا ہے اگر اپنے دشمن کو ستانا ہو تو اس کی قبر ذرا تنگ بنا دی جاوے، تاکہ مر کر بھی اسے چین نصیب نہ ہو۔ کیونکہ بعض لوگ اپنے دشمن کے لئے تمنا کرتے ہیں کہ مر کر بھی مصیبت سے نہ بچے تو اچھا ہے۔ حضرت یہ جو کشادہ قبر شریعت نے تجویز کی ہے، یہ اس بنا پر تھوڑا ہی ہے کہ اس کے اندر مردہ کو بٹھایا جائے گا، جیسے آپ اس وقت بیٹھے ہیں، بلکہ یہ تو محض اکرام ہے اور عزت ہے مومن کی کہ اس کو مر کر بھی بیکار نہ سمجھا گیا۔ مرنے کے بعد بھی اس کے مرتبے کا لحاظ کیا اور ہر طرح اس کا اکرام کیا۔ یہ نہیں کہ وہاں تھا ٹال دیا، بلکہ یہ حکم ہوا کہ اس کی اس وقت بھی خاطر و تواضع کرو۔ قبر ایسی بناؤ کہ اگر وہ زندہ ہوتا تو ویسی ہی جگہ اس کے لئے تجویز کرتے، کپڑا ایسا پہناؤ جیسا کہ وہ زندگی میں پہنتا۔ یعنی ویسا ہی لباس، ویسی ہی صفائی ہو، خوشبوئیں بھی لگاؤ، نہلاؤ دھلاؤ بھی۔ غرض بنا سنوار کر عزت کے ساتھ اس کو رخصت کرو۔ اور واقعی جیسا مسلمانوں میں مردہ کا اکرام ہوتا ہے کسی قوم میں نہیں ہوتا۔ اور عیسائیوں میں بھی گو بہت اکرام ہوتا ہے لیکن ان میں غلو بہت زیادہ ہے، یہاں تک کہ پیٹی بھی کستے ہیں، بوٹ بھی، ہیٹ بھی، غرض پوری وردی پہناتے ہیں۔ گویا وہاں جا کر بھی صاحب بہادر ہی رہیں گے۔ غرض عیسائیوں کے یہاں تو اکرام میں غلو ہے اور ہندوؤں کے یہاں بالکل اکرام نہیں، بلکہ اور الٹی بے حرمتی کرتے ہیں یہاں تک کہ بیچارہ کو ارتھی

چھوڑتے ہیں۔ خیر وہ بیچارہ تو نہیں ہے۔ جو تو واقعی سر چھوڑ سے جانے کا مستحق ہے بہرحال اسلام میں اعتدال ہے۔ تو وہ عالم۔ عالم مثال ہے جہاں مرنے کے بعد انسان اول پہنچتا ہے اور وہ کچھ مشابہ اس عالم ہے اور کچھ مشابہ عالم آخرت کے ہے۔ وہیں اس کو فرشتے بٹھاتے ہیں، وہیں اس سے سوالات کرتے ہیں، وہیں کی زمین اس کو دباتی ہے وہیں اس کو عذاب و ثواب ہوتا ہے۔ وہ عالم یہی ہے جس کو حدیثوں میں قبر کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور لو میں تمہیں کچھ اس کا پتہ بھی بتائے دیتا ہوں۔ جس سے یہی اس کی کچھ حقیقت سمجھ میں آجائے۔ وہ عالم کچھ کچھ خواب میں منکشف ہوتا ہے۔ لیکن ایک تو خواب ہوتا ہے سچا اور ایک ہوتا ہے محض خیال۔ تو جو خواب سچا ہوتا ہے اس میں کچھ انکشاف اس عالم کا ہوتا ہے۔ پس اتنا فرق ہے کہ خواب میں تو حقیقت اس عالم کی مغلوب ہوتی ہے کیونکہ اس میں آمیزش خیال کی بھی ہوتی ہے اور وہاں بالکل حقیقت ہی حقیقت ہوگی۔ ہاں وہ حقیقت اصلیہ بھی عالم آخرت کی حقیقت اصلیہ کے اعتبار سے تو بمنزلہ خواب کے ہے بلکہ خواب میں جو حقیقت عالم مثال منکشف ہوتی ہے وہ بمقابلہ عالم مثال کی حقیقت اصلیہ کے اتنی ضعیف نہیں ہوتی ہے جتنی عالم مثال کی حقیقت اصلیہ بمقابلہ عالم آخرت کی حقیقت اصلیہ کے ضعیف ہے، وہ اس سے بھی ضعیف تر ہے تو خواب میں اگر کوئی یہ دیکھے کہ مجھے سانپ کاٹا تو اب وہ خواب ہی میں بھاگتا بھی ہے، چلتا بھی ہے، چیختا بھی ہے، چلاتا بھی ہے۔ اب کوئی اس سے کہے کہ ارے تو تو برابر بستر پہ پڑا رہا ہے، نہ تجھے کسی سانپ نے کاٹا، نہ تو بھاگا، نہ چلایا۔ کیوں خواہ مخواہ جھوٹ بولتا ہے۔ تو کہہ سکتا ہے مگر چونکہ یہ امر خواب میں ہر شخص کو واقع ہوتا ہے اور عالم مثال منکشف ہوتا ہے اس سے کوئی تکذیب نہیں کرتا اور شارع علیہ السلام اس کی خبر دیں تو وہ تکذیب کرتا ہے، حیرت ہے۔ تو عالم مثال میں ہر چیز کا نمونہ موجود ہے یعنی جتنی چیزیں ہیں موجودات حقیقیہ وہ سب وہاں موجود ہیں۔ ایسی مثال ہے جیسے آئینہ کہ اس میں بھی اپنی شبیہ نظر آتی ہے۔ لیکن جس طرح آئینہ میں بھی ہمیشہ

شکل بالکل مشابہ نظر نہیں آتی۔ یعنی آپ نے دیکھا ہوگا کہ کسی آئینہ میں تو بڑا لمبا چہرہ نظر
آتا ہے کسی میں بہت چوڑا اور ایسا بُرا کہ خود ہی تھپڑ مارنے کو جی چاہے۔ اسی طرح
[illegible] آئینہ میں سیاہ صورت نظر آتی ہے حالانکہ آپ نے چہرہ پر کالک نہیں لگا رکھی اور
سرخ آئینہ میں سرخ صورت نظر آتی ہے حالانکہ آپ نے چہرہ پر کوئی سُرخ چیز نہیں مل
رکھی تو جس طرح یہاں جو چیزیں آئینہ میں نظر آتی ہیں وہ من کل الوجوہ مشابہت نہیں
رکھتیں۔ اصل کے ساتھ بلکہ جو آئینہ سچا ہوتا ہے وہ بالکل سچا نہیں ہوتا۔ اس واسطے کہ
کم از کم اتنا فرق تو ضرور ہوگا کہ آپ تو مثلاً بیٹھے ہیں مغرب میں لیکن آئینہ میں آپ
نظر آویں گے مشرق میں تو دیکھئے کہاں رہی مشابہت من کل الوجوہ۔ غرض یہ جو
آئینہ میں عکس نظر آتا ہے یہ محض ایک مثال ہے اصل صورت کی۔ یعنی اس کو ایک گونہ
مناسبت ہے اصل صورت کے ساتھ۔ تو جیسے آئینہ میں سب چیزیں نظر آتی ہیں۔ گو
وہ حقیقتاً مشابہ نہیں ہوتیں۔ مگر صورۃً من وجہ مشابہ ہوتی ہیں۔ اسی طرح عالم مثال
میں اور اس عالم میں جو صورتیں مشابہ ہیں ان میں سے بعض میں تو مماثلت ہوتی ہے،
اور بعض میں مناسبت۔ جب یہ بات سمجھ میں آگئی تو اب یہ سمجھئے کہ وہ مناسبت
بعض اوقات جلی ہوتی ہے اور بعض اوقات خفی۔ مثلاً ہم نے خواب میں دیکھا کہ
فلاں شخص کے لڑکا پیدا ہوا ہے اور بعد میں سُن بھی لیا کہ واقعی اس شخص کے لڑکا
پیدا ہوگیا تو یہاں تو باہم مناسبت قوی ہے اور جلی ہے جس کو مماثلت کہنا چاہئے
اور کبھی یہ مناسبت قوی نہیں ہوتی بلکہ ضعیف اور خفی ہوتی ہے۔ جیسے میں دیوبند
میں خواب دیکھا کہ منشی سراج الحق ایک پلنگ پر بیٹھے ہیں لیکن وہ دو ہیں۔ یعنی
سرہانے بھی وہی بیٹھے ہیں اور پائنتی بھی وہی بیٹھے ہیں۔ غرض یہ دیکھا کہ دو سراج
الحق ہیں۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے میں نے یہ خواب بیان کیا
تو مولانا نے فی البدیہہ فرمایا کہ انشاء اللہ ان کے لڑکا پیدا ہوگا۔ کیونکہ اولاد جو ہے وہ باپ
کا وجود ثانی ہے چنانچہ ان کے گھر میں امید تھی، لڑکا ہی پیدا ہوا۔ یہ مناسبت خفی ہے
[illegible] ۔ لڑکا [illegible] شکل میں دیکھا۔ یہ مماثلت تو نہیں کہی جاسکتی ہاں مناسبت ہے

اب جس کو اس عالم مثال کی وجوہ مناسبت کا زیادہ علم ہوتا ہے وہی معتبر ہوتا ہے اور جس کو جتنا زیادہ اس مناسبت کا علم ہوگا اتنا ہی وہ اعلیٰ درجہ کا معبر ہوگا۔ کیونکہ تعبیر خواب کا حاصل یہ ہے کہ معبر صورت مرئیہ سے صورت مثالیہ کی طرف عبور کرتا ہے تو یہ معبر صورت مناسبہ کو سمجھ لیتا ہے کہ یہ کس حقیقت کی صورت ہے اور کوئی بزرگی کی بات نہیں بلکہ محض فراست ہے۔ چنانچہ بعض کفار بھی نہایت صحیح تعبیر دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ ابوجہل بھی بڑا معبر تھا، تو اب کیا اس کو بھی بزرگ کہیں گے۔ (آثار المربع ص۲۸، ۳۰، ۳۱)

(اشرف الجواب ص۱۲۳، ۲۹۱)

★★★★

## (۶۴) عذاب قبر پر اعتراض کا جواب

احادیث میں جو عذاب و ثواب قبر کا ذکر ہے۔ یہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کیونکہ ہم نے انسان کے مرجانے کے بعد اس کے جسم عنصری کا مہینوں پہرہ دیا ہے۔ ہم کو تو کچھ بھی عذاب و ثواب نظر نہیں آیا۔ جواب یہ ہے کہ برزخ میں انسان کو یہ دوسرا جسم عطا ہوتا ہے جو کہ جسم مثالی ہے۔ عذاب و ثواب اسی کو ہوتا ہے۔ لہٰذا جسد عنصری پر عذاب و ثواب محسوس نہ ہونے سے اس کی مطلقاً نفی نہیں ہوسکتی۔ پھر بعض دفعہ حق تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ظاہر کرنے کے لئے اس جسم عنصری پر بھی عذاب و ثواب ظاہر کیا ہے۔ چنانچہ اس قسم کے واقعات مذکور ہیں کہ بعض لوگوں نے کسی مردہ کی قبر میں آگ جلتی ہوئی دیکھی بعض لوگوں کو کسی قبر سے نہایت پاکیزہ خوشبو محسوس ہوئی۔ لہٰذا اس حدیث پر کوئی اشکال نہیں۔ خوب سمجھ لو۔ (ترجیح الآخرۃ ص۲۶)

(اشرف الجواب ص۲۱۳)

## (۱۲) شہداء کی ارواح کا جنت کے سبز پرندوں میں ہونے پر

# شُبہ کا جواب

جنت میں وہ جسم طیر شہداء کے لئے مرکب ہوگا۔ ان کا حقیقی جسم وہ نہ ہوگا۔ بلکہ ان کے لئے جسم انسانی دوسرا ہوگا۔ پس ارواح شہداء کا جو اصل طیور خضر میں ہونا ایسا ہے جیسا کہ دنیا میں ہم بہل اور بگھی یا ڈولی اور پالکی میں سوار ہوتے ہیں۔ اگر پالکی اور بگھی بند ہو تو دیکھنے والے کو یہی معلوم ہوگا کہ پالکی اور بگھی آرہی ہے۔ ہمارا جسم اس کو نظر نہ آئیگا مگر اس سے یہ نہ سمجھا جائے گا کہ بگھی اور پالکی ہمارا جسم ہے اور ہماری رُوح اس کے اندر حلول کئے ہوئے ہے بلکہ ہر شخص یہ جانتا ہے کہ اس کے اندر جو آدمی بیٹھا ہے اس کا جسم بگھی اور پالکی کے جسم سے علیحدہ ہے اور یہ محض اس کی سواری ہے۔ اسی طرح یہاں سمجھئے کہ جنت میں ارواح شہداء کے لئے سبز پرندوں کا جسم بمنزلہ پالکی کے ہوگا، اور اس کے اندر رُوح انسانی اپنے جسم (مثالی) کے ساتھ سوار ہوگی پس اس سے انسان کا پرندہ بن جانا لازم نہیں آتا۔ یہ صورت جب لازم آتی کہ رُوح انسانی اپنے جسم سے علیحدہ ہو کر جسم طیر میں حلول کرتی اور وہاں یہ بات نہ ہوگی۔ اب رہی یہ بات کہ وہ جسم انسانی کونسا ہے جس کے اندر شہداء کی روحیں حلول کرکے حواصل طیور خضر میں سوار ہوں گی آیا وہ یہی جسم عنصری ہے یا کوئی دوسرا جسم ہے۔ اس کی تحقیق کے لئے کشف کی ضرورت ہے کیونکہ نص اس سے ساکت ہے۔ اہل کشف کو معلوم ہوا ہے کہ عالم برزخ میں انسان کو جسم مثالی عطا ہوتا ہے جو اسی جسم عنصری کے مشابہ ہے مگر اس سے زیادہ لطیف ہوتا ہے لیکن یہ جسم مثالی صرف برزخ ہی میں انسان کو عطا ہوگا اور جنت و دوزخ میں یہی جسم عنصری پھر مل جائے گا۔ گو برزخ میں جسد عنصری کا ہونا کچھ محال نہیں مگر خلاف مشاہدہ ہے۔ اہل کشف کو معلوم ہوا ہے کہ برزخ میں عذاب و ثواب ارواح کو جسم مثالی کے ذریعے سے ہوتا ہے۔ (ترجیح الآخرۃ صـ ۳۲)

(اشرف الجواب صـ ۲۱۳ و ۲۱۳)

# ایک شبہ کا جواب

اس جگہ بعض طالب علموں کو ایک شبہ پیدا ہوگا وہ یہ کہ حدیث میں آیا ہے کہ شہداء کی ارواح جنت میں حواصل طیور خضر میں ہوں گی۔ اور تقریر سابق سے یہ معلوم ہوا ہے کہ اگر انسان کی رُوح کسی حیوان کے قالب میں منتقل ہو جائے تو اُس وقت وہ انسان نہ ہوگا بلکہ حیوان ہوگا۔ اس سے لازم آتا ہے کہ شہداء جنت میں انسان نہ رہیں گے، بلکہ پرندے بن جائیں گے اور یہ فضیلت کے منافی ہے کیونکہ انسان پرندے سے افضل ہے پس اس کا پرندہ بن جانا اس کے تنزل کا سبب ہوگا نہ ترقی کا۔ اس کا **جواب** یہ ہے کہ جنت میں وہ جسم طیر شہداء کے لئے مرکب ہوگا ان کا حقیقی جسم وہ نہ ہوگا بلکہ ان کے لئے جسم انسانی دوسرا ہوگا۔ پس ارواح شہداء کا حواصل طیور خضر (سبز پرندوں پوٹے) میں ہونا ایسا ہے جیسا کہ دُنیا میں ہم بہل اور بگھی یا ڈولی اور پالکی میں سوار ہوتے ہیں۔ اگر پالکی اور بگھی بند ہو تو دیکھنے والے کو یہی معلوم ہوگا کہ پالکی اور بگھی آرہی ہے ہمارا جسم اس کو نظر نہ آئے گا۔ مگر اس سے یہ ہرگز نہ سمجھا جائے گا کہ بگھی اور پالکی ہمارا جسم ہے اور ہماری رُوح اس کے اندر حلول کئے ہوئے ہے بلکہ ہر شخص یہ جانتا ہے کہ اس کے اندر جو آدمی بیٹھا ہے اس کا جسم بگھی اور پالکی کے جسم سے علیحدہ ہے اور یہ محض اس کی سواری ہے۔ اسی طرح یہاں سمجھئے کہ جنت میں ارواح شہداء کے لئے سبز پرندوں کا جسم بمنزلہ پالکی کے ہوگا اور اس کے اندر رُوح انسانی اپنے جسم انسانی کے ساتھ سوار ہوگی پس اس سے انسان کا پرندہ بن جانا لازم نہیں آتا۔ یہ صورت جب لازم آتی کہ رُوح انسانی اپنے جسم سے علیحدہ ہو کر جسم طیر میں حلول کرتی اور وہاں یہ بات نہ ہوگی اب رہی یہ بات کہ وہ جسم انسانی کونسا ہے جس کے اندر شہداء کی روحیں حلول کر کے حواصل طیور خضر میں سوار ہوں گی۔ آیا وہ یہی جسم عنصری ہے یا کوئی دوسرا جسم ہے اس کی تحقیق کے لئے کشف کی ضرورت ہے کیونکہ نص اس سے ساکت ہے۔ اہل کشف کو معلوم ہوا ہے کہ عالم برزخ میں انسان کو جسم مثال عطا ہوتا ہے جو اسی جسم عنصری

کے مشابہ ہے مگر اس سے زیادہ لطیف ہوتا ہے لیکن یہ جسم مثالی صرف برزخ ہی میں انسان کو عطا ہوگا اور جنت و دوزخ میں یہی جسم عنصری پھر مل جائے گا۔ گو برزخ میں جسد عنصری کا ہونا کچھ محال نہیں مگر خلاف مشاہدہ ہے۔ اہلِ کشف کو معلوم ہوا ہے کہ برزخ میں عذاب و ثواب ارواح کو جسم مثالی کے ذریعے سے ہوتا ہے۔ لہٰذا ملحدین کا یہ اعتراض رفع ہوگیا کہ احادیث میں جو عذاب و ثواب قبر کا ذکر ہے یہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کیونکہ ہم نے انسان کے مرجانے کے بعد اس کے جسم عنصری کا مہینوں پہرہ دیا ہے ہم کو تو کچھ بھی عذاب و ثواب نظر نہیں آیا۔ جواب یہ ہے کہ برزخ میں انسان کو دوسرا جسم عطا ہوتا ہے جو کہ جسم مثالی ہے۔ عذاب و ثواب اسی کو ہوتا ہے لہٰذا جسدِ عنصری پر عذاب و ثواب محسوس نہ ہونے سے اس کی مطلقاً نفی نہیں ہو سکتی۔ پھر بعض دفعہ حق تعالیٰ نے اپنی قدرت ظاہر کرنے کے لئے اس جسم عنصری پر بھی عذاب و ثواب کو ظاہر کیا ہے۔ چنانچہ اس قسم کے واقعات منقول ہیں کہ بعض لوگوں نے کسی مردہ کی قبر میں آگ جلتی ہوئی دیکھی۔ بعض لوگوں کو کسی قبر سے نہایت پاکیزہ خوشبو محسوس ہوتی۔ لہٰذا اس حدیث پر کوئی اشکال نہیں ہے۔ خوب سمجھ لو۔

(ترجیح الآخرۃ ص ۳۲۵ و ۳۲۶)

(منقول از "الابقاء" ماہ جمادی الثانی ۱۳۹۸ھ مطابق مئی ۱۹۷۸ء شمارہ ۵ جلد ۲۹ جسے (مولانا) محمد عبدالمنان عفرلہٗ نے انٹرنیشنل پریس میں چھپوا کر مکتبہ تھانوی مسافر خانہ بندر روڈ (ایم اے جناح روڈ) کراچی سے شائع کیا۔)

## ★ قبر سے مُراد؟ ★

مجالس الحکمۃ ص ۴۳ میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نوراللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں کہ "قبر سے مراد حدیث عالم برزخ ہے نہ حفرہ"۔

# شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ

## عالمِ برزخ

مرنے کے بعد زمانِ بعث تک انسان عالمِ برزخ میں رہتا ہے۔ کما قال تعالیٰ ومن ورائھم برزخ الیٰ یوم یبعثون اور اسی کو عالمِ قبر بھی کہتے ہیں۔ اس پر ایمان لانا فرض اور لازم ہے۔

## عقیدۂ اوّل

قبر میں مومنوں اور کافروں سے منکر اور نکیر کا سوال حق ہے۔ قبر سے وہ گڑھا مراد نہیں جس میں مردہ کا جسم دفن کیا جاتا ہے بلکہ عالمِ برزخ مراد ہے۔ جو دنیا اور آخرت کے درمیان میں ایک عالم ہے جو من وجہٍ دنیا کے مشابہ ہے اور من وجہٍ آخرت کے۔ اس لئے کہ مرنے کے بعد اپنے ذاتی اعمال تو منقطع ہوگئے مگر زندوں کی دعاؤں اور صدقات اور خیرات سے اس کو نفع پہنچتا رہتا ہے اور پس ماندوں کی دُعاؤں سے اس کے گناہ معاف ہوتے رہتے ہیں تاکہ قیامت کے دن جب قبر سے اٹھے تو پاک اور پاکیزہ اٹھے۔ برزخ اس چیز کا نام ہے جو دو چیزوں کے درمیان حائل ہو، اور شریعت میں عالمِ برزخ اس جہان کو کہتے ہیں کہ جو اس عالمِ دنیا اور عالمِ آخرت کے درمیان حائل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قیامت سے پہلے ایک جہان بنایا ہے جسے عالمِ برزخ کہتے ہیں جو دنیا سے اتنا زیادہ وسیع ہے جتنی دنیا ماں کے پیٹ سے زیادہ وسیع ہے یہاں ایمان اور کفر اور طاعت اور معصیت کا اثر آنکھوں سے نظر آجاتا ہے۔ اصل عذاب اور اصل سزا تو قیامت کے دن حساب و کتاب کے بعد ملے گی اور عالم

برزخ سے سانپ اور بچھو وغیرہ وغیرہ بطور ماحضر اور بطور نمونہ کے ہیں۔
(عقائد الاسلام صـ۵۹)

## ★ عقیدۂ سوم ★

قبر کا عذاب اور ثواب اور منکر اور نکیر کا سوال حق ہے جس پر ایمان لانا فرض ہے الله تعالیٰ ہمیں اس میں ثابت قدم رکھے۔ قبر سے مراد زمین کا گڑھا نہیں جس میں مردہ کو دفن کیا جاتا ہے بلکہ مراد عالم برزخ ہے جو دنیا اور آخرت کے درمیان ایک درمیانی عالم ہے جس میں مردہ مرنے سے لے کر قیامت تک اس میں رہتا ہے۔ قال تعالیٰ ومن ورائهم برزخ الی یوم یبعثون۔ برزخ اصل میں اس چیز کو کہتے ہیں کہ جو دو چیزوں کے درمیان حائل ہو۔ الله تعالیٰ نے اس عالم دنیا اور عالم آخرت کے درمیان ایک جہان بنایا ہے اس کو عالم برزخ کہتے ہیں۔ جو اس جہان سے اتنا وسیع ہے جتنی یہ دنیا ماں کے پیٹ سے زیادہ وسیع ہے۔ جب انسان مرجاتا ہے تو اس کی دنیوی حیات کا خاتمہ ہو جاتا ہے روح عالم برزخ میں پہنچ جاتی ہے۔ مگر اس کو اپنے بدن سے ایک گونہ تعلق[1] رہتا ہے۔ تو یہ ایک بین بین حالت ہوتی ہے۔ اس لئے اس عالم کی حیات کو برزخی حیات کہتے ہیں، غرض یہ کہ قبر سے عالم برزخ مراد ہے جو دنیا اور آخرت کے درمیان ایک درمیانی واسطہ ہے۔ اس لئے اس کو عالم برزخ کہتے ہیں۔ قبر میں میت کو جو حیات حاصل ہوتی ہے وہ دنیا کی معہودہ حیات کی طرح نہیں ہوتی بلکہ دوسری قسم کی ہوتی ہے جس کا ان حواس سے ادراک نہیں ہو سکتا وہ ایک برزخی حیات ہوتی ہے۔ نہ تو دنیوی زندگی کی طرح ہوتی ہے اور نہ اُخروی زندگی کی طرح ہوتی ہے۔

رُوح جسم سے نکلنے کے بعد جس جگہ بھی قرار پکڑ جائے (علیین یا سجین) قیامت

---

[1] اس تعلق کی وضاحت حضرت حکیم الامت رحمۃ الله علیہ نے جو بیان فرمائی ہے وہ سب پر آپ پہلے ہی پڑھ چکے ہیں۔ خوب غور سے سمجھ لو۔ ۱۲ نیلوی

تک وہی اس کی قبر ہے۔ مرنے کے بعد جسم جل جائے یا گل سڑ جائے یا سمندر میں گر کر کسی مچھلی کے پیٹ میں پہنچ جائے۔

منکر نکیر دو نہایت ہیبت ناک فرشتے ہیں۔ ایک کا نام منکر ہے اور دوسرے کا نام نکیر ہے۔ جو قبر (صراحت پہلے ہو چکی ہے) میں آکر سوال کرتے ہیں اور ایمان کی جانچ پڑتال کرتے ہیں، مگر انبیاء علیہم السلام سے سوال نہیں ہوتا، وہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ عالم برزخ میں پہنچنے کے بعد جو بات سب سے پہلے پیش آتی ہے وہ یہی منکر و نکیر کا سوال ہے بیشمار احادیث سے یہ ثابت ہے کہ مرنے کے بعد عالم برزخ میں مردہ کے جسم[1] میں اس کی روح لوٹائی جاتی ہے...... اور قبر کا عذاب و ثواب چونکہ دوسرے عالم کا ماجرا ہے، تو اس عالم کی آنکھیں اس عالم کی چیزوں کے دیکھنے کے لئے کافی نہیں۔

(عقائد الاسلام ص ۸۶-۸۷/۲)

★

# عالمِ آخرت

اس عالم شہادت اور عالم دنیا کے علاوہ ایک اور جہان ہے جس کو عالم آخرت کہتے ہیں۔ عالم آخرت کے دو طبقے ہیں۔ ایک مرنے سے حشر تک جس کو اصطلاح شریعت میں عالم برزخ کہتے ہیں' دوسرا قیامت سے لے کر ابدالا باد تک' اس کو عالم حشر کہتے ہیں اول ہم کچھ مختصراً عالم برزخ کا حال ذکر کرتے ہیں۔

## عالمِ برزخ و قیامتِ صُغریٰ

قال تعالیٰ ومن ورائهم برزخ الیٰ یوم یبعثون اور ان کے آگے ایک برزخ ہے جس میں قیامت تک رہیں گے۔

وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من مات فقد قامت قیامته نبی اکرم صلی اللہ

---

[1] اس سے مراد برزخی جسم ہے جیسا کہ حضرت حکیم الامتؒ نے بیان فرمایا - ۱۲ نیلوی

علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مر گیا اس کی قیامت ہو گئی۔ یہ قیامت صغریٰ ہے۔

قبر حقیقت میں اسی عالم برزخ کا نام ہے۔ اس گڑھے کا نام نہیں جس میں مردے کو دفن کیا جاتا ہے۔ اسی عالم برزخ میں مردہ سے توحید و رسالت کے متعلق فرشتے آکر سوال کرتے ہیں جن کو منکر نکیر کہتے ہیں۔ پوری پوری جزاء تو قیامت اور حساب و کتاب کے بعد ملے گی مگر جزاء و سزاء کا سلسلہ کچھ یہیں سے شروع ہو جاتا ہے۔

چونکہ یہ عالم، عالم دنیا اور عالم آخرت کے بین بین ہے اور اسی وجہ سے اس کو عالم برزخ کہتے ہیں۔ اس لئے اس عالم کا عذاب من وجہ عذاب دنیوی سے مشابہت اور مناسبت رکھتا ہے کہ منقطع ہو سکتا ہے اور من وجہ عذاب اُخروی سے تعلق رکھتا ہے، اس لئے کہ یہ عذاب درحقیقت عذابِ آخرت کا آغاز اور شروع ہے اور اسی طرح عالم برزخ کی راحت و آرام بھی من وجہ عالم دنیا کی راحت و آسائش سے اور من وجہ عالم آخرت کی راحت و آسائش سے مناسبت رکھتی ہے۔

(علم الکلام صـ ۲۴۵)

مرنے کے بعد قیامت سے پہلے بھی عالم برزخ میں ہر شخص پر عذاب یا ثواب ضرور ہوتا ہے۔ اسی کو شریعت اسلامیہ میں عذابِ قبر اور ثواب قبر کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مرنے کے بعد دوبارہ دنیا میں واپسی نہیں۔ ایک دفعہ مر جانے کے بعد رُوح پھر کسی دوسرے جسم عنصری میں جزاً اور سزاً بھگتنے کے لئے دنیا میں نہیں آتی۔ جس کو تناسخ اور ہندی میں آواگون کہتے ہیں۔ اِلّا یہ کہ کسی مردہ کو کسی نبی کا معجزہ ظاہر کرنے کے لئے زندہ فرما دیا جائے تو وہ تناسخ نہیں۔ تناسخ وہ ہے کہ رُوح دوبارہ دنیا یا کسی قالب میں جزاء و سزا پانے کے لئے آئے۔

(علم الکلام صـ ۲۴۸)

# شمس العلماء مولانا عبدالحق صاحب حقانی دہلوی مفسر قرآن

## علیین اور سجین!

احادیث میں جزا و سزا کا مقام علیین اور سجین بھی آیا ہے کہ ملائکہ مومنین کی ارواح کو قبض کر کے جنت کے حریروں میں لپیٹ کر نہایت تعظیم و تکریم سے ساتویں آسمان تک لے جاتے ہیں پھر وہاں سے حکم ہوتا ہے کہ علیین میں اس کو لے جاؤ۔ پس وہ جہاں مومنین کی ارواح ہیں وہاں آتا ہے۔ وہاں کے مومنین اس سے دنیا میں اپنے اپنے اقارب کا حال دریافت کرتے ہیں اور اس کے آنے سے نہایت خوش ہوتے ہیں کہ جس طرح کوئی کسی غائب کے آنے سے خوش ہوتا ہے۔ احمد اور نسائی نے اس کو روایت کیا ہے۔ اور شہیدوں کے لئے جنت میں رہنا بھی ثابت ہوا ہے۔ اور کافر اور منافق کی روح کو فرشتے نہایت شدت کے ساتھ قبض کر کے بدبو کے ٹاٹ میں بند کرتے ہیں اور آسمان کی طرف لاتے ہیں۔ سو وہاں اس کے لئے آسمان کا دروازہ نہیں کھلتا۔ پھر حکم ہوتا ہے کہ اسے سجین میں جہاں اور کفار کی ارواح معذب ہیں لے جاؤ۔ وہاں لے جا کر عذاب میں گرفتار کرتے ہیں۔ مومن حشر تک علیین میں آرام اٹھاتے ہیں اور کافر حشر تک سجین میں عذاب پاتے ہیں۔ ان احادیث میں، اور جن میں کہ قبر کے اندر ثواب و عقاب ثابت ہے کچھ مخالفت نہیں کیونکہ جب یہ ثابت ہوا کہ قبر سے خاص وہ گڑھا مراد نہیں کہ جس میں جسم دفن کیا جاتا ہے بلکہ عالم برزخ مراد ہے۔ خواہ کوئی پانی میں غرق ہو خواہ آگ میں جل جائے تو اس کی وہی قبر ہے۔ اس صورت میں علیین و سجین میں عذاب و ثواب ہونا عین قبر میں

عذاب و ثواب ہے۔ کچھ مخالفت نہیں۔

## مُلحدوں کے چند شبہات اور ان کے جوابات:

**شبہ:** قبر میں کسی مردہ کو آج تک ثواب و عذاب میں کہ جن کا ذکر احادیث میں آیا ہے مبتلا نہیں دیکھا، نہ کسی کی قبر کی وسعت معلوم ہوئی کہ ستر در ستر گز کشادہ ہو گئی ہو۔ علیٰ ہٰذا القیاس۔

**جواب:** ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ اصل میں انسان رُوح ہے اور بدن اس کے تابع ہے۔ ثواب و عذاب بھی عالم برزخ میں روح کو ہوتا ہے۔ جب تم کو وہ شخص ہی نظر نہیں آتا تو اس کے ثواب و عذاب کیونکر نظر آویں گے۔ جس قسم کا وہ شخص ہے اسی قسم کے اس پر گزرتے ہیں۔ اسی قسم کے سانپ اور بچھو وہاں ڈستے ہیں جس طرح کہ روح جسم عنصری نہیں اس کے ثواب و عذاب بھی عنصری نہیں۔ اسی واسطے وہ نظر نہیں آسکتی۔ یہ جواب تحقیقی ہے اور تمہارے شبہ کی بنا اس پر ہے کہ تم نے میّت کو جس کو ثواب و عذاب ہوتا ہے اس خاک کے ڈھیر کو جو اس کا مرکب تھا عرف عام کا اعتبار کر کے سمجھ لیا اور اسی قسم کے عنصری عذاب و ثواب تم نے اس کے لئے فرض کئے پھر تم نے جب اس کو ان سے خالی پایا تو تمہیں شبہ ہوا۔

**الزامی جواب:** اور الزامی گفتگو اس طرح پر ہے کہ خواب میں کوئی شخص تمہارے رُوبرو کچھ ثواب و عذاب دیکھے یا اپنی جائے نہایت تنگ دیکھے یا میدان وسیع میں جاوے یا کوئی مہیب چیز اس کو نظر آوے۔ سو یہ سب ممکن ہے، حالانکہ اس کا جسم تمہارے روبرو پڑا ہے۔ اس پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ تم اس کو سچ جانتے ہو؟ اور خواب میں اس عالم میں یوں بعید ہے، خواب میں رُوح جسم سے بدستور متعلق رہتی ہے فقط توجہ اس کی ادھر نہیں رہتی۔ اس پر وہ یہ کچھ معاملات دیکھتی ہے۔ اور ان کو تم سچ جانتے ہو پھر جب رُوح جسم سے بالکل الگ ہو گئی اور پھر وہاں اس پر کچھ اس عالم کے حالات گزرے اس کو تم خلاف عقل اور خلاف مشاہدہ کیوں قرار دیتے ہو؟ جس طرح تم خواب میں تنگ و سیع مکان میں ہونا مسلم رکھتے ہو اسی

طرح اس کی قبر کی کشادگی اور تنگی کو بھی مسلم رکھو۔ کیونکہ قبر کے تنگ اور وسیع ہونے سے ہماری یہ مراد نہیں کہ یہ گڑھا کہ جسم کو جس میں چھپایا ہے وہ تنگ اور وسیع ہو جاتا ہے بلکہ اُس عالم میں رُوح پر تنگی اور کشادگی ہوتی ہے اور اصل قبر اس کی وہی ہے۔ ہاں عرفِ عام میں اس جسم کے اعتبار سے اس گڑھے کو بھی قبر کہتے ہیں۔

**شبہ:** بعض لوگوں کو آگ میں جلا دیتے ہیں اور بعض پانی میں غرق ہو جاتے ہیں اور بعض ہوا میں معلق لٹکے رہتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس۔ پھر اُن کے لئے قبر نہ ہوئی اور منکر و نکیر کا سوال و جواب جو خاص قبر میں ہوتا ہے وہ بھی نہ ہوگا۔

**جواب:** ابھی ہم کہہ چکے ہیں کہ یہ گڑھا قبر اصلی نہیں جس کو تم قبر سمجھتے ہو بلکہ مراد وہ ہے جو اَب بیان ہو چکا۔ خواہ کوئی غرق ہو یا جلے یا کوئی جاندار اس کو کھا لے اس کی روح سے بہر طور یہ معاملات پیش آتے ہیں۔ اور وہاں ہی (برزخ) منکر و نکیر اس سے سوال و جواب کر لیتے ہیں اور وہاں ہی اس کی روح پر کشادگی اور تنگی وغیرہ ثواب و عذاب ہو چکتے ہیں۔

خلاصہ عقیدہ اسلامی اس مسئلہ میں یہ ہے کہ جب انسان اس منزلِ خاکی کو چھوڑتا ہے تو وہ دوسرے عالم میں پہنچتا ہے۔ اس عالم غیر محسوس میں نیکوں کا مقام عالم بالا یعنی علیین ہے اور بدوں کا سجین جن کی روحیں کثافت و ظلمت کی وجہ سے اوپر نہیں چڑھ سکتیں، وہ اس ناپاک جگہ میں ڈالے جاتے ہیں۔ قبر عرفِ شرع میں اسی عالم کا نام ہے۔

(عقائد الاسلام (حقانی) ص۱۳۹ و ۱۴۰)

مرنے کے بعد رُوح زندہ رہتی ہے اور وہی انسان ہے، جسم کا لباس اُتر جاتا ہے، اسکو برابر حس و ادراک رہتا ہے مگر نظروں سے غائب دوسرے جہان میں۔ پھر اگر پاک روح ہے تو علیین میں جو عالم بالا ہے اور اگر ناپاک ہے کہ جسکو لذائذ و شہوات کی ظلمت نے گھیرا تھا تو سجین میں رہتی ہے ........ اور یہی دونوں جگہ اصلی قبر ہیں۔

(عقائد الاسلام حقانی، حاشیہ ص۱۳۹)

# حضرت مولانا محمد نجم الغنی صاحب رئیس رامپوری رحمۃ اللہ

## از

## تہذیب العقائد

وعذاب القبر للکافرین و لبعض عصاۃ المؤمنین وتنعیم اہل الطاعۃ فی القبر بما یعلمہ اللہ تعالیٰ و یریدہ۔

اور عذاب قبر کا کافروں اور بعضے گنہگار ایمان والوں کو اور آسائش فرمانبرداروں کو قبر میں اس چیز سے کہ جانتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ اور جس کا وہ ارادہ کرتا ہے ( حق ہے )
اس سے معلوم ہوا کہ انہیں بعض گناہگار مومنوں کو قبر میں عذاب ہوگا جن کی تعذیب اللہ کو منظور ہوگی سب کے لئے عذاب کا ہونا ضروری نہیں۔ اللہ تعالیٰ حاکم اور قادر ہے اس کو اختیار ہے کہ جس کو چاہے گنہگاران مومنین میں سے عذاب نہ بھی کرے۔ قبر سے مراد عالم برزخ ہے کہ دنیا اور آخرت میں واسطہ ہے۔ قبر سے مراد یہاں مدفن نہیں ہے۔ تاکہ کیفیت شامل ہو ان لوگوں کی نسبت بھی جو دریا میں ڈوب گئے ہیں یا آگ میں جل کر مر گئے ہیں یا کسی جانور نے ان کو کھا لیا ہے۔ (ص ۴۰)

بعض آیات اور بہت سی احادیث صحیحہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اس عالم عنصری کے سوا ایک اور عالم ( عالم مثال ) ہے کہ جس میں اعمال و اقوال وغیرہ اشیاء اپنے مناسب ایک صورت خاص میں متشکل ہوتے ہیں اور اس عالم میں پیشتر اشیاء موجود ہو چکتے ہیں، پھر اس عالم عنصری میں اسی کے مطابق ظاہر ہوتے ہیں۔ (ص ۴۱)

جب انسان لباس جسمانی اتارتا ہے تو اس کے اعمال اچھی یا بری صورتوں میں آکر

دکھائی دیتے ہیں۔ پھر جب جسم کو چھوڑ دیتا ہے تو حظیرۃ القدس و عالمِ قدس میں روحِ اعظم کی طرف اس طرح کھنچ کر جاتا ہے جیسے لوہا مقناطیس کی طرف کھنچتا ہے۔ اور اس حظیرۃ قدس کو علیین بھی کہتے ہیں۔ پس وہاں ملائکہ مقربین اور ارواحِ طیبین سے ملاقات ہوتی ہے، اور اس کی جسمانی باتیں مٹ جاتی ہیں اور اس کے اعمال و ادراکات اور اخلاص کو نہایت عمدہ صورتوں میں اس کو دکھایا جاتا ہے۔ جنت کی ہوائیں اور خوشبوئیں اس کو آتی ہیں؛ اور اس کی خواہش کے موافق نعمائے الٰہی اس کے لئے متشکل ہو جاتی ہیں۔ اور جو بدشخص ہے تو اس کے اعمال منکر و نکیر کی نہایت بُری شکل میں اس کو عذاب کرتے ہیں۔ اس کا بخل و شہوت اور دیگر اخلاقِ رذیلہ سانپ بچھو کی صورت میں ظاہر ہو کر اس کو ڈستے ہیں؛ اس پر گرز پڑتے ہیں اور طبقۂ ظلمانی میں جس کو سجین کہتے ہیں اس کو محبوس کیا جاتا ہے اور یہ وہاں اپنی ناز یبا باتوں سے نہایت رنج اٹھاتا رہتا ہے۔ اور اس سجین اور علیین کو عالمِ قبر کہتے ہیں ...... اور منکر و نکیر کا سوال کرنا ہر مردہ صغیر و کبیر سے ہوگا۔ اگرچہ کوئی پانی میں ڈوب گیا ہو یا آگ میں جل گیا ہو یا کسی جانور نے اسے کھا لیا ہو۔ (صفحہ ۳۱)

# حضرت علامہ مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ تعالیٰ

## موت کے بعد خدا کی طرف روح کی بازگشت

موت کے لئے قرآن میں اکثر خدا کی طرف بازگشت "یعنی خدا کی طرف لوٹ جانے کی اصطلاح اختیار کی گئی ہے۔

قُلْ إِنَّ الْمَوْتَ الَّذِي تَفِرُّونَ مِنْهُ فَإِنَّهُ مُلَاقِيكُمْ ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَىٰ عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ (جمعہ ۱)

کہدو بیشک وہ موت جس سے تم بھاگتے ہو اس سے ملنا ہی ہے پھر تم اس (خدا) کے پاس لوٹائے جاؤ گے جو حاضر و غائب کا جاننے والا ہے تو وہ تم کو تمہارے کرتوت بتائے گا۔

إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ - (بقرہ ۱۹)

ہم سب خدا کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جائیں گے۔

إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا - (مائدہ ۱۴)

تم سب کو خدا ہی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

یہ طرز ادا بیسیوں آیتوں میں اختیار کیا گیا ہے یہ بالکل بدیہی ہے کہ ہر رجوع، و بازگشت کے مفہوم میں ورود اور آمد داخل ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ تمام ارواح انسانی خدا کے یہاں سے اس جسم و قالب کی قید میں آئی ہیں اور موت کے وقت اس عناصر کی چہار دیواری سے نکل کر پھر ان کو وہیں واپس جانا ہے جہاں سے آئی تھیں۔ اس بازگشت کے سفر میں انکا زاد راہ صرف وہی ہوگا جو اس دنیا سے

دارالعمل میں انہوں نے کمایا۔ یعنی ان کے اندرونی و بیرونی اعمال اور اس کے بعد جو ان کی زندگی ہوگی وہ ان کے ان ہی اعمال کی نوعیت پر منحصر ہوگی۔

وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُمْ بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيهِ لِيُقْضَىٰ أَجَلٌ مُسَمًّى إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ۔ (انعام ۷)

اور وہی خدا ہے جو تمہیں رات کو موت (نیند) دیتا ہے اور دن کو جو کما چکے اس کو جانتا ہے۔ پھر تم کو دن میں جگا اٹھاتا ہے تاکہ مقررہ وقت (اصلی موت) پورا ہو، پھر اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے پھر وہ تم کو تمہارے اعمال جتائے گا۔

ایک اور آیت ایں ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ مَتَاعَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ۔ (یونس ۳)

اے انسانو تمہاری بغاوت کا نتیجہ تمہیں پر ہے، دنیا کی زندگی سے کچھ فائدہ اُٹھانا پھر ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے تو ہم تم کو تمہارے اعمال جتائیں گے۔

اس میں دنیا کی زندگی کے بعد ہی خدا نے اپنی طرف واپس آجانے کی اطلاع دی ہے اور اہل تفسیر نے بھی اس رجوع الی اللہ سے موت ہی کے معنی سمجھے ہیں۔

(طبری ۱۱۔ص ۹۴ مصر)

اب ہم ایک ایسی آیت پیش کرتے ہیں جس میں موت کا پورا نقشہ ہے اور اس کے بعد بیان ہے کہ اس دن مرنے کے بعد ہی خدا کے ہاں ہنکار کر لائے جاؤ گے گویا جس طرح جانور ہنکار کر لائے جاتے ہیں ویسے ہی گنہگاروں کی روحیں موت کے بعد نکال کر لائی جاتی ہیں۔ فرمایا:

كَلَّا إِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ وَقِيلَ مَنْ رَاقٍ وَظَنَّ أَنَّهُ الْفِرَاقُ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمَسَاقُ۔ (قیامۃ ۱)

ہرگز نہیں جب روح انس (ہنسلی) تک آ پہنچے اور لوگ کہیں اب کون ہے

جاڑ پھونک کرکے بچانے والا اور سمجھا کہ اب جدائی کا وقت آگیا اور پنڈلی سے پنڈلی لپٹ گئی اس دن تیرے پروردگار کی طرف ہے ہانکا جانا۔

لیکن سعید اور نیکوکار رُوحوں کو موت کے وقت یہ محبت بھری صدائے غیب سُنائی دیتی ہے:

يَاأَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَرْضِيَّةً (فجر ۱)

اے مطمئن روح! تو اپنے مالک سے خوش اور تیرا مالک تجھ سے خوش اور تو اپنے مالک کے پاس واپس چلی جا۔

یہ کیسی دلآویز صدا اور کیسی دلکش واپسی ہوگی۔

**اُس وقت کا سماں:** وہ لمحہ جب اس رُوح کی مہلت کا زمانہ اور عمل کی فہرست ختم ہوتی ہے کتنا دردناک ہے اس وقت سے اس کی زندگی صرف اس کے گذشتہ اعمال کے قالب میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ ہر عمل کی صورت اس کو اپنے سامنے کھڑی ہوئی معلوم ہوتی ہے اور رعیت کی کارکن صورتیں چلتی پھرتی دکھائی اور بولتی جالتی سنائی دیتی ہیں

وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُو أَيْدِيهِمْ أَخْرِجُوا أَنفُسَكُمُ ۖ الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنتُمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنتُمْ عَنْ آيَاتِهِ تَسْتَكْبِرُونَ ۝ وَلَقَدْ جِئْتُمُونَا فُرَادَىٰ كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَتَرَكْتُم مَّا خَوَّلْنَاكُمْ وَرَاءَ ظُهُورِكُمْ ۔ (انعام ۱۱)

اور اگر تو کبھی دیکھے جس وقت گنہگار موت کی بیہوشی میں ہوں اور فرشتے ہاتھ کھولے ہاں کہ نکالو (اپنے جسموں کے اندر سے) اپنی روحوں کو آج تم کو اس بڑی ذلت کی سزا ملے گی کہ تم خدا کی شان میں جھوٹ باتیں کہتے تھے اور اس کے حکموں کے ماننے سے غرور کرتے تھے اور تم ایک ایک کرکے (تنہا) جیسے ہم نے پہلی بار تم کو پیدا کیا تھا ہمارے پاس آئے اور جو سامان و اسباب تم کو دیا تھا (جس نے تم کو مغرور بنایا تھا) اس کو اپنے پیچھے چھوڑ آئے۔

ان آیات سے ظاہر ہے کہ موت کے وقت کس طرح فرشتے سامنے آتے ہیں اور رُوح جسم سے جس وقت الگ ہوتی ہے اس کے گناہوں کی سزا کا دور شروع ہوجاتا

ہے۔ اور یہی بات ایک اور موقع پر مذکور ہے:

وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَلٰۤئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ

اور اگر تو کبھی دیکھے جب وقت فرشتے کافروں کی جان لیتے ہیں ان کے منہ پر اور پیچھے مارتے ہیں (اور کہتے ہیں) جلنے کے عذاب کا مزہ چکھو یہ تمہارے ہاتھوں کے پہلے کئے ہوئے کاموں کا بدلہ ہے اور اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔

اس سے واضح ہے کہ یہ سزا موت ہی کے عالم سے شروع ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ یہ سزا نعوذ باللہ کسی انتقام کے سبب سے نہیں دیتا بلکہ وہ درحقیقت قانونِ عمل کے مطابق خود انسان کے کاموں کا لازمی نتیجہ ہوتی ہے۔

نیکوکاروں کا نقشہ اس سے بالکل الگ ہے، ان کو ہر طرف سے بشارتیں سنائی دیتی ہیں اور ہر سمت خوشی اور شادمانی کا سماں سامنے ہوتا ہے۔

فَلَوْلَاۤ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ فَلَوْلَاۤ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ تَرْجِعُوْنَهَاۤ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ فَاَمَّاۤ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ وَاَمَّاۤ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ وَاَمَّاۤ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ (واقعہ ۳)

پھر کیوں نہیں جس وقت روح حلق تک پہنچ جاتی ہے اور تم اس وقت دیکھ رہے ہوتے ہو اور ہم اس سے تمہاری نسبت زیادہ تر نزدیک ہوتے ہیں لیکن تم کو دکھائی نہیں دیتا تو اگر تم کسی اور کے حکم کے نیچے نہیں ہو تو کیوں نہیں اس روح کو پھر پلٹا دیتے ہو اگر تم (اپنے انکار و تکذیب میں) سچے ہو؛ تو اگر وہ (مرنے والا) مقرب بندوں میں سے ہوا تو خوشی و آرام اور نعمت کی بہشت ہے اور اگر وہ (اس سے کچھ کم درجہ) دہنے والوں میں ہوا تو تجھ پر سلامتی دہنے والوں میں سے اور اگر وہ حق کو جھٹلانے والے گمراہوں میں سے ہوا تو گرم پانی کی مہمانی اور دوزخ میں بیٹھنا ہے، بے شبہ یہ بات یقین کے لائق ہے۔

یہ تمام سماں موت کے بعد اور عالم برزخ ہی کے مناظر ہیں۔

## ★ برزخ کا عذاب و راحت ★

اوپر کی آیتوں سے پوری طرح ہویدا ہے کہ روح و جسم کی مفارقت کے بعد اچھی روحوں کے سامنے رحمت کے اور بری روحوں کے روبرو عذاب کے منظر گزرتے ہیں۔ قرآن پاک میں کچھ اور آیتیں ہیں جن سے ثابت ہے کہ یہ منظر نہ صرف روح کے سامنے ہی سے گزرتے ہیں بلکہ کبھی کبھی وہ اپنے اعمال کے مدارج کے مطابق رحمت یا زحمت کے اندر بھی داخل کر دی جاتی ہے۔ منافقین کی نسبت قرآن میں ہے۔

سَنُعَذِّبُهُمْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّونَ إِلَىٰ عَذَابٍ عَظِيمٍ ۔ (توبہ ۱۳)

ہم ان کو دو دفعہ عذاب دیں گے پھر وہ ایک بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ عَذَابٍ عَظِيمٍ سے ظاہر ہے کہ دوزخ کا عذاب مراد ہے۔ اب اس عذاب دوزخ سے پہلے عذاب کے دو دور ان پر اور گذر چکے ہوں گے۔ ایک یہ دنیاوی عذاب ہے اور دوسرا موت کے بعد ہی کا ہو سکتا ہے۔ قرآن میں آل فرعون کے ذکر میں ہے:

وَحَاقَ بِآلِ فِرْعَوْنَ سُوءُ الْعَذَابِ ۔ النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ أَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ ۔ (مومن ۵)

اور فرعون والوں پر بری طرح کا عذاب الٹ پڑا۔ آگ کہ اس پر وہ صبح اور شام پیش کئے جاتے ہیں اور جس دن قیامت کی گھڑی کھڑی ہوگی (ندا ہوگی کہ) فرعون والوں کو (پہلے سے بھی) بڑھ کر عذاب میں ڈالو۔

اس سے ظاہر ہوا کہ گنہگاروں کو قیامت سے پہلے برزخ کے عالم میں بھی عذاب کا کچھ نہ کچھ مزہ چکھایا جاتا ہے۔ ایسا ہی نیکوکاروں کو بہشت کے عیش و آرام کا منظر دکھایا جاتا ہے۔ اسی آیت پاک کی تشریح میں گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم میں سے جب کوئی مرتا ہے تو اس پر صبح و شام اس کا اصلی مقام پیش کیا جاتا ہے،

اگر وہ اہل جنت میں سے ہوتا ہے تو جنت اور اہل دوزخ سے ہوتا ہے تو دوزخ پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ ہے تیرا مقام اس وقت تک کے لئے کہ جب تو قیامت کے دن اٹھایا جائے گا[1]، ایک اور صحیح حدیث میں ہے کہ جنتی مُردہ کے سامنے جنت و دوزخ دونوں کے منظر سامنے کر کے کہتے ہیں کہ اگر تو اچھے عمل نہ کرتا تو تیرا یہ مقام نہ ہوتا۔ مگر تیرے نیک عمل کے سبب سے اب یہ جنت تیرا مقام ہے[2]۔ اور اس دن تک کے لئے کہ لوگ اٹھائے جائیں اس پر سرسبزی بھر دی جاتی ہے[3]۔

مشرکوں اور قیامت کے منکروں کا سوال تھا کہ اگر یہ پیغام الٰہی سچ ہے تو ہم کو فرشتے یا خدا نظر کیوں نہیں آتے۔ جواب میں کہا گیا کہ فرشتے جس دن نظر آئیں گے، اس دن ایمان بالغیب کہاں؟ اور اوپر کی آیتوں سے معلوم ہو چکا ہے کہ فرشتے موت کے وقت نظر آتے ہیں یا پھر قیامت میں نظر آئیں گے۔ اس لئے ارشاد ہے:

يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ ِالْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا۔ (فرقان ۲)

جس دن وہ فرشتوں کو دیکھیں گے اس دن ان گنہگاروں کو کوئی خوشخبری نہیں اور کہیں گے (کہ یہ ڈراؤنا منظر جو ہم کو نظر آرہا ہے) اب اوٹ میں روکا جائے اور ہم (خدا فرماتا ہے) ان کے کئے ہوئے کاموں کے پاس پہنچے اور ان کو اڑتا غبار بنا دیا (یعنی بے کار و بے سود و معدوم) جنت والے لوگ (یعنی جن کو جنت ملنے والی ہے)، اس دن ان کے

---

[1] صحیح مسلم کتاب الجنۃ والنار باب عرض مقعد المیت جلد ۲ ص ۳۸۸ مصر و جامع ترمذی کتاب الجنائز باب عذاب القبر حدیث حسن صحیح ۔ و صحیح بخاری کتاب الجنائز باب عذاب القبر ص ۱۸۴ و مشکوٰۃ الموت ص ۹۶۴۔ [2] صحیح بخاری کتاب الجنائز ص ۱۸۴۔ [3] صحیح مسلم باب عرض مقعد المیت ص ۳۹۰ مصر۔

ہے خوب ٹھکانا اور دوپہر کے سونے کا مقام ہوگا۔ اور جس دن آسمان بادل سے پھٹ جائے گا اور فرشتے آہستہ آہستہ اتارے جائیں گے اس دن راج سچا خدا کا ہوگا اور وہ دن کافروں پر سخت ہوگا۔

کھلی بات ہے کہ آسمان بادل سے پھٹنا اور فرشتوں کا اترنا قیامت کا نقشہ ہے اب اس سے پہلے فرشتوں کے دکھائی دینے کا وہ دن جس میں گنہگاروں کے لئے کوئی خوشخبری نہیں اور وہ کہیں گے کہ کاش یہ ڈراؤنا منظر ہماری نگاہوں کے سامنے نہ ہوتا اور جنت کے مستحقین کو ایک اچھا مستقر (قرارگاہ) اور دوپہر کی دھوپ سے بچانے والی خوابگاہ مل ہوگی، قیامت سے پہلے اور موت کے بعد ہی کی کیفیت ہے۔

سورۂ محمد میں موت کے وقت کا حال بیان ہوتا ہے کہ جب فرشتے ان گنہگاروں کی روحوں کو قبض کرتے ہیں تو ان کے چہروں پر اور پیٹھوں پر ضرب لگاتے ہیں۔ فرمایا:

فَكَيْفَ إِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَآ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَكَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ (محمد ۳)

پھر کیا حال ہوگا جب فرشتے ان کو وفات دیں گے، اور ان کے چہروں اور ان کی پیٹھوں پر مارتے ہوئے یہ اس لئے کہ انہوں نے اس کی پیروی کی جس نے خدا کو ان سے ناخوش کر دیا اور جنہوں نے خدا کی خوشنودی کو پسند نہ کیا تو خدا نے ان کے کاموں کو بے نتیجہ کر دیا۔

یہ غیبی ضرب خواہ اسی مادی جسم پر پڑتی ہو یا اس کے مثالی جسم پر یا روح پر، جو بھی کہئے بہرحال اس سے یہ ثابت ہے کہ گنہگار مردہ پر موت کے وقت ہی سے عذاب کا ایک رنگ شروع ہوتا ہے۔

سورۂ انعام میں اس سے زیادہ ہے:

وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَیْدِیْهِمْ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ۔ (انعام ۱۱)

اور اگر تو دیکھے جب گنہگار موت کی سکرات میں ہوں اور فرشتے ہاتھ بڑھائے ہوں

کر نکالو (اپنے جسم کے اندر سے) اپنی روحوں کو۔ آج تمہیں ذلت کی سزا ملے گی۔
الیوم جس کے معنی آج کے ہیں، ظاہر ہے کہ اس سے وہی زمانہ مراد ہے جس وقت سے فرشتے روح نکالتے ہیں۔ اس آج سے مقصود ہمارا دنیاوی آج نہیں ہے جو چوبیں گھنٹے میں ختم ہو جاتا ہے بلکہ برزخ کا پورا زمانہ ہے۔ (دیکھو فتح القدیر شوکانی، وتفسیر ابوالسعود، وتفسیر روح المعانی آلوسی)

قوم نوح کے غرق ہونے کے بعد ہی دوزخ میں جانے کا ذکر ہے۔
أُغْرِقُوا فَأُدْخِلُوا نَارًا فَلَمْ يَجِدُوا لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْصَارًا (نوح ۲)
وہ ڈبو دیئے گئے پھر آگ میں داخل کئے گئے تو انہوں نے خدا کے سوا مددگار نہیں پائے۔

حضرت لوطؑ اور حضرت نوحؑ کی کافر بیویوں کی موت کے بعد ہی عذاب کا ذکر ہے
وَقِيلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدَّاخِلِينَ (تحریم ۲)
اور کہا گیا کہ داخل ہونے والوں کے ساتھ تم دونوں بھی آگ میں داخل ہو جاؤ۔
یہ قیامت سے پہلے اور دنیا کے عذاب ہلاکت کے بعد کے واقعات ہیں، اور اسی وقفہ کا نام برزخ ہے۔

سورۂ یٰس میں ایک خیرخواہ قوم کا ذکر ہے جو عمر بھر اپنی قوم کو حق کی تبلیغ کرتا رہا تھا۔ اور پھر وہ غالباً اسی حق کی راہ میں شہید ہوا۔ مرنے کے بعد جب اس کو بہشت ملی تو اس نے بڑی حسرت سے کہا کہ کاش میری قوم کو معلوم ہوتا کہ مرنے کے بعد خدا نے کس طرح مجھے معاف فرمایا اور عزت بخشی تاکہ وہ بھی ایمان سے میری طرح بہرہ ور ہو کر اس مغفرت اور عزت سے سرفراز ہوتی۔
قِيلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ قَالَ يَا لَيْتَ قَوْمِي يَعْلَمُونَ بِمَا غَفَرَ لِي رَبِّي وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُكْرَمِينَ وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَى قَوْمِهِ مِنْ بَعْدِهِ مِنْ جُنْدٍ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِينَ (یٰس ۲)
کہا گیا جنت میں داخل ہو۔ اس نے کہا کاش میری قوم کو معلوم ہوتا کہ میرے

پروردگار نے میری مغفرت کی اور مجھے عزت والوں میں سے بنایا اور ہم نے اس کے مرنے کے بعد اس کی قوم پر آسمان سے کوئی فوج نہیں اتاری اور نہ ہم اتارا کرتے ہیں۔

شہیدوں کی نسبت تو خاص طور پر ہے:

بَلْ اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ (آل عمران ۲)

بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس روزی پاتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ شہدا کو برزخ ہی میں کامل زندگی کے ساتھ جنت کی روزی ملتی ہے۔ اور عام نیکوکاروں کا یہ حال ہے کہ ان کو فرشتے اس وقت سلامتی اور جنت کی خوشخبری سناتے ہیں۔ فرمایا:

اَلَّذِیْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِکَةُ طَیِّبِیْنَ یَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَیْکُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (نحل ۴)

جن کو فرشتے (گناہوں سے) پاک وصاف حالت میں وفات دیتے ہیں کہتے ہیں کہ تم پر سلامتی ہو اپنے کاموں کے بدلے جنت میں چلے جاؤ۔

## ★ قبر کی اصطلاح ★

سطور بالا میں عالم برزخ کے وہ مناظر دکھائے گئے ہیں جو قرآن کی آیتوں میں نظر آتے ہیں اور احادیث صحیحہ میں اس عالم کے حالات کی جو تفصیلیں مذکور ہیں وہ عموماً قبر[1] کی اصلاح کے ساتھ بیان ہوئی ہیں۔ لیکن اس لفظ قبر سے مقصود درحقیقت خاک کا وہ تودہ نہیں جس کے نیچے کسی مردہ کی ہڈیاں پڑی رہتی ہیں بلکہ وہ عالم ہے جس میں

---

[1] بعض معتزلہ عذاب قبر کے قائل نہ تھے اور ان کی دلیل یہ تھی کہ قرآن میں اس کا ذکر نہیں، یہ غلط فہمی ان کو اس لئے پیش آئی کہ قرآن میں لفظ قبر و قبور کے ساتھ عذاب کا ذکر نہیں لیکن اگر وہ دیکھتے کہ قرآن میں بعد موت اور قبل قیامت ارواح انسانی کے عذاب و ثواب اور رحمت و لعنت کا ذکر موجود ہے تو ان کو اس انکار کی جرأت نہ ہوتی اور قرآن میں اس قسم کی متعدد آیتیں موجود ہیں۔

یہ مناظر پیش آتے ہیں ۔ اور وہ ارواح و نفوس کی دنیا ہے مادی عناصر کی نہیں ۔ اسی لئے قرآن پاک نے اس عالم کے تعلق سے ہمیشہ نفس اور نفوس کو خطاب کیا ہے اور ان ہی کے عذاب و ثواب اور رحمت و لعنت کا ذکر ہے اس عالم میں جو جسم نظر آتا ہے وہ مرنے والے کے اعمال کا مثالی پیکر ہوتا ہے، جو ہو بہو اس کے خاکی مطابق ہوتا ہے ۔ تم نیند میں ہو اور تمہارا نیم مردہ سا جسم بستر پر دراز ہے مگر تم خواب میں دیکھ رہے ہو کر بعینہٖ تمہارا جسم آگ میں جل رہا ہے یا باغ و بہار کی لذتوں میں مصروف ہے اور تم کو اس سے وہی راحت و تکلیف مل رہی ہے جو بیداری میں اپنے بستر پر پڑے ہوئے جسم کی تکلیف و راحت سے مل سکتی ہے اس خواب میں جس طرح تمہارے مادی جسم کے علاوہ تم کو ایک خیالی جسم نظر آتا ہے جو ہو بہو تمہارا مادی جسم ہے اسی طرح موت کے خواب میں بھی تم کو اپنا ایک مثالی جسم نظر آئے گا جو اکثر حالتوں میں ہو بہو تمہارے اس خاکی جسم کے مطابق ہوگا[1] اور تمہاری رُوح اسی جسم مثالی کے عذاب و راحت سے متاثر ہوگی کہ اعمال کی اصل ذمہ دار رُوح انسانی ہے جسم خاکی نہیں ۔ فرمایا :

كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ ۔ (مدثر ۲)

یعنی ہر روح اور جان اپنے اعمال کے ہاتھوں گرو ہوگی ۔ اس لئے اصل مکلف رُوح ہے جسم نہیں ۔ جسم بمنزلہ آلہ کے ہے ۔ دُنیا میں اس کا ایک خاکی جسم تھا برزخ میں اس کا ایک اور جسم ہوگا ۔ جو مادہ و مادیات سے پاک و بری ہوگا تاہم اس کو اپنے جسم خاکی سے ایک قسم کی نسبت حاصل ہوگی اور اتنی ہی نسبت کی بنا پر قبر کی اصطلاح عام بول چال میں جاری ہے کیونکہ ہم اپنی آنکھوں سے مسلمان مردوں کو اسی قبر میں جاتے دیکھتے ہیں ۔ قرآن پاک کی یہ آیت اوپر گذر چکی ہے ۔

---

[1] اس سے اس شبہ کا ازالہ ہوتا ہے کہ ہم کو مردہ کا جسم سامنے پڑا نظر آتا ہے لیکن اس پر عذاب کا کوئی نشان نظر نہیں آتا اور نیز اس شبہ کا بھی ازالہ ہوتا ہے کہ قبر میں جب جسم سڑ گل جاتا ہے تو پھر عذاب و ثواب کا احساس اس کو کیسے ہوتا ہے ۔

وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ يَتَوَفَّى الَّذِينَ كَفَرُوا الْمَلٰئِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ۔ (انفال ۷)

اور اگر تو دیکھے جب فرشتے کافروں کی رُوح قبض کرتے ہیں مارتے ہیں ان کے منہ اور پیٹھ پر اور (کہتے ہیں) چکھو جلنے کا مزہ۔

اس آیت سے جہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ گنہگاروں پر موت کے بعد ہی سے عذاب شروع ہو جاتا ہے وہاں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ مار ان کے منہ اور پیٹھ پر پڑتی ہے مگر یہ منہ اور پیٹھ وہ نہیں ہے جو بے جان لاشے کی صورت میں ہمارے سامنے ہے بلکہ اس آیت میں کافر کی روح کو جانور سے تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح جانور کو تیز ہنکاتے وقت کبھی آگے (منہ پر) اور کبھی پیچھے (پیٹھ پر) مارتے ہیں۔ اسی طرح گویا کافر روح کو فرشتے زبردستی مارتے ہوئے اور ہنکاتے ہوئے لے چلیں گے۔ اور کہیں گے کہ چلو عذاب کا مزہ چکھو۔ یہی مفہوم صاف لفظوں میں اس آیت میں ہے:

إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمَسَاقُ (قیامہ ۱)

اس دن تیرے پروردگار کی طرف ہے ہنکایا جانا۔

یعنی ایسی سعید روحیں بھی ہوتی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس برزخ میں جسم خاکی کی شکل و صورت کی قید سے آزاد کر کے کوئی دُوسرا مناسب مثالی جسم عطا کرتا ہے۔ جیسا کہ احادیث میں آیا کہ مومن کامل کی رُوح پرندوں کی شکل میں جنت میں اڑتی پھرتی ہے[1]۔ اور خصوصاً شہدا کے متعلق آیا ہے کہ وہ سبز پرندوں کی شکل میں ہوں گے اور عرشِ الٰہی کی قندیلیں ان کا آشیانہ ہوں گی اور اسی طرح دوزخ و جنت کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رُویائے صادقہ پہلے گذرا ہے اس میں جن جسمانی قالبوں میں گناہگاروں کی سزا و تکلیف کی صورتیں دکھائی گئی ہیں وہ تمام تر مثالی ہی ہیں ظاہر ہے کہ مومن سعید اور شہدا کے وہ مثالی قالب اور گنہگاروں کے یہ مثالی اجسام ان کے

---

[1] سنن ابن ماجہ کتاب الجنائز

وہ قالب اور جسم نہیں ہیں جو ان کی قبروں میں سڑ گل کر فنا ہو گئے یا وہ آگ میں جل کر خاک ہوئے اور ذرّے ہوا میں اڑ کر منتشر ہو گئے یا کسی جانور کے پیٹ میں جا کر اس کا جزو بن گئے۔

بعض احادیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان مٹی کی قبروں میں عذاب کے مشاہدات و مسموعات کا تذکرہ ہے تو ظاہر ہے کہ مادی زبان و منظر میں ان قوموں کے نزدیک جو گاڑتی ہیں اس میت کی یادگار اس دُنیا میں اس کے اس مٹی کے ڈھیر کے سوا اور کیا ہے جس کی طرف اشارہ کیا جا سکے۔ ایک صحیح حدیث میں اس نیک مرد کا ذکر ہے جس نے خدا کے خوف سے یہ وصیت کی تھی کہ مرنے کے بعد اس کا جسم جلا کر اس کی راکھ ہوا میں اڑا دی جائے تاکہ وہ خدا کے سامنے حاضر نہ کیا جا سکے مگر قدرت الٰہی نے اس کو مجسم کر کے کھڑا کر دیا اور اس کو اپنی رحمتوں سے نوازا[1]۔

## ★ سوال وجواب ★

احادیث صحیحہ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم نے فرمایا کہ مرنے کے بعد قبر میں دو فرشتے آتے ہیں اور وہ مُردوں سے توحید و رسالت کی نسبت سوال و جواب کرتے ہیں، اس کی تصدیق قرآن کی ان آیتوں سے بھی ہوتی ہے،

اَلَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔ (نحل ۴)

جن کو فرشتے (گناہوں سے) پاک و صاف حالت میں وفات دیتے ہیں، کہتے ہیں کہ تم پر سلامتی ہو اپنے کاموں کے بدلہ جنت میں چلے جاؤ۔

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا

[1] صحیح بخاری جلد دوم ص ۹۵۹ کتاب الرقاق باب الخوف من اللہ۔

فَأُولٰئِكَ مَأْوٰهُمْ جَهَنَّمُ ۔ (نساء ۱۴)

بیشک فرشتوں نے جن کی رُوحوں کو اس حالت میں قبض کیا کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کر رہے تھے وہ ان سے کہتے ہیں کس بات میں تھے : وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم ملک میں بے یار و مددگار تھے ، وہ فرشتے کہتے ہیں کیا اللہ کی زمین کشادہ نہ تھی کہ تم اپنا وطن چھوڑ کر باہر چلے جاتے۔

ایک اور آیت ہے :

حَتّٰى إِذَا جَاءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ قَالُوا أَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللهِ قَالُوا ضَلُّوا عَنَّا وَشَهِدُوا عَلٰى أَنْفُسِهِمْ أَنَّهُمْ كَانُوا كَافِرِينَ قَالَ ادْخُلُوا فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ فِي النَّارِ ۔ (اعراف ۴)

یہاں تک کہ جب ان جھٹلانے والوں کے پاس ہمارے فرشتے ان کی رُوحوں کو قبض کرنے آئیں گے اور کہیں گے کہاں ہے وہ جن کو تم خدا کے علاوہ پکارتے تھے (یعنی وقت وہ مشرک) کہیں گے کہ ہم سے وہ دیوتا ہم سے کنارہ کش ہو گئے اور انہوں نے اپنے اوپر آپ گواہی دی کہ وہ کافر تھے ، تب خدا فرمائے گا کہ تم بھی ان لوگوں میں جا ملو جو جن وانس میں سے تم سے پہلے آگ میں جا چکے ہیں۔

پہلی آیت میں عدمِ ہجرت کے گناہ کے مرتکب مسلمانوں کا اور دوسری میں کافروں کا حال بیان کیا ہے کہ ان سے ان کی موت کے بعد ہی یہ سوال کیا جائے گا۔ بہرحال یہ تو خاص خاص گناہوں کے مجرموں کا حال تھا۔ اب عام لوگوں سے جو سوال ہو سکتا ہے ، وہ وہی ہے جس کا ذکر احادیث میں ہے یعنی توحید و رسالت کی معرفت کا ان سے سوال ہوگا۔ قرآن پاک میں ایک جگہ کلمۂ طیبہ (اچھی بات یعنی کلمۂ توحید) اور کلمۂ خبیثہ (بری بات یعنی کلمۂ کفر) کی ایک ایک مثال ہے۔ کلمۂ طیبہ کی مثال اس درخت کی ہے جس کی جڑیں زمین میں مضبوط گڑی ہیں ، اسی کی شاخیں آسمانوں تک پھیلی ہیں اور اس میں سدا بہار پھل لگے ہیں اور کلمۂ خبیثہ کی مثال اس درخت کی ہے جس کی جڑ زمین سے اکھڑی پڑی ہے وہ اب گرا اور تب گرا ۔ اس کے بعد قرآن میں ہے :

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۔ (ابراہیم ۴)

اللہ ایمان والوں کو پکی بات پر اس دنیا میں مضبوط رکھے گا اور آخرت میں بھی اور اللہ ظالموں کو بچلاتا ہے۔

اس کی تفسیر صحیح حدیثوں میں یہ ہے کہ یہ برزخ کے اسی سوال و جواب سے متعلق ہے کہ صاحب ایمان اپنی زندگی میں جس طرح ایمان کی بات پر قائم تھا اسی طرح برزخ میں بھی اس پر قائم رہے گا۔ اور جو کافر و مشرک یہاں اس پر قائم نہ تھا وہاں وہ بھی قائم نہ رہے گا اور بہک جائے گا۔

ہر چند کہ رسول پاک کی صحیح تفسیر کے ہوتے ہوئے کسی اور استدلال کی حاجت نہیں تاہم تائیداً یہ عرض ہے کہ اس آیت میں اہل ایمان کے آخرت میں بھی قول ثابت پر ثابت قدم رہنے کی بشارت ہے۔ ظاہر ہے کہ اس آخرت سے قیامت اور بہشت و دوزخ کا دن تو مراد نہیں ہو سکتا کہ وہ تو کشف راز کا دن ہے اس دن تو کافر بھی اس قول ثابت سے پلٹنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ پھر یہ اہل ایمان کے لئے کوئی خاص بشارت نہ ہوگی اور نہ یہ اس اظہار احسان کا مناسب وقت ہو سکتا ہے البتہ اس بشارت اور احسان کا اعلان و اظہار آخرت کے اس حصہ میں موزوں ہو سکتا ہے جہاں ہنوز اسرار پس پردہ کی پوری نقاب کشائی نہیں ہوتی اور وہ برزخ کا عالم ہے۔

اس آیت پاک کی تفسیر سے جو احادیث صحیحہ پر مبنی ہے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ آخرت کی وسعت مفہوم میں برزخ کا میدان بھی داخل ہے۔

حقیقت میں اس عالم برزخ کا سوال و جواب کوئی نیا واقعہ نہ ہوگا بلکہ ہر روح کی پہلی زندگی کی ایمانی کیفیت اقرار و انکار کی مثال ہوگی۔ یا یوں کہو کر آج کے آئینہ میں کل کا عکس نمایاں ہوگا۔ یعنی اقرار و انکار کی جس کیفیت پر زندگی کا خاتمہ ہوا ہو گا اس کے بعد کو سوال و جواب میں نمایاں ہوگی۔

# برزخ میں ارواح کا مسکن

آخری سوال یہ ہے کہ موت اور قیامت کی اس بیچ کی منزل (برزخ) میں ارواح انسانی کا مسکن کہاں ہوگا؟ قرآن پاک میں اس کا جواب متعدد آیتوں میں ملتا ہے۔ سب سے پہلی آیت تو ان مذکورہ بالا آیات کے بعد ہے جس میں ذکر ہے کہ فرشتے جب منکرین سے سوال وجواب کر چکیں گے تو خدا ان کی روحوں کو حکم دے گا کہ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ عذاب کی آگ میں داخل ہو جائیں۔ اس کے بعد ہے:

إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّىٰ يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ۔ (اعراف ۵)

بیشک جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان کے ماننے سے غرور کیا اوران کے لئے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں گے تا آنکہ اونٹ سوئی کے ناکے میں گھس جائے (یعنی کبھی نہیں)۔

اس سے معلوم ہوا کہ آیات الٰہی کے منکروں اور جھٹلانے والوں کی روحیں مرنے کے بعد آسمانی بادشاہی کی حدود میں قدم نہ رکھ سکیں گی اور وہ فضائے زمین میں[1] آوارہ پھریں گی یا اپنے خاکی جسموں کے[2] کثافت جہاں وہ سپرد خاک ہوئے ہوں گے منڈلاتی رہیں گی اور وہیں سے دوزخ کا منظر دیکھیں گی اور تکلیف اٹھائیں گی۔

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي۔ (فجر ۱)

اے مطمئن روح! اپنے پروردگار کے پاس واپس چلی جا۔ تیرا پروردگار تجھ سے خوش اور تو اپنے پروردگار سے خوش۔ تو میرے بندوں میں شامل اور میری بہشت میں داخل ہو جا۔

ان سے بڑھ کر وہ پاک باز روحیں ہیں جنہوں نے اپنے خاکی جسموں، فانی زندگیوں، مادی خوشیوں اور زوال پذیر عشرتوں کو خدا کی راہ میں قربان کیا تو ان کو خدا کی طرف

[1] جیسے بعض نے کہا ہے۔ [2] جیسے بعض علماء نے کہا ہے کہ ارواح افنیہ قبور پر رہتی ہیں جیسے ابن عبدالبر نے کہا۔ ۱۲

سے ایک تمثالی جسم غیر فانی زندگی اور روحانی عیش و مسرت کی لا زوال دولت اسی وقت عنایت کر دی جاتی ہے۔ فرمایا:

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلٰكِنْ لَا تَشْعُرُونَ

جو خدا کی راہ میں مارے جائیں ان کو مردہ نہ کہو وہ زندہ ہیں لیکن تم شعور نہیں رکھتے۔

یہ پر مسرت زندگی کیسی ہوگی اس کی تفصیل دوسری سورت میں ہے۔

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةٍ مِنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ وَأَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُؤْمِنِينَ۔ (آل عمران ۱۷)

اور تو ان کو جو خدا کی راہ میں مارے گئے مردہ نہ گمان کر بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں ان کو روزی دی جاتی ہے۔ خدا نے اپنی مہربانی سے ان کو جو دیا ہے اس پر خوش ہیں اور ابھی ان کے پیچھے سے ان تک نہیں پہنچے ہیں، ان کی طرف سے بھی خوش ہیں، کہ ان کو نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے وہ اللہ کے مہر و کرم سے مسرور ہیں اللہ ایمان والوں کی مزدوری ضائع نہیں کرتا۔

یہ پر مسرت زندگی شہدا کرتے گی۔ اس زندگی کا مقام خدا کے پاس بتایا گیا ہے۔ احادیث صحیحہ میں ہے کہ ان زندہ شہیدوں کی روحیں قفس عنصری سے پرواز کر کے جب اڑتی ہیں تو وہ سبز پرندوں کی صورت میں جنت کی سیر کرتی ہیں اور عرش الٰہی کی قندیلیں ان کا نشیمن بنتی ہیں۔ اس کے بعد غالباً اتنا ہر ذی عقل تسلیم کرے گا کہ انبیاء علیہم السلام کے روحانی مدارج و مراتب شہدا سے بہرحال اعلیٰ اور برتر ہیں۔ اس لئے ان کا مقام بھی اسی احاطہ قدس کے اندر ہوگا۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سیر معراج اور اپنے رویائے صادقہ میں بعض پیغمبروں کو آسمان اور جنت کے مختلف مدارج میں دیکھا۔

بعض وہ سعید روحیں ہیں جو یہاں سے نکل کر فرشتوں کی صف میں داخل ہو جاتی ہیں جیسا کہ حضرت جعفر طیار کے متعلق احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ وہ شہادت کے بعد اپنی دونوں

بازوؤں سے فرشتوں کے ساتھ عالم ملکوت میں اڑ رہے تھے۔ عالم برزخ کے یہ دو اڑنے والے بازو درحقیقت ان کے دونوں جسمانی بازوؤں کی مثال ہیں جو اس جنگ میں ان کے جسم سے کٹ کر گر گئے تھے اور وہ اس پر بھی اسلام کے علم کو اپنے بقیہ کٹے ہوئے بازو اور گردن کے سہارے پکڑے ہوئے تھے۔ عجب نہیں کہ قرآن پاک کی یہ آیت ایسے ہی لوگوں کی شان میں ہو:

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰئِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ‎نَحْنُ أَوْلِيَاؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ (حٰم سجدہ ۳)

بیشک جن لوگوں نے اقرار کیا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے، پھر ثابت قدم رہے، ان پر فرشتے یہ خوشخبری لے کر اترتے ہیں کہ خوف نہ کھاؤ اور غمگین نہ ہو اور اس جنت کی بشارت سنو جس کا تم سے وعدہ کیا تھا ہم دنیا کی زندگی میں تمہارے رفیق ہیں اور آخرت میں بھی۔

یہ آوازۂ بشارت اور فرشتوں کی رفاقت اسی برزخ کا دلکش سماں ہو سکتا ہے۔

(سیرت النبیؐ جلد ۴ صفحہ ۶۵۸ تا ۶۴۴)
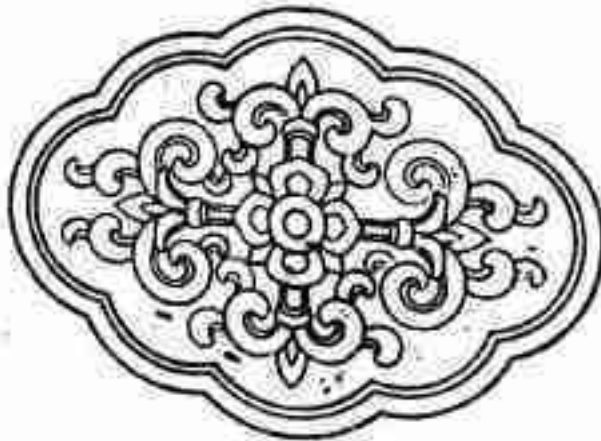
# دیگر علماء کرام کی تصریحات

گذشتہ عبارات علی سبیل التفصیل حضرت حکیم الامت مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ سابق مدرس دارالعلوم دیوبند حضرت شیخ التفسیر والحدیث مولانا عبدالحق حقانیؒ صاحب تفسیر حقانی، حضرت مولانا نجم الغنی رئیس رامپور خلف باشرف مولوی عبدالغنی خانؒ بن مولوی عبدالعلیؒ خان بن مولوی عبدالرحمٰنؒ خان بن مولانا حاجی محمد سعیدؒ محدث، شاگرد حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ حضرت مولانا علامہ سید سلیمان ندویؒ تلمیذ خطیب سیرۃ رئیس التحریر حضرت علامہ شبلی نعمانیؒ کی پیش کی ہیں اب طوالت کے خوف سے مندرجہ ذیل علماء کرام کی عبارات کو مختصراً پیش کیا جاتا ہے جن کے اسمائے یہ ہیں:

حضرت مولانا شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ، وکیل احناف حضرت ملا علی القاریؒ حضرت نواب قطب الدینؒ تلمیذ ارشد حضرت مولانا شاہ محمد اسحٰقؒ محدث دہلویؒ مہاجر مکی صاحب مظاہر الحق، شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ، حضرت مولانا علامہ محمد منظور نعمانی مدظلہ العالی مدیر الفرقان لکھنؤ، امام اہل سنت حضرت امام طحاوی رحمہ اللہ، مولانا مولوی محمد احسن سنبھلیؒ، حضرت مولانا عبدالماجدؒ دریابادی۔ حضرت فقیہ النفس محقق اعظم مدقق فی العرب والعجم مفتی عالم حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی رحمہ اللہ۔ قائد تحریک آزادی اسیر مالٹا شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ۔ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ۔ حضرت مولانا محمد ابراہیم دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا محمد طاہر قاسمی نبیرہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

★ حضرت مولانا شیخ عبدالحق محقق و محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اشعۃ اللمعات کے صفحہ ۶۲ جلد اول اور صفحہ ۱۱۳ جلد اول میں فرمایا ہے:

"مراد بہ قبر" عالم برزخ است کہ واسطہ است میان دنیا و آخرت و تعلق وارد بہر دو مقام۔ نگوئے کہ مردہ را در و گور کنند۔ چہ بسا مردگان کہ در آب غرق شوند و در آتش سوختہ کردند و در شکم جانوران بہ تحلیل روند۔"

یعنی قبر سے مراد عالم برزخ ہے جو دنیا اور آخرت کے درمیان ایک واسطہ ہے اور اس کا تعلق ان دونوں مقاموں سے ہے۔ اور قبر سے یہ گڑھا مراد نہیں جس میں مردہ کو گاڑتے ہیں کیونکہ کئی مردے ایسے بھی ہوتے ہیں جو پانی میں غرق ہو جاتے ہیں اور کئی آگ میں جلائے جاتے ہیں اور کئی جانوروں کے پیٹ میں تحلیل ہو جاتے ہیں (ان کی قبر نہیں کھودی جاتی جس میں مرے ہوئے کو گاڑیں)۔

پھر اسی طرح آپ نے اپنی عقائد کی کتاب تکمیل الایمان صفحہ ۱۵ میں لکھا ہے کہ:

"یکے از اعتقادات اہل سنت و جماعت عذاب قبر است و مراد بہ قبر عالم برزخ است کہ واسطہ است میان دار دنیا و دار آخرت۔"

یعنی اہل سنت و جماعت کے اعتقادات میں سے ایک عقیدہ عذاب قبر کا ہے اور یہاں قبر سے مراد برزخ کا جہان ہے جو دنیا کے جہان اور آخرت کے جہان کے درمیان واسطہ ہے۔

★ حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقاۃ صفحہ ۱۹۷ میں فرمایا ہے:

کل موضع فیہ مقرہ فھو قبرہ۔ یعنی ہر ایسی جگہ جس میں میت قرار پکڑتا ہے (علیین یا سجین) وہی اس کی قبر ہے۔

★ نواب قطب الدین تلمیذ رشید حضرت مولانا شاہ محمد اسحٰق صاحب محدث دہلوی مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے مظاہر حق شرح مشکوٰۃ شریف صفحہ نمبر ۶۳ میں لکھا ہے: "مراد قبر سے عالم برزخ ہے۔"

★ شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف کتاب الجواہر والیواقیت صفحہ نمبر ۱۷۶ جلد ۲ میں لکھا ہے کہ:

ان اللہ تعالیٰ اذا قبض الارواح من الاجسام الطبعیۃ اودعہا صورا جسدیۃ فی حضرۃ البرزخ الذی ھو صور اسرافیل - یعنی ان طبعی اجسام میں سے جب اللہ تعالیٰ ارواح کو کھینچ نکالتا ہے تو اسرافیل کے صور میں (جو برزخ میں گڑھا ہے) جسدی صورتوں میں ان کو ودیعت فرماتے ہیں۔

★ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب عقیدہ طحاویہ کی شرح صفحہ ۳۲۰، ۳۲۱ میں لکھتے ہیں:

واعلم ان عذاب القبر ھو عذاب البرزخ فکل من مات وھو مستحق للعذاب نالہ نصیبہ منہ قُبر او لم یقبر اکلتہ السباع او احترق حتیٰ صار رماداً او نسف فی الھواء او صلب او غرق فی البحر ..... فالحاصل ان الدور ثلث دار الدنیا ودار البرزخ ودار القرار وقد جعل اللہ لکل دار احکاماً تخصھا - یعنی یہ یقین کر دکہ عذاب قبر عذاب برزخ ہی ہے سو جو بھی عذاب کا اہل مر جائے اسے اس عذاب میں سے اس کا حصہ ملتا ہے خواہ گڑھے میں اسے گاڑا جائے یا نہ گاڑا جائے، خواہ اس کو درندے کھا جائیں یا جل کر راکھ ہو جائے یا اسے ہوا میں اڑا دیا جائے یا اسے سولی چڑھا دیا جائے یا سمندر میں غرق ہو جائے ..... تو حاصل یہ ہے کہ گھر تین ہیں، ایک دنیا، دوسرا برزخ، تیسرا سدا رہنے کی جگہ یعنی جنت یا دوزخ اور اللہ تعالیٰ نے ہر گھر کے علیحدہ علیحدہ مخصوص مخصوص احکام مقرر فرمائے ہیں۔

★ مولانا محمد احسن سنبھلی رحمۃ اللہ علیہ شرح عقائد نسفیہ کے حاشیہ نظم الفرائد صفحہ ۷۱ میں لکھتے ہیں:

والمراد بالقبر لیس ما یحفر ویدفن فیہ المیت بل المراد بہ عالم البرزخ مما بعد الموت الی یوم النشور - یعنی جس قبر میں عذاب

و ثواب ہونے کا ہمارا عقیدہ ہے اس قبر سے مراد وہ قبر نہیں جس کو کھود کر اس میں مردہ کو دفن کیا جاتا ہے بلکہ اس سے مراد عالم برزخ ہے جو مرنے کے بعد سے قیامت تک ہے۔

★ مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "مالابد منہ" کے صفحہ ۱۲ کے حاشیہ پر ہے کہ "مراد از قبر عالم برزخ است"۔

★ حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر ماجدی کے صفحہ ۱۱۴۹ جلد ۷ میں تحریر فرمایا ہے کہ:

آگ میں جل کر، پانی میں غرق ہو کر، درندوں کی غذا بن کر، ہر حال میں ہر صورت سے انسان جاتا عالم قبر ہی میں ہے؛

نیز صفحہ ۵۵۴ جلد ۳ میں فرماتے ہیں کہ:

خود برزخ جس عالم کا نام ہے وہ آخرت کی ہلکی "منامی" رویائی شکل ہے۔

★ مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب جواہر الایمان ؒ میں لکھا ہے کہ:

"قبر سے مراد زمین کا گڑھا ہی نہیں بلکہ موت کے بعد آخرت سے پہلے کا زمانہ مراد ہے"۔

★ شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ نے وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَأَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْا کے تحت لکھا کہ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ برزخ (قبر) میں ٹھہرنے کی مدت کو ایک گھڑی کے برابر سمجھیں گے۔

لمعات التنقیح صفحہ ۱۸۹ جلد ۱ میں لکھا ہے کہ:

المراد بالقبر ھھنا عالم برزخ وھو عالم بین الدنیا والآخرۃ۔ "یعنی اس جگہ عالم قبر سے مراد عالم برزخ ہے جو دنیا اور آخرت کے مابین ایک جہان ہے"۔

★ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ نے معارف الحدیث صفحہ ۳۳ جلد ۲ میں لکھا ہے کہ:

"قبر سے مراد عالم برزخ کا ٹھکانا ہے"۔

نیز معارف الحدیث صفحہ ۱۸۷ جلد ۱ میں فرماتے ہیں:

انبیاء علیہم السلام نے ما بعد الموت یعنی عالمِ برزخ (عالمِ قبر) اور عالمِ آخرت کے متعلق جو کچھ بتلایا ہے اس میں کوئی بات بھی ایسی نہیں جو عقلاً ناممکن اور محال ہو۔

★ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ سابق مفتی دارالعلوم دیوبند معارف القرآن صفحہ ۷۶۷، جلد ۶ میں فرمایا ہے کہ:

یہ بھی احتمال ہے کہ اس قیام سے مراد عالمِ قبر اور برزخ کا قیام ہو اور مطلب یہ ہو کہ ہم تو سمجھتے تھے کہ قبر یعنی عالمِ برزخ میں قیام بہت طویل ہوگا اور قیامت بہت زمانہ کے بعد آئے گی مگر معاملہ برعکس ہوگیا کہ ہم برزخ میں تھوڑی ہی دیر ٹھہرنے پائے تھے کہ قیامت آگئی۔

نیز جلد نمبر ۸ صفحہ ۶۷۵ میں "قبر میں ثواب و عذاب" کے عنوان کے تحت تحریر فرماتے ہیں کہ:

موت کے وقت فرشتوں کا آنا اور انسان کی رُوح قبض کرکے آسمان کی طرف لے جانا، پھر اس کے اچھے یا بُرے ٹھکانے پر جلدی سے پہنچا دینا اور وہاں ثواب یا عذاب، تکلیف یا راحت کے انتظامات کر دینا ان آیات مذکورہ سے ثابت ہوگیا۔ یہ عذاب و ثواب قبر یعنی برزخ میں ہوگا، حشر کا عذاب و ثواب اس کے بعد ہے احادیثِ صحیحہ میں اس کی بڑی تفصیلات مذکور ہیں۔

★ حضرت مولانا محمد ابراہیم دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب کشف المغالطات کے صفحہ ۱۵۹ میں رقمطراز ہیں کہ:

قبر اس گڑھے کا نام نہیں جہاں جسدِ خاکی مدفون کرکے خاک میں ڈالتے ہیں جہاں تک زندہ لوگوں کے ہاتھ پہنچ سکتے ہیں اس گڑھے کو برائے نام یا بطور مجاز قبر کہتے ہیں، حقیقی قبر یہ نہیں۔ حقیقی قبر عالمِ برزخ ہے۔

★ حضرت مولانا محمد طاہر قاسمی نبیرہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا العلام محمد قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند رحمۃ اللہ علیہ۔ اپنی کتاب عقائد الاسلام قاسمی کے صفحہ ۳۶ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

رُوح انسانی اگر دنیا سے پاک ہو کر جسم سے نکلتی ہے تو عالمِ قدس اس کا ٹھکانا ہوجاتا ہے جسے علیین کہتے ہیں اور اگر ناپاک ہو کر دنیا سے رخصت ہوتی ہے تو عالمِ ظلمت اس کا ٹھکانا ہوتا ہے جسے سجین کہتے ہیں۔

نیز صفحہ ۹۸ و ۹۹ پر رقمطراز ہیں کہ:

جو رُوحیں پاک اور مومن ہوتی ہیں ان کو حشر تک علیین میں رکھا جاتا ہے اور جو رُوحیں ظلماتِ کفر میں لپٹی رہتی ہیں ان کو سجین میں جگہ دی جاتی ہے۔ گویا یوں سمجھئے کہ یہ ہر دو مقامات ارواحِ بشریہ کے لئے بمنزلہ دو مسافرخانوں کے ہیں جہاں قیامت تک نیک و بد روحیں ثواب و عقاب آخرت سے آشنا کرائی جاتی ہیں۔
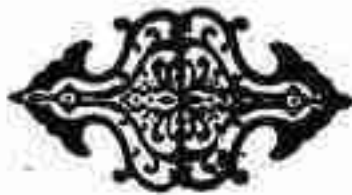
# علمأ بریلویہ کی تصریحات

ناظرین منیبین نے اس وقت تک تو اکابر علمأ اہل السنت والجماعت کے عقائد بابت قبر شرعی حقیقی کے حوالہ جات ملاحظہ فرمائے ہیں اور اب مزید گنجائش اس بات کی نہیں تھی کہ بریلوی مکتب فکر کے علمأ کا عقیدہ بھی لکھا جاتا مگر پھر بھی مناسب یہی ہے کہ چند حوالہ جات بطور نمونہ "مشتے نمونہ از خروارے" لگے ہاتھوں اس فرقہ سے بھی درج کر دیئے جائیں۔ چونکہ اصل سبب اس تمام بحث کا یہی فرقہ تھا مگر بعد میں کچھ ناسمجھ لوگوں نے اس بات کا انکار کر دیا کہ عالم برزخ بھی کوئی مقام ہے انہوں نے ظاہر بینی سے کام لیتے ہوئے اس عرفی قبر گڑھے ہی میں عذاب و ثواب کا عقیدہ محض اس لئے اختیار کیا کہ ہم آسانی کے ساتھ اس طرح ان مُردوں سے کلام کر سکیں یا اتنا نہیں تو کم از کم ان کو اپنا حال تو سنا سکیں اور پھر ان سے اپنے لئے کچھ خیر طلب کر سکیں یا طلب خیر کے لئے ان کو سفارشی بنا سکیں۔ غرض کتنی ہی قباحتیں اس میں مضمر ہیں ان پر بحث شروع کر دی تو کلام طویل ہو جائے گا جس کے لئے دفتر کے دفتر کھولنے ہوں گے۔ میں اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ منیب کے لئے اشارہ کافی ہے۔

اب کچھ حوالہ جات علمأ بریلویہ کے ملاحظہ فرمائیں اور دیانت داری سے فیصلہ خود فرمالیں۔ فافہم وتدبر۔

★ مولانا احمد رضا خاں بریلوی بانی فرقہ بریلویہ کی کتاب ملفوظات حصہ چہارم کے صفحہ ۲۵ و ۲۶ پر ایک سوال و جواب درج ہے:

**عرض**: برزخ کی تعریف تو یہ ہے کہ وہ شے جو متوسط ہو درمیان دو شے کے جسے دونوں سے علاقہ ہو سکے۔ جب صرف برزخ کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس

کا مفہوم قبر ہوتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ برزخ سے مُراد قبر ہے یا وہ زمانہ جو بعد مرنے سے قیامت یا حشر تک ہے۔

ارشاد: نہ قبر نہ وہ زمانہ بلکہ وہ مقامات جن میں ارواح بعد موت حشر تک حسب مراتب رہتی ہیں۔

پھر اسی صفحہ ۲۶ پر ایک اور سوال وجواب بھی درج ہے:

عرض: درجات برزخ علیین اور سجین اور ان کے سوا جو ہوں ارشاد ہوں۔

ارشاد: علیین اور سجین برزخ ہی کے مقامات ہیں اور ہر ایک میں حسب مراتب تفاوت بے شمار۔

★ مفتی احمد یار خان بدایونی گجراتی اسرار الاحکام بہ انوار القرآن میں لکھتے ہیں:
قبر سے مراد صرف یہ غار نہیں ہے جس میں مردہ دفن ہوتا ہے بلکہ اس سے عالم برزخ مراد ہے۔ مردہ کا جسم کہیں ہو مگر روح تو محفوظ ہے۔ اسی رُوح کو جسم کے اصل ذرات سے متعلق کر کے اس سے سوال وجواب ہو جاتے ہیں۔ اگر کوئی دفن ہی نہ کیا گیا ہو یوں ہی میدان میں پھینک دیا گیا۔

★ مولوی رحیم بخش مؤلف کتب الاسلام نے اسلام کی گیارھویں کتاب کے صفحہ ۲۱۰ پر لکھا ہے کہ:

عالم برزخ یعنی عالم قبر کی حقیقت اس عالم دنیا کی حقیقت کے علاوہ ہے۔

اور اسی کے صفحہ ۲۱۳ پر تحریر فرماتے ہیں:

عالم قبر جدا عالم ہے اور دنیا کے عالم سے جدا اور مبائن ہے اور اس کے لوازم جُدا ہیں اور اس کے جدا ہیں اس لئے اُس عالم کا اِس عالم دُنیا پر پُورا اور بعینہٖ قیاس نہیں ہو سکتا۔

# الحاصل

ان تمام حوالجات سے یہ امر متیقن ہوگیا کہ قبر کی طرف جب عذاب و ثواب کی نسبت کی جائے تو اس سے مراد عالم برزخ ہوگا، یہ گڑھا جسے کسیوں وغیرہ سے کھود کر اس میں میت کو دفن کرتے ہیں مراد نہیں ہوتا۔

اب یہ اعتراض نہیں کیا جاسکتا کہ قرآن شریف میں ہر جگہ قبر بول کر یہی گڑھا مراد لیا گیا ہے۔

اول تو دعویٰ ہی غلط ہے کیونکہ کئی مقامات پر قبر کا لفظ قرآن پاک میں ہے مگر وہاں گڑھا مراد نہیں لیا گیا۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ان اللہ یبعث من فی القبور، اور واذا القبور بعثرت یعنی جتنے بھی قبروں میں پڑے ہیں ان سب کو اللہ تعالیٰ دوبارہ زندہ کر اٹھائے گا۔

ظاہر ہے کہ اگر قبر سے مراد یہی گڑھا ہو تو جن مُردوں کو اس گڑھے میں دفن نہیں کیا گیا بلکہ ان کو آگ میں جلا کر خاکستر کر دیا اور ہوا میں اڑا دیا گیا یا اس کو جانور، درندے، یا مچھلیاں کھا گئی ہیں یا پانی میں ڈوب گئے ہیں تو ان کا بعث اور حشر نہ ہو حالانکہ یہ صریح غلط ہے۔ معلوم ہوا کہ یہاں قبر سے گڑھا مراد نہیں لیا گیا بلکہ مطلب یہ ہوگا کہ مردوں کو اللہ تعالیٰ دوبارہ زندہ کرے گا خواہ قبر میں دفن ہو یا نہ ہو کیونکہ هو بکل خلق علیم اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق کے ہر جزء کا علم تفصیلی ہے کہ کہاں کہاں ہے۔

دوسرے یہ کہ جہاں جہاں قرآن پاک میں قبر سے گڑھا مراد لیا گیا ہے وہاں وہاں عذاب و ثواب قبر کا ذکر نہیں ہے بلکہ وہاں دوسرے امور ذکر ہیں۔ مثلاً لا تقم علی قبرہ اور ظاہر ہے کہ کھڑا ہونا اسی عرفی قبر پر مامور اور منہی عنہ ہے، نہ عالم برزخ میں اسی طرح ثم اماتہ فاقبرہ یہاں اگر یہ معنی ہوں امر الناس بجعل المیت فی القبر یعنی لوگوں کو حکم دیا کہ میت کو قبر میں رکھیں (تفسیر مظہری ص۱۰ج۲۰) تو پھر بھی قبر عرفی

مراد ہوگی کیونکہ دنیا پر زندہ رہنے والوں کو بھی حکم دیا گیا ہے کہ میت کا اعزاز و احترام کرتے ہوئے اس کے لئے قبر کھود کر قبلہ رُخ کر کے رکھو! ایسا نہ ہو کہ درندوں پرندوں کی خوراک بنے کہ اس میں انسان کی تذلیل ہے۔ اور اگر اس کے معنی ہوں کہ جعلہ ذا قبر یا جعل لہ قبر تو اس سے قبر عرفی مراد نہ ہوگی۔ بلکہ مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو قبر والا بنا دیا، یا اللہ تعالیٰ نے اس کی قبر بنائی اور اللہ تعالیٰ کا میت کی قبر بنانے کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا مقر (قرارگاہ) بنایا کہ جہاں قیامت (یوم نشور) تک قرار پکڑے رہے گا۔ تو اس وقت عرفی قبر مراد نہ ہوگی۔ بلکہ وہ قرارگاہ مراد ہوگی جہاں قیامت تک روحیں رہیں گی۔ علیین ہو یا سجین۔ علی اختلاف العقائد والاعمال۔ اور وہیں جزا و سزا ہوتی رہے گی۔ جیسے اُوپر کے حوالجات سے معلوم ہوگیا۔

رہا یہ کہنا کہ اکثر استعمال قبر عُرفی میں آیا ہے تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ جب عذاب و ثواب کی نسبت قبر کی طرف ہو تو اس وقت کبھی گڑھا مراد نہیں ہوتا ومن ادعیٰ فعلیہ البیان[1]

نیز ایسا ہی مرزائی کہہ سکتے ہیں کہ اِنِّی مُتَوَفِّیکَ سے موت مُراد ہے، کیونکہ اکثر متوفی کا اطلاق موت پر آتا ہے تو یہ علماء زمانہ اس کا کیا جواب دیں گے؟ پس جو جواب وہ یہاں دیں گے وہی جواب ہماری طرف سے یہاں بھی سمجھ لیں اور اس کے ساتھ ہی ساتھ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری شیخ الحدیث و صدر مدرس دارالعلوم دیوبند قدس اللہ سرہ العزیز کی عقیدۃ الاسلام فی حیوۃ عیسٰی علیہ السلام والی عبارت سوچ سمجھ کے پڑھ لیں اور اللہ کا تقویٰ دل میں رکھیں اور اپنی زبان کو طعن سے روکیں۔

---

[1] احکام القرآن جصاص

# ظاہر بین حضرات کا ایک مشہور اعتراض

★★★

آجکل کے بعض ظاہر بین حضرات یہ اعتراض کر رہے ہیں کہ انسان نیک و بداعمال اس عنصری جسم سے کرتا ہے، اور قبر (عالم برزخ) میں سزا بھی تو اسی جسم عنصری کو ہی ملنی چاہئے، ایسا کیوں ہوتا ہے کہ نیک و بد کام کرے تو یہ جسم عنصری اور سزا ملنے کی باری آئی تو جسم مثالی کو ملے، کرے کوئی بھرے کوئی طویلے کی بلا بندر کے سر؟

سو اس کا جواب بھی ہم خود اپنی طرف سے دینا نہیں چاہتے اس لئے کہ

## حجۃ الاسلام محقق اعظم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی

رحمۃ اللہ علیہ

بانی دار العلوم دیوبند

اپنی محققانہ تصنیف

میں اسکا جواب پہلے ہی دے چکے ہیں جسے ہم آئندہ صفحات میں درج کرتے ہیں، اگر اس کے بعد بھی کوئی تعصب کا مارا نہ سمجھے تو ہم اس کے لئے یہی دعا کریں گے کہ اللہ کریم اس کے دل سے تعصب کی اس مرض کو دور فرمائے اور حق کو سمجھنے اور اپنے اکابر اساتذہ الاساتذہ کے بتلائے ہوئے راستہ کو اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین ثم آمین

# ★ اہلِ حقیقت کے نزدیک ★

حرکات سکنات ارادیہ میں جسم اپنے آپ متحرک اور ساکن نہیں بلکہ رُوح در پردہ کار پرداز حرکات وسکون ہے اور اس وجہ سے جسم فقط محل قیام حرکت ہے فاعل نہیں، فاعل حقیقی وہی رُوح ہے۔ چنانچہ ضرب وسبّ وشتم وغیرہ امور جو اعضائے مخصوصہ سے صادر ہوتے ہیں رُوح کے افعال سمجھے جاتے ہیں، جسم کے افعال نہیں سمجھے جاتے، ورنہ انعام اور پاداش میں اعضأ جو مصدر افعال تھے محل اکرام و انعام ومورد عتاب وعقاب ہوا کرتے۔ حالانکہ سبّ وشتم کے عوض میں جو افعال لسانی ہیں بسا اوقات سر پھوڑا جاتا ہے اور دست وپا توڑے جاتے ہیں۔ اور زنا کی سزا میں جو بظاہر فعل عضو مخصوص ہے تازیانوں کی مار کمر پہ پڑتی ہے یا پتھروں کی بوچھاڑ سارے بدن پر برستی ہے۔ علیٰ ھٰذا القیاس مدح وثنا یا خدمت دست وپا کی جزا میں تاج پہنایا جاتا ہے، طعام لذیذ کھلایا جاتا ہے۔ اگر فاعل حرکات جسم ہی ہوتا ہے تو یہ ظلم صریح کہ کرے کوئی بھرے کوئی۔ جان کوئی گنوائے اور مزے کوئی اڑائے کسی کے نزدیک روا نہ ہوتا۔ حالانکہ اس قسم کی جزا وسزا کے جواز میں متبعان عقل ونقل میں سے کسی کو تامل نہیں۔ ہاں فاعل حرکات رُوح کو کہئے تو اس اختلاف محل طاعت وجرم اور مورد جزا وسزا کی وجہ ظاہر ہے۔ کیونکہ روح کو تمام بدن اور جملہ اعضاء بدن سے ربط وتعلق ہے اور ہر جزء بدن رُوح کے حق میں مصدر افعال ومنبع آثار اور واسطہ ایصال رنج وراحت اور سبیل حصول آرام وتکلیف ہے، چنانچہ خود جسم کو کاروبار سے کچھ تعلق نہیں آرام وتکلیف سے کچھ مطلب نہیں زرِ منافع حرکات وسکنات بوسیلہ جسم جیب خاص رُوح سے باہر آتا ہے اور رنج وراحت سارے کا سارا

خزانہ رُوح میں جاتا ہے، بدن کو فقط چوبدار یا تحصیلدار سمجھئے اس سبب سے جس عضو کے وسیلہ سے کوئی فعل صادر ہوگا وہ رُوح ہی کا فعل ہوگا اور جو انعام و انتقام کسی عضو پہ وارد ہوگا وہ رُوح پردہ نشین ہی پر وارد ہوگا۔ اس صورت میں اگر مصدر طاعت و گناہ کوئی اور عضو ہے تو کچھ مضائقہ نہیں، جو مطیع ہے وہی منعم و مرحوم و محمود ہے اور جو عاصی ہے وہی مذموم و معتوب و مطرود ہے مصدر افعال بھی وہی رُوح تھی اگرچہ کوئی عضو بدن اس کا مظہر ہو اور مورد انعام و انتقام بھی وہی رُوح ہے اگرچہ کوئی جزء بدن اس کا مسلک ہو۔ الغرض حقیقت شناسان معانی سنج کے نزدیک فاعل حقیقت میں رُوح ہے نہ بدن۔ اور منبع حرکات و سکنات ارادیہ جان ہے، نہ تن۔ جسم و تن فقط محلِ قیام حرکات و سکنات اور ایک طرح کا ظرف تحقق ارادیات ہے۔ گو ظاہر بینوں کو فاعل نظر آئے۔
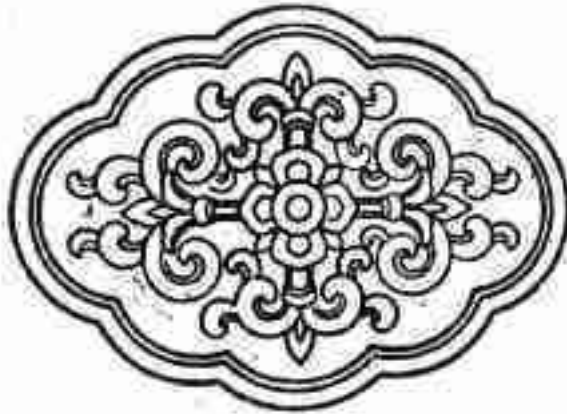
ناظرین کرام سے

# آخری گذارش

آپ نے رسالہ ہذا اول تا آخر دیکھ لیا۔ اور محققین و مدققین علما حق اہل سنت والجماعت اور بریلوی مکتب فکر کے مشہور علما کی عبارات علیٰ سبیل التفصیل پڑھ لیں۔ خصوصاً اکابر علمائے دیوبند اور ان کے اساتذہ کے زریں اقوال۔

اب آپ علیحدگی میں بیٹھ کر دلجمعی کے ساتھ جب کہ کسی قسم کے خیالات، تصورات اور خانگی حالات کا بوجھ آپ کے سر پر نہ ہو، سوچیں اور موجودہ علمار زمانہ کی کورانہ تقلید کو بالائے طاق رکھ کر تفکر اور تامل کریں پھر آپ خود ہی فیصلہ فرمائیں کہ حق بات کس کی ہے، اور غلط کس کی ہے اور ہم نے ایسا نہیں کیا کہ ٹکڑیاں ٹکڑیاں عبارتوں کی کاٹ کر آپ کے سامنے رکھیں بلکہ طوالت کا خیال نہ کرتے ہوئے ہم نے من وعن اکابر کی عبارات نقل کر دی ہیں تاکہ احقاق حق ہو جائے اور کسی کو یہ کہنے کی گنجائش نہ ہو کہ

کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا

بھان متی نے کنبہ جوڑا

اور اس کے بعد آپ بتائیں کہ قبر کے عذاب و ثواب کا منکر کون ہے، کیوں کہ اگر گڑھے کا نام قبر ہو تو ہندو سکھ جو مُردوں کو جلا دیتے ہیں اور انکو گڑھوں میں دفن نہیں کرتے تو ان کے عذاب قبر کا انکار لازم آئیگا اسی طرح فرعون جس کی مورتی اب تک صحیح سلامت ہے اس کے عذاب قبر کا بھی انکار کرنا ہوگا حالانکہ قرآن میں اس کی تصریح ہے اور اس کا انکار کفر ہے، اسی طرح تمام فرعونیوں کے عذاب کا انکار لازم آئیگا جن کا ذکر بھی صراحتہً قرآن میں ہے۔ نیز قوم نوح جو پانی میں غرق ہو چکی تھی

کا بھی انکار کرنا ہوگا حالانکہ ان کے عذاب اوران کی کسی نے قبر نہیں بنائی ان کے عذاب موجود ہے اور اس مرتد کو بھی عذاب کی تصریح بھی بالفاظ اغرقوا فادخلوا نارا
قبر سے مُبرّا کہنا پڑے گا جس کے متعلق نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جب یہ مرجائے گا تو زمین اس کو قبول نہ کرے گی پھر واقعی جب وہ مرگیا اور اسے سات بار دفن کیا مگر ہر بار وہ زمین سے باہر پڑا ہوا ہوتا تھا، یعنی اس گڑھے میں جس میں اسے دفن کیا گیا تھا اس میں وہ مرتد نہیں رہنے دیا گیا۔ بلکہ زمین نے اس نامراد مردود کو اپنے سے باہر پھینک دیا اور اپنے اندر جگہ نہ دی۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اس کو عذاب قبر ہورہا ہے اور قیامت تک ہوتا رہے گا۔

اسی طرح شہداء کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ثواب کا ذکر فرمایا ہے حالانکہ کئی بیچارے آگ میں جلائے گئے کئی پانی میں غرق ہوئے کئی زمین پر پڑے رہے اور انہیں درندے پرندے کھا گئے۔ اگر قبر گڑھے کا نام ہو تو ان بیچارے شہیدوں کو ثواب و تنعیم سے محروم کہنا پڑے گا حالانکہ قرآن کریم میں بلاتخصیص احدے ہر شہید کی تنعیم کا ذکر ہے خواہ اس کی قبر بنا کر اس میں اسے دفن کریں یا اسے نذر آتش کر دیا جائے یا اسے سمندر میں غرق کر دیا جائے یا اس کو پرندوں، درندوں کی خوراک کے لئے چھوڑ دیا جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ اصل منکر عذاب و ثواب قبر کے وہ لوگ ہیں جو گڑھے کو عذاب و ثواب کے لئے قبر سمجھتے ہیں اور اصل بشر مریسی اور ضرار بن سنان معتزلی کے مقلد وہ لوگ ہیں نہ ہم جو کہ قبر کا وہ معنی کرتے ہیں جہاں ہر میت کو پہنچنا ہوتا ہے۔

اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

# قبر اطہر صلی اللہ علیہ وسلم

## پر کونسا درود پڑھنا چاہیے؟

اور

# اس کا شرعی طریقہ کیا ہے؟


مؤلف

شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ صاحب نیلوی رحمۃ اللہ علیہ

سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

سوال: آج کل بہت سے لوگ اپنے مُردوں کو ایصالِ ثواب کے لیے مدرسوں سے طلباء کو بُلا کر قرآن پاک پڑھاتے ہیں اور بعد میں ان کو کھانا کھلاتے ہیں؛ شرعی لحاظ سے یہ عمل کیسا ہے؟ (کاشف ارشاد ایف ۵۶ چٹیاں ہٹیاں راولپنڈی)

جواب: آج کل عوام میں "ایصالِ ثواب" کا جو طریقہ مُروّج ہے یہ سب بدعت ہے جو ہندوؤں سے ماخوذ ہے اس لیے یہ طریقہ واجبُ الترک ہے۔ کیونکہ قرآن مجید اور احادیثِ نبویؐ سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

- حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا مَالَیْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ کہ جو شخص ہمارے اس دین کے کام میں کوئی ایسی چیز پیدا کرے گا جو ہمارے دین میں نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔
- نیز فرمایا: اِیَّاکُمْ وَالْبِدْعَةَ کہ اپنے آپ کو بدعت سے بچاؤ۔
- نیز فرمایا: مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ کہ جو شخص کسی قوم کے ساتھ مشابہت اختیار کرتا ہے وہ انہی میں سے شمار ہوگا۔
- حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان فرامین کی روشنی میں "ایصالِ ثواب" کے موجودہ طریقہ کو چھوڑنا تمام مسلمانوں پر ضروری ہے۔

سوال: حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ اطہر کی زیارت کے وقت کونسا درود پڑھنا چاہیے۔ جبکہ بہت سے علماء کہتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللهِ پڑھنا چاہیے۔ جبکہ ان کلمات کا ثبوت کسی حدیث سے نہیں ملتا۔ اس کے باوجود بعض دیوبندی علماء بھی اسی مصنوعی درود کے پڑھنے کا حکم دیتے ہیں؛ حالانکہ قرآن پاک میں جب اللہ تعالیٰ نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے کا حکم دیا تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ہم کن الفاظ میں آپؐ پر درود پڑھا کریں تو اس پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ الخ

یعنی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو درود ابراہیمی کی تعلیم فرمائی۔ تو کیا قبر نبیؐ کی زیارت کے وقت تعلیم نبویؐ کے خلاف مصنوعی درود پڑھنا جائز ہوگا یا ناجائز۔ (حافظ عبدالحق حقانی جوہر آباد ضلع خوشاب)

جواب: اوّل تو آج کل قبر نبیؐ کی زیارت ہونا ہی دشوار ہے، البتہ مقبرہ کی زیارت کی جاسکتی ہے، کیونکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ مبارک کے اردگرد مضبوط دیواریں بنی ہوئی ہیں جن میں کوئی دروازہ نہیں ہے۔

- بہر حال حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقبرۂ مبارک کے پاس پہنچ کر اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ پڑھنا چاہیے۔ یا اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ پڑھیں۔ جیسا کہ:

- سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا معمول تھا کہ جب وہ سفر سے واپس مدینہ منورہ میں تشریف لاتے تو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ مبارک پر حاضر ہو کر اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ کہتے تھے۔ (موطا امام محمدؒ ص ۳۹۶)

- اسی طرح حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ اپنے اُستاذ حضرت نافع رحمۃ اللہ تعالیٰ کے واسطے سے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا طریقہ نقل فرمایا ہے کہ آپؓ سفر پر جاتے ہوئے اور واپس تشریف لاکر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ مبارک پر حاضر ہو کر اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ کہا کرتے تھے۔ (مسند امام اعظم ص ۱۲۶)

- یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ ایک لاکھ سے زیادہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظیم جماعت میں سے صرف سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہی ایک ایسی شخصیت ہیں جو مدینہ منورہ سے باہر سفر پر جاتے، اور واپس تشریف لاتے وقت مسجدِ نبوی میں آکر پہلے تو دو رکعت نفل پڑھتے اور پھر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ مبارک کے پاس حاضر ہو کر کہتے اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ یا اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔

لیکن امیر المؤمنین سیدنا امام عمر رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے اس طرزِ عمل پر نکیر فرماتے تھے۔

- اس سے معلوم ہوتا ہے سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ عنہما اس معاملہ میں متفرد ہیں، جیسا کہ جذبۂ اتباعِ رسولؐ کے پیشِ نظر ان سے بعض دیگر تفردات بھی منقول ہیں، جو جمہور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے تعامل کے خلاف ہیں۔ مثلاً حضرت ابنِ عمرؓ بے وضو ہونے کی حالت میں سجدۂ تلاوت کرلیا کرتے تھے جیسا کہ بخاری ج ۱ ص ۱۴۶ میں منقول ہے۔ اسی طرح سفر پر جاتے ہوئے اور سفر سے واپس تشریف لاکر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ مبارک پر سلام کرنے میں حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما متفرد ہیں۔ جبکہ حالتِ اقامت میں پانچوں وقت کی نمازیں آپؓ مسجدِ نبوی ہی میں ادا فرماتے تھے تو اُس وقت قبرِ نبیؐ پر سلام نہیں کرتے تھے۔ ان کے علاوہ کسی صحابی سے یہ عمل ثابت نہیں۔

- البتہ مسجد میں داخل ہوتے وقت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام پڑھنا احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے۔ اور یہ صرف مسجدِ نبویؐ کے ساتھ ہی مخصوص نہیں بلکہ ہر مسجد میں داخل ہوتے وقت یا مسجد سے نکلتے وقت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام پڑھنا چاہیے۔

- حضرت امام عبدالسلام مجدُ الدین ابن تیمیہ حرّانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے الرد علی الاخنائی ص ۱۰۹ میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ اور ان کے علاوہ دیگر جلیلُ القدر ائمۂ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ اہلِ مدینہ کے لیے قبرِ نبویؐ پر وُقوف اور سلام کو مکروہ سمجھتے تھے۔ خلافتِ راشدہ کے دور میں صحابۂ کرامؓ کا معمول یہ تھا کہ وہ مسجدِ نبویؐ میں نماز ادا کرکے اپنے اپنے گھروں کی طرف لَوٹ جاتے تھے۔ اسی طرح حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما آخر دم تک نماز ادا کرنے کے لیے مسجدِ نبویؐ ہی میں تشریف لاتے رہے،

اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ محصور ہونے تک اور حضرت علی رضی اللہ عنہ جب تک مدینۃ الرسول ﷺ میں مقیم رہے نماز ادا کرنے کے لیے مسجد نبوی ہی میں تشریف لاتے رہے۔ اور ان کے علاوہ دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعینِ عظام رحمہم اللہ تعالیٰ بھی مسجد نبوی ہی میں نماز ادا کرتے رہے، لیکن ان میں سے کوئی شخص بھی نماز ادا کرنے کے علاوہ قبر نبوی ﷺ پر حاضری نہ دیتا اور نہ ہی کوئی وہاں کھڑے ہو کر دُعا کرتا تھا۔

○ یاد رہے کہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے ادوار میں قبر نبی ﷺ مسجد نبوی ﷺ سے باہر تھی۔ پھر اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک رحمۃ اللہ تعالیٰ کے عہدِ خلافت (۸۶ھ تا ۹۶ھ) میں قبر نبی ﷺ سے مشرف حُجرۂ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو مسجد نبوی ﷺ کے احاطہ میں شامل کیا گیا تھا۔ پھر خلیفہ عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ کے عہدِ خلافت (۹۹ھ تا ۱۰۱ھ) میں حجرۂ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے دروازہ کو بند کر دیا گیا اور اس کے گرد ایک دیوار بنا دی گئی۔ اس کے بعد والیٔ دمشق سلطان نورالدین زنگی رحمۃ اللہ تعالیٰ (مات ۵۶۹ھ) نے اس دیوار کے اردگرد کئی دھاتوں کے مجموعے سے ایسا مضبوط گول گنبد بنوادیا جس کی بنیادیں بہت ہی گہری اور مضبوط تھیں۔ اور اس میں کوئی سوراخ نہیں، پھر اس گنبد کے گرد شبکہ (جالی) بنائی گئی ہے۔ اس طرح قبر النبی ﷺ اور جالی کا درمیانی فاصلہ تقریباً اٹھارہ ہاتھ ہے۔

○ الرد علی الاخنائی ص ۲۲۷ میں حضرت امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ اطہر کے پاس کھڑے ہو کر سلام کہنے کے بارے میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور وہ تابعین جو مدینۃ الرسول ﷺ میں قیام فرماتے تھے ان کا معمول یہ نہیں تھا کہ جب وہ مسجد نبوی ﷺ میں داخل ہوں یا مسجد نبوی ﷺ سے باہر تشریف لائیں تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ اطہر پر جا کر سلام عرض کریں۔

○ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب حیاتِ دُنیویہ کے ساتھ اس دُنیا میں زندہ تھے اور آپؐ مسجدِ نبویؐ میں تشریف فرما ہوا کرتے تھے تو صحابۂ کرامؓ کو حکم تھا کہ وہ حضرت کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا کریں۔ بلکہ جو شخص بھی مسجد میں داخل ہو اور مسجد میں کچھ لوگ موجود ہوں تو اس کے لیے انہیں سلام کرنا مسنون ہے۔ اسی طرح مسجد سے نکلتے وقت بھی سلام کرنا مسنون ہے۔

○ تو اگر قبرِ نبیؐ پر حاضر ہو کر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام کرنے کا حکم بھی اسی طرح ہوتا جیسا کہ آپؐ کی حیاتِ طیبہ کے دوران تھا تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم مسجدِ نبویؐ میں داخل ہوتے اور نکلتے وقت قبرِ نبیؐ پر پہنچ کر ضرور سلام عرض کیا کرتے۔ لیکن عملِ صحابہؓ سے اس کا ثبوت نہیں ملتا۔

○ نیز اس قسم کے سلام کو قبرِ نبیؐ کے پاس مشروع قرار دینا جہاں اجماعِ اُمت کے خلاف ہے وہاں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی عادتِ معروفہ کے بھی خلاف ہے۔

○ اور اگر حجرۂ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے باہر سے سلام تحیۃ کہنا مستحب ہوتا تو اس کا استحباب عام ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر علماء سلف رحمہم اللہ تعالیٰ اس مسئلہ میں عمومیت کے قائل ہیں۔ اور اہلِ مدینہ اور دیگر لوگوں کے مابین فرق کے قائل نہیں اور نہ ہی حالتِ سفر اور غیر سفر میں کوئی فرق ہے۔

○ کیونکہ اہلِ مدینہ کے لیے مکروہیت اور مدینہ منورہ سے باہر رہنے والوں کے لیے استحباب کا حکم دلیلِ شرعی کا محتاج ہے۔ جبکہ اس فرق کے لیے کوئی شرعی دلیل موجود نہیں ہے۔ کیونکہ کوئی محقق ثابت نہیں کر سکتا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ مدینہ کو مدینہ منورہ سے الوداع کہتے وقت قبرِ مبارک پر حاضری کو مشروع قرار دیا ہو۔ یا سفر سے واپس آکر قبرِ مبارک پر حاضر ہو کر سلام کرنے کو ضروری قرار دیا ہو۔ اسی طرح مدینۃ الرسولؐ سے باہر رہنے والوں کے لیے اس قسم کا کوئی حکم نہیں کہ وہ جب بھی مسجدِ نبوی میں داخل ہوں یا باہر نکلیں تو قبرِ مبارک پر سلام کے لیے آئیں۔

## سلام کے منقول کلمات طیبات

① اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّيِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ. (نسائی ص ۱۸۸، مشکوٰۃ ص ۸۵)

② اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ الطَّيِّبٰتُ الصَّلَوٰتُ لِلّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ (ابوداؤد ص ۱۳۷)

③ اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ الطَّيِّبٰتُ الصَّلَوٰتُ لِلّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ (مسلم ج ۱ ص ۱۷۳)

④ اَلتَّحِيَّاتُ الْمُبَارَكَاتُ الصَّلَوٰتُ الطَّيِّبَاتُ لِلّٰهِ سَلَامٌ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ سَلَامٌ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُهٗ (مسلم ج ۱ ص ۱۷۴، مشکوٰۃ ۸۵)

⑤ اَلتَّحِيَّاتُ الْمُبَارَكَاتُ الصَّلَوٰتُ الطَّيِّبَاتُ لِلّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ (مسلم ج ۱ ص ۱۷۳، مشکوٰۃ ص ۸۵)

⑥ اَلتَّحِيَّاتُ الطَّيِّبَاتُ وَالصَّلَوٰتُ وَالْمُلْكُ لِلّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ.... (ابوداؤد ص ۱۳۷)

⑦ اَلتَّحِيَّاتُ الصَّلَوٰتُ الطَّيِّبَاتُ لِلّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ..... (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۹۳)

⑧ اَلتَّحِيَّاتُ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّيِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ.... (حوالہ مذکور ج ۱ ص ۲۹۲)

⑨ التحيات الطيبات الصلوت الزاكيات لله اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا.... (حوالہ مذکور ج ۱ ص ۲۹۳)

(١٠) اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ الزَّاكِيَاتُ لِلّٰهِ الطَّيِّبَاتُ الصَّلَوٰتُ لِلّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ (موطا مالک ص ٣١ و مصنف ج ١ ص ٢٩٣)

(١١) اَلتَّحِيَّاتُ الطَّيِّبَاتُ الصَّلَوٰتُ الزَّاكِيَاتُ لِلّٰهِ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ (مؤطا امام مالک ص ٣١)

(١٢) اَلتَّحِيَّاتُ الطَّيِّبَاتُ الصَّلَوٰتُ الزَّاكِيَاتُ لِلّٰهِ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ (مؤطا امام مالک ص ٣٢)

(١٣) اَلتَّحِيَّاتُ الصَّلَوٰتُ لِلّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ .... (طحاوی)

(١٤) اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ الصَّلَوٰتُ الطَّيِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ (ابوداؤد ص ١٣٦)

(١٥) بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ لِلّٰهِ وَالطَّيِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اَسْاَلُ اللّٰهَ الْجَنَّةَ وَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ النَّارِ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ١ ص ٢٩٢)

(١٦) بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّيِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اَسْاَلُ اللّٰهَ

الْجَنَّةَ وَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ النَّارِ (ابن ماجہ ص ۶۵)

⑰ بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّيِّبَاتُ السَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَاَسْاَلُ اللّٰهَ الْجَنَّةَ وَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ النَّارِ (نسائی ص ۱۸۸ و ۱۸۹ و مشکوٰۃ ص ۸۵)

⑱ بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ خَيْرِ الْاَسْمَاءِ اَلتَّحِيَّاتُ الطَّيِّبَاتُ الصَّلَوٰتُ لِلّٰهِ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اَرْسَلَهٗ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ وَاهْدِنِيْ۔

⑲ بِسْمِ اللّٰهِ التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ الصَّلَوٰتُ لِلّٰهِ الزَّاكِيَاتُ لِلّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ شَهِدْتُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ شَهِدْتُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ (موطا امام مالک ص ۳۱)

⑳ بِسْمِ اللّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ۔

○ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے احادیث مبارکہ میں منقول سلام کے مذکورہ بالا کلمات میں اکثر مقامات میں اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ کے الفاظ آتے ہیں، جبکہ بعض جگہ اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ، اَلسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ اور سَلَامٌ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ بھی آتے ہیں۔ لیکن ان کے ساتھ اَلصَّلٰوةُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ یا اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ وغیرہ کے الفاظ نہیں آتے۔ اور مذکورہ بالا کلمات میں صَلَوٰت کا جو لفظ آیا ہے اس سے مراد ہے "بدنی عبادتیں" جو محض اللہ تعالیٰ ہی کے لیے مخصوص ہیں۔ جبکہ لغوی اعتبار سے صلوٰۃ کے چار معنی ہیں: ① دعا ② تعظیم ③ رحمت ④ برکت۔

لیکن جب صلوٰۃ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو مجازاً صرف رحمت کے معنے مُراد ہوتے ہیں۔ (دیکھیے میرزاہد حاشیہ ملا جلال ص ۲ و مصباح المنیر ص ۲۲۳)

- رئیس المفسرین سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ (۳۳:۵۶) میں يُصَلُّوْنَ کا معنی يُبَرِّكُوْنَ ہی کیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمتیں اور برکتیں نازل کرتا ہے اور فرشتے انھیں ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہیں۔ (بخاری ج ۲ ص ۷۰۶ مع حاشیہ)
- حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ (۲:۱۵۷) میں صَلَوٰتٌ کا معنی شاباشیں کیا ہے۔
- مرزا حیرت دہلوی ؒ نے اس مقام پر صَلَوٰتٌ کا معنی صد آفرین کیا ہے۔
- جبکہ آفرین کا لفظ تحسین و حمد اور مبارکبادی کے لیے اِستعمال کیا جاتا ہے لیکن جب اِنسان کی طرف اس کی نسبت ہو تو اس کے معنے دُعا کرنے، برکت مانگنے، طلبِ رحمت یا نماز پڑھنے کے ہوتے ہیں۔
- حضرت میر سید سند علی بن محمد بن علی ابوالحسن حسینی جرجانی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے التعریفات ص ۱۱۷ میں فرمایا ہے کہ صلوٰۃ کا لغوی معنی "دُعا" ہے۔
- حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِذَا دُعِيَ اَحَدُكُمْ اِلٰى طَعَامٍ فَلْيُجِبْ وَاِنْ كَانَ صَائِمًا فَلْيُصَلِّ (مشکوٰۃ ص ۱۸۱) کہ جب تم میں سے کسی کو کھانے کی دعوت دی جائے تو اسے قبول کرلیا کرو۔ اور اگر تم نے روزہ رکھا ہُوا ہو تو دعوت کرنے والے کے حق میں دُعا کیا کرو۔ فلیطعم
- اسی طرح صلوٰۃ کا لفظ نماز کے معنوں میں بھی اِستعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے: اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا (۴:۱۰۳) کہ بے شک اہلِ ایمان پر نماز فرض ہے جس کا وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کیا ہُوا ہے۔
- اسی طرح صلوٰۃ کا لفظ عبادت خانہ کے معنوں میں بھی اِستعمال ہوتا ہے

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا (۲۲: ۴۰) کہ اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ایک دوسرے کے ہاتھ سے ہٹواتا نہ رہتا تو صابیوں کے عبادت خانے (صَوَامِعُ) اور نصاریٰ کے گرجے (بِيَعٌ) اور یہودیوں کے کنیسے (صَلَوٰتٌ) اور مسلمانوں کی عبادت گاہیں (مَسَاجِدُ) جن میں بکثرت اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے سب کے سب برباد اور ویران کردیے جاتے۔

- لیکن یہاں ہم جس "صلوٰۃ" کا ذکر کر رہے ہیں وہ ہے "درود شریف" جو در اصل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ عالی صفات کے لیے طلبِ رحمت کی دعا ہے۔ اور تمام مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ الصلوٰۃُ عَلَی النَّبِیِّ سے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں طلبِ رحمت کی دعا مراد ہے۔ (دیکھیے التعلیق العجیب ص ۱۳)

- حضرت علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے مطول ص ۱۰ میں اَلصَّلوٰۃُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ.... کے تحت شرح کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا در اصل شارع علیہ السلام کے حق میں دعا ہے جنھوں نے علمِ شرائع والے قوانینِ کلیہ بتائے ہیں۔

## درود شریف پڑھنے کا حکم

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مسلمانوں کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (۳۳: ۵۶) کہ اے اہلِ ایمان! تم بھی اپنے محسنِ اعظم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بارگاہِ الٰہی میں نزولِ رحمت کی دعا کیا کرو اور انھیں شاباشیں دیا کرو کہ انھوں نے تم تک بے خوف ہوکر احکامِ الٰہی پہنچائے اور ان کی پوری پوری اطاعت کرو۔

# درود شریف کے منقول کلمات مبارکہ

حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بعد از نزولِ آیت دریافت کیا تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم اس طرح پڑھا کرو:

① اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. (بخاری ص ۴۷۷ ومشکوٰۃ ص ۸۶)

○ درود شریف کے یہ کلماتِ مبارکہ سب سے افضل ہیں، جو نماز میں تشہد کے بعد پڑھتے ہیں۔ دیکھیے: جذب القلوب ص ۲۴۳ و الحزب المنیع ص ۱۰۹ وفتح القدیر ج ۱ ص ۴۵۹ وبحر الرائق ج ۲ ص ۱۸۳

○ نیز کتبِ احادیث میں اس کے علاوہ مختلف طریقوں سے درود شریف کے اور کلمات بھی آئے ہیں، جن سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ نیز اُن کے فضائل بھی کتبِ حدیث میں مذکور ہیں، تاہم جو فضیلت مذکورہ بالا درود ابراہیمی کو حاصل ہے وہ کسی دُوسرے کو نہیں۔

○ بہرحال درود شریف کے دیگر مختلف کلمات جو کتبِ حدیث میں ملتے ہیں ان میں چند مندرجہ ذیل سطور میں نقل کیے جاتے ہیں:

② اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَاَزْوَاجِهٖ اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَذُرِّيَّتِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ (مشکوٰۃ ص ۸۷)

③ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ صَلَوٰتِكَ وَبَرَكَاتِكَ عَلٰى مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ وَاَزْوَاجِهٖ اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَذُرِّيَّتِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. (تاریخ کبیر بخاری قسم اول ج ۲ ص ۸۷ وکتاب الکنیٰ والاسماء ج ۱ ص ۱۴۳)

④ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ

إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ. (ریاض الصالحین ص ۴۹۳)

⑤ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى إِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ. (ریاض الصالحین ص ۴۹۳)

⑥ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى إِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ. (سنن ابی داؤد ص ۱۴۷)

⑦ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاَنْزِلْهُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ. (کنز العمال ج ۱ ص ۴۹۷ و معجم کبیر ج ۵ ص ۱۴)

⑧ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى إِبْرَاهِيْمَ. (ابوداؤد ص ۱۴۸)

⑨ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ. اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ. اَللّٰهُمَّ وَتَرَحَّمْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا تَرَحَّمْتَ عَلٰٓى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ. اَللّٰهُمَّ وَسَلِّمْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا سَلَّمْتَ عَلٰٓى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ. (کنز العمال ج ۱ ص ۴۹۵)

⑩ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ فِي الْعَالَمِيْنَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ. اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ فِي الْعَالَمِيْنَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ. (کنز العمال ج ۱ ص ۴۹۰)

⑪ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ. (کنز العمال ص ۴۹۲)

⑫ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ (سنن ابی داؤد ص ۱۳۸)

⑬ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. (سنن ابی داؤد ص ۱۳۸)

⑭ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. (دارقطنی ص ۱۳۶ و بیہقی ج ۲ ص ۳۴۸)

⑮ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (اجماع امۃ)

⑯ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا سَلَّمْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. (کنز العمال ج ۱ ص ۳۹۵)

⑰ اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلٰوةِ النَّافِعَةِ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّارْضَ عَنِّيْ رِضًا لَّا تَسْخَطُ بَعْدَهٗ اَبَدًا. (مسند احمد)

⑱ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِ النَّبِيِّ وَاَزْوَاجِهٖ اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَذُرِّيَّتِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. (ابوداؤد ص ۱۳۸)

⑲ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ (نسائی ص ۱۹۱ ابن ماجہ ص ۶۵)

⑳ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ وَصَلِّ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ. (صحیح ابن حبان)

㉑ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ. (نسائی ص ۱۹۱)

٢٢ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَارْحَمْ مُحَمَّدًا وَّ اٰلَ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ وَ بَارَكْتَ وَرَحِمْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ (رواه البيهقی)

٢٣ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. (نسائی ج١ ص١٩٠)

٢٤ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. (نسائی ج١ ص١٩٠)

٢٥ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. (رواه مسلم)

٢٦ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ وَ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ (نسائی ص١٩٠)

٢٧ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَاٰلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. (نسائی ج١ ص١٩٠)

٢٨ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. (نسائی ج١ ص١٩٠)

٢٩ نَبِيُّ اللّٰهِ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ (مسند احمد ج٢ ص٥٤٩ و ٥٥٠ و ٥٥٣)

(١٩) اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ (ابوداؤد ص ١٣٨ و ابن ماجہ ص ٦٥)

(٢٠) اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. (سنن ابی داؤد ص ١٣٨)

(٢١) اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ فِي الْعٰلَمِيْنَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ (ابن ماجہ ص ٦٥)

(٢٢) اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّاتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّاتِهٖ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ (نسائی ص ١٩١)

(٢٣) اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَتَرَحَّمْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا تَرَحَّمْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ ابراهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. (رواه الطبرانی فی التہذیب)

(٢٤) اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. اَللّٰهُمَّ تَحَنَّنْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا تَحَنَّنْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. اَللّٰهُمَّ سَلِّمْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا سَلَّمْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ

إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. (كنز العمال ج ٢ ص ٢٤٢)

٢٦ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّارْحَمْ مُحَمَّدًا وَّاٰلَ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ وَبَارَكْتَ عَلٰٓى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ فِي الْعٰلَمِيْنَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ (كنز العمال ٢/٢٤٥)

٢٧ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ وَعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ. اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ صَلٰوةً تَكُوْنُ لَكَ رِضًى وَّلَهٗ جَزَاءً وَّلِحَقِّهٖٓ أَدَاءً وَّأَعْطِهِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَالْمَقَامَ الْمَحْمُوْدَ الَّذِيْ وَعَدْتَّهٗ وَاجْزِهٖ عَنَّا مَا هُوَ أَهْلُهٗ وَاجْزِهٖ أَفْضَلَ مَا جَازَيْتَ نَبِيًّا عَنْ قَوْمِهٖ وَرَسُوْلًا عَنْ أُمَّتِهٖ وَصَلِّ عَلٰى جَمِيْعِ إِخْوَانِهٖ مِنَ النَّبِيِّيْنَ وَالصّٰلِحِيْنَ يَآ أَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ.

٢٨ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ بَيْتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْنَا مَعَهُمْ. اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ بَيْتِهٖ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلَيْنَا مَعَهُمْ صَلَوٰتُ اللّٰهِ وَصَلَوٰتُ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مُحَمَّدِنِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ. (دار قطنی ص ١٣٥)

٢٩ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ صَلَوٰتِكَ وَرَحْمَتَكَ وَبَرَكَاتِكَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا جَعَلْتَهَا عَلٰٓى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا جَعَلْتَهَا عَلٰٓى إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ (كنز العمال ج ١ ص ٣٩٦)

٣٠ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّارْحَمْ مُحَمَّدًا وَّاٰلَ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ وَبَارَكْتَ وَتَرَحَّمْتَ عَلٰٓى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. (سنن کبریٰ للبیہقی ص ٣٧٩)

۴۱ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ وَ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ فِى الْعٰلَمِيْنَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. (نسائی ج ۱ ص ۱۸۹)

۴۲ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ. اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ. (نسائی ج ۱ ص ۱۹۰)

۴۳ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَ اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ وَارْحَمْ مُحَمَّدًا وَّ اٰلَ مُحَمَّدٍ كَمَا رَحِمْتَ اِبْرَاهِيْمَ وَ اٰلَ اِبْرَاهِيْمَ. وَ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. (کنز العمال ج ۲ ص ۲۸۳)

۴۴ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ صَلَوٰتِكَ وَ رَحْمَتَكَ وَ بَرَكَاتِكَ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَاِمَامِ الْمُتَّقِيْنَ وَخَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ اِمَامِ الْخَيْرِ وَقَائِدِ الْخَيْرِ وَرَسُوْلِ الرَّحْمَةِ. اَللّٰهُمَّ ابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا يَّغْبِطُ بِهِ الْاَوَّلُوْنَ وَالْاٰخِرُوْنَ. اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. (کنز العمال ج ۱ ص ۴۹۷ و ابن ماجہ ص ۶۵)

۴۵ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ حَتّٰى لَا يَبْقٰى مِنْ صَلَوٰتِكَ شَيْءٌ وَّبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ حَتّٰى لَا يَبْقٰى مِنْ بَرَكَاتِكَ شَيْءٌ وَّسَلِّمْ عَلٰى مُحَمَّدٍ حَتّٰى لَا يَبْقٰى مِنْ سَلَامِكَ شَيْءٌ. (کنز العمال ج ۲ ص ۲۷۸)

○ سطورِ بالا میں ہم نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے مُطابق حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی درود شریف کے پینتالیس کلماتِ طیبات بحوالہ کتب احادیثِ مُبارکہ نقل کیے ہیں۔

○ درود شریف کے مذکورہ بالا پنتالیس کلماتِ طیبات میں سے ایک آدھ کے علاوہ تمام کے تمام اَللّٰھُمَّ صَلِّ کے جملۂ دعائیہ سے شروع ہوئے اور کوئی بھی اَلصَّلوٰۃُ عَلٰی مُحَمَّدٍ یا اَلصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مُحَمَّدٍ یا اَلصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ وغیرہ کلمات سے شروع نہیں ہوئے۔

○ احادیثِ مبارکہ میں درود شریف پڑھنے کا بہت بڑا اجر و ثواب منقول ہے، لیکن یہ اجر و ثواب صرف اسی صورت میں حاصل ہوگا جب احادیثِ مبارکہ میں مذکور طریقے اور کیفیت کے مطابق پڑھا جائے۔

○ اور اس بات پر علماءِ اہلِ سنّت کا اتفاق ہے کہ اَلصَّلوٰۃُ عَلٰی مُحَمَّدٍ یا اَلصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ وغیرہ پڑھنے سے درود شریف کا حق ادا نہیں ہوتا۔ کیونکہ جب قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کا حکم دیا تو اہلِ لسان اور زبان دان ہونے کے باوجود حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں عرض کیا کہ

○ یارسول اللہ! ہم اس بات کو سمجھ نہیں سکے کہ آپ پر "صلوٰۃ" کس طرح پڑھیں؟ تو اس کے جواب میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

○ واقعی رحمتیں اور برکتیں نازل کرنا کسی بھی انسان کے اختیار میں نہیں، یہ کام تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کا ہے، اس لیے میرے حق میں اللہ تعالیٰ کے حضور طلبِ رحمت کی دُعا کرنا ہی تمہارا درود ہے۔ اس لیے تمہیں چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں (بزبانِ عربی) اس طرح عرض کیا کرو:

○ اے اللہ! آپ اپنے نبی و رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر، اور اُن کی آل اور اُن کی ازواجِ مطہرات اور اُن کی ذریت پر ایسی رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائیے جیسی رحمتیں اور برکتیں آپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اور اُن کی آل پر نازل فرمائیں۔

○ درود شریف کے مذکورہ بالا کلماتِ مُبارکہ سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہوتی ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے استفسار پر درود پڑھنے کا جو طریقہ تعلیم فرمایا اس میں یہی ہے کہ تم میرے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں طلبِ رحمت کی دُعا کیا کرو کہ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائے۔

○ اب اگر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے ہوئے کلماتِ مُبارکہ کو پڑھا جائے تو اس سے خود پڑھنے والے پر بھی اللہ تعالیٰ اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائے گا، جس کی خبر خود حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبانِ معصوم سے دی ہے اور اس میں شک کرنا گمراہی ہے بشرطیکہ درود شریف پڑھنے والا مومن ہو۔

○ اس کے برعکس جو شخص حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلیم کردہ درود شریف کے کلماتِ طیّبات کو پسِ پُشت ڈال کر خود اپنے یا اپنے سے پہلے لوگوں کے وضعی کلمات کو درود شریف کی جگہ پڑھ کر ثواب کی اُمید رکھتا ہے تو یہ اس کی نادانی ہے۔ بلکہ ایسے الفاظ جو احادیث میں مذکور نہ ہوں انھیں نیکی اور کارِ ثواب سمجھ کر پڑھنا اُلٹا باعثِ عذاب ہے کیونکہ یہ احداث فی الدین کے زمرے میں آ کر حرام ہو جائے گا، اور اس پر اِصرار کرنا باعثِ کفر ہے۔

○ اب رہا سائل کا یہ کہنا کہ "بعض دیوبندی عُلماء بھی اسی مصنوعی درود کے پڑھنے کا حکم دیتے ہیں"۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ علماءِ دیوبند ہوں یا کوئی اور ان کے اقوال پر اُسی صُورت میں عمل کیا جا سکتا ہے جب ان کا قول قرآن وسُنّت کی تعلیمات کے موافق ہو، ورنہ کسی عالم کے تسامح کو دلیل نہیں بنایا جا سکتا خصوصاً جبکہ انہی علماء کے دیگر اقوال سے اس کی تردید بھی ہوتی ہو۔

○ کیونکہ دلائل شرع کے چار ہیں: ① قرآن مجید ② احادیث مجموعہ متواترہ ③ اجماعِ اُمّت، یعنی قرآن مجید اور احادیثِ نبویؐ کی روشنی میں کسی مسئلہ پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا متفق ہوجانا اور اس کا صحیح سند سے ثابت ہونا۔ اور ④ قیاس مجتہد کا جو قرآن و سُنّت سے مستنبط ہو۔

○ اِس کے علاوہ کسی عالم کا قول قرآن و سُنّت اور اجماعِ اُمّت، و قیاس مجتہد کے خلاف ہو تو وہ قابلِ اِحتجاج اور دلیل نہیں بن سکتا۔

○ اب چونکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ مبارک کے پاس کھڑے ہوکر درود شریف پڑھنے کا حکم قرآن مجید میں بھی نہیں ہے، اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنی قبر کے پاس کھڑے ہوکر درود پڑھنے کی تعلیم نہیں دی۔ اسی طرح صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے بھی اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ کوئی صحابیؓ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ مُبارک کے پاس کھڑے ہوکر اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ یا اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ کے کلمات کہنے کے ساتھ ساتھ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وغیرہ کے الفاظ بھی کہتا ہو۔

○ البتہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہی کے متعلق مؤطا امام محمد ص ۳۹۶ میں حضرت امام مالکؒ کی سند سے بواسطہ عمرو بن دینار ایک روایت منقول ہے جس میں صَلّٰی وَدَعَا کے الفاظ سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا ابن عمرؓ قبرِ نبیؐ پر سلام سے پہلے درود پڑھتے ہوں گے، لیکن یہ بات اس طرح نہیں ہے۔ بلکہ اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ:

○ سیدنا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مدینہ منورہ سے باہر سفر پر جاتے ہوئے اور سفر سے واپس تشریف لاکر مسجدِ نبوی میں حاضر ہوتے اور دو رکعت نمازِ نفل ادا فرماتے اور قبرِ نبیؐ پر آکر سلام کہتے تھے۔

○ دُوسری ممکنہ صُورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس روایت میں فصلّی سے مُراد "دُعا" ہو، اور وَدَعَا میں و عطف تفسیری ہو۔ یعنی حضرت ابنِ عمرؓ قبرِ نبی پر حاضر ہو کر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں دُعا مانگتے تھے اور وہ دُعا تھی: اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّہَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ یا اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ۔ کیونکہ اگر وہ دُعا یہ نہ ہوتی بلکہ اس سے مراد درود شریف ہی ہوتا تو وہ بھی کسی نہ کسی روایت میں ضرور مذکور ہوتا۔

○ جس سے معلوم ہُوا کہ اگر خوش قسمتی سے کسی کو قبرِ نبیؐ یا مقبرۂ نبیؐ کی زیارت نصیب ہو تو وہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی پیروی میں اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّہَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ یا اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ پر ہی اقتصار کرے۔ جیسا کہ مشہور درسی کتاب نور الایضاح ص ۲۲ پر شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی دیوبندیؒ نے تحریر فرمایا ہے۔

## فضائل و احکامِ درود شریف

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کا حکم فرمایا ہے، یعنی ان کے حق میں دُعائے خیر کی جائے (دیکھیے ۳۳:۵۶)

○ نیز مشکوٰۃ شریف ص ۱۹۸ و مستدرک حاکم ج ۱ ص ۵۵۰ میں ہے کہ جس مجلس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ ہو اور نہ ہی اہلِ مجلس نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا ہو تو وہ مجلس ان لوگوں کے لیے گھاٹے کا باعث بنتی ہے۔

بہرحال درود شریف سے متعلق چھ قسم کے احکام ہیں۔ مثلاً:

فرض: تمام عمر میں ایک دفعہ درود شریف پڑھنا فرض ہے، قرآن مجید کی آیت مُبارکہ اس کی دلیل ہے۔ (دیکھیے طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح شرح نور الایضاح ص ۱۹۲)

واجب: جب بھی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک لیا جائے تو درود شریف پڑھنا واجب (علی الکفایہ) ہے۔ (طحطاوی ص ۱۶۲)

○ حضرت امام ابوالحسن کرخی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ صرف ایک مرتبہ ہی واجب ہے۔ (دیکھیے درمختار ج۱ص ۳۸۲ و ردالمحتار ج۱ص ۳۸۳ و بحرالرائق وغیرہ)

**سُنّت مؤکدہ:** نماز کے آخری قعدہ میں تشہد کے بعد اور نمازِ جنازہ میں درود شریف پڑھنا سُنّتِ مؤکدہ ہے۔

**مُستحب:** متعدد مقامات پر درود شریف پڑھنا مُستحب ہے۔ مثلاً:

○ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مُبارک لکھتے وقت۔

○ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقبرۂ مبارکہ کی زیارت کرتے وقت،

○ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مواطن کی زیارت کرتے وقت۔ مثلاً ○ مسجدِ قبا ○ مدینہ منورہ ○ مسجدِ نبویؐ ○ وادیٔ بدر۔ اور ○ جبلِ اُحد وغیرہ اسی طرح آثارِ نبویؐ کی زیارت اور مشاہدہ کے وقت درود شریف پڑھنا مستحب ہے

○ علاوہ ازیں: ○ مسجد میں داخل ہوتے وقت ○ مسجد سے نکلتے وقت، ○ اذان سُننے کے بعد دُعائے وسیلہ پڑھنے سے پہلے ○ دُعا کرنے سے پہلے ○ دُعا کے دَوران ○ دُعا کے آخر میں ○ نمازِ وتر میں دُعائے قنوت پڑھنے کے بعد رکوع کرنے سے پہلے ○ تہجد کے لیے سوکر اٹھنے کے بعد ○ تہجد پڑھ چکنے کے بعد ○ جمعہ کی نماز پڑھ چکنے کے بعد ○ وضو اور تیمم کے بعد، ○ قرآن مجید کی تلاوت سے پہلے ○ تلاوت کے بعد ○ حفظِ قرآن کی دُعا میں، ○ شبِ جُمعہ میں ○ جمعۃُ المبارک کے دِن ○ روزانہ صبح اور شام کے وقت ○ امام و خطیب کے لیے جمعہ، عیدین، نکاح، عرفہ، منیٰ اور اِستسقاء وغیرہ کے خطبوں میں ○ وعظ اور عُلومِ دینیہ کی نشر و اِشاعت کے وقت، ○ حدیث شریف پڑھنے کی ابتداء میں ○ حدیث شریف پڑھنے کے بعد، ○ اِستفتاء اور فتویٰ لکھتے وقت ○ ہر مصنف کے لیے تصنیف کا کام شروع کرتے وقت ○ سبق پڑھانے والے کو پڑھانے سے پہلے اور پڑھنے والے کو پڑھنے سے پہلے درود شریف پڑھنا مستحب ہے۔ اِسی طرح

○ ذکرِ الٰہی کرتے وقت ○ اجتماع کے وقت ○ منگنی کرتے وقت ○ نکاح کرتے وقت ○ نکاح کراتے وقت ○ وصیت نامہ لکھتے وقت ○ ارادۂ سفر کے وقت ○ سواری پر سوار ہوتے وقت ○ گھر سے بازار جاتے وقت ○ گھر آتے وقت ○ سحری کے وقت درود شریف پڑھنا مستحب ہے۔ نیز ○ حاجی کو جب صفا پر چڑھ کر قبلہ رُخ ہوکر کھڑا ہو ○ مروہ پر چڑھ کر جب قبلہ رُخ کھڑا ہو ○ تلبیہ سے فارغ ہوکر ○ جمرۂ اُولیٰ اور جمرۂ وُسطیٰ کو رمی کرنے کے بعد ○ زیارتِ کعبہ کے وقت ○ استلامِ حجر کے وقت ○ طواف کے بعد ○ ملتزم کے پاس ○ مواقفِ حج میں۔ اور ○ ہر نیک کام کی ابتدا میں درود شریف پڑھنا مستحب ہے۔

**مکروہ:** بعض مواقع پر درود شریف پڑھنا مکروہ ہے۔ مثلاً:
○ ضرورتِ انسانی یعنی پیشاب، پاخانہ اور جماع کے وقت ○ پھسلتے وقت ○ چھینک آنے کے بعد ○ تعجب کے وقت ○ جانور ذبح کرتے وقت ○ جب خطبۂ جمعہ و عیدین وغیرہ میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک آجائے ○ تلاوتِ قرآن مجید کے دوران حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک آجائے تو درود شریف پڑھنا مکروہ ہے۔ اس کے علاوہ دورانِ نماز ○ بحالتِ قیام و قراءت ○ بحالتِ رکوع ○ بحالت سجود ○ بحالت قومہ ○ بحالتِ جلسہ بین السجدتین۔ اور ○ بحالت تشہدِ اُولیٰ درود شریف پڑھنا مکروہ ہے۔ البتہ نفلی نماز میں قعدۂ اُولیٰ میں تشہد کے بعد درود شریف پڑھنا مستحب ہے۔

**حرام:** بعض مواقع ایسے بھی ہیں جہاں درود شریف پڑھنا حرام ہے۔ مثلاً:
○ تاجر اپنا سامان فروخت کرتے وقت خود کو نیک ظاہر کرنے کی غرض سے درود شریف پڑھے۔ یا ○ کسی بُرے اور حرام کام کے موقع پر درود شریف پڑھنا حرام ہے۔

## درود شریف پڑھنے کی وجوہ

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنے کی بہت سی وجوہ ہیں، جن میں سے چند وجوہ اِس مقام پر تحریر کی جاتی ہیں:

- اُمتِ محمدیہ پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اَن گنت اِحسانات اور اپنی اُمت سے بے پناہ محبت اور شفقت کا تقاضا یہی ہے کہ اپنے محسنِ عظیم کے حق میں رحمت و برکت کے نزول کی دُعا کی جائے۔
- کیونکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے فریضۂ تبلیغ ادا کرنے کا حکم دیا (۵: ۶۷) لیکن اس کے باوجود آپؐ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام لوگوں تک پہنچانے پر ہی اِکتفا نہیں کیا بلکہ اپنی اُمت کی اِصلاح کے لیے ہمہ وقت متفکر رہتے اور رات کا اکثر حصّہ بارگاہِ الٰہی میں کھڑے ہوکر اپنی اُمت کے حق میں دُعا مانگتے رہتے تھے، اُمت کے غم کو اپنا غم سمجھتے تھے، اور احسن طریقے سے اللہ تعالیٰ کا پیغام اُمت تک پہنچاتے رہے۔
- اس طرح حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اُمت تک اللہ تعالیٰ کی نعمتِ عظمیٰ کے پہنچنے کا ذریعہ اور واسطہ بننے کے ساتھ ساتھ اپنی اُمت کے عظیم محسن بھی ہیں۔ تو ایسی حالت میں انسانی فطرتِ سلیمہ کا تقاضا یہی ہے کہ ایسے محسنِ اعظم کے حق میں دِل سے دُعائیں نکلیں، خصوصاً اُس وقت جبکہ محسن کے احسانات کا بدلہ و مکافات ادا کرنے کی اور کوئی شکل نہ ہو۔
- اور ظاہر ہے کہ اُمتِ محمدیہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس احسانِ عظیم کا بدلہ تو اُتار نہیں سکتی، کیونکہ نبیؐ کے اِحسانات کا بدلہ اُتارنا اُمتی کے بس کی بات نہیں اور "صلوٰۃ" یعنی مخصوص دُعاءِ رحمت سے بڑھ کر کوئی دُعا نہیں۔ اس لیے فطرتِ سلیمہ کے مُطابق اس اُمت کو کہیں وجوباً اور کہیں استحباباً حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ یعنی درود شریف پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

۲ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارکہ سے تو خود اللہ تعالیٰ کو تمام مخلوق میں سب سے زیادہ محبت ہے، اس لیے وہ کسی کی دُعا و درخواست کے بغیر خود ہی ہمہ وقت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل فرماتا رہتا ہے، اس سلسلہ میں وہ کسی کی درخواست کا محتاج نہیں۔ اس لیے یہ دُعائے رحمت دراصل خود ہمارے لیے ہی اللہ تعالیٰ کے تقرب کا باعث ہے کہ ہم اس کے محبوب ترین بندے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں دُعائے خیر کریں تو اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اس کام سے خوش ہوکر خود ہم پر رحم فرمائے۔

۳ نیز اس درخواست میں خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے مُطابق آپؐ کے شرفِ خاص یعنی عبدیتِ کاملہ کا اظہار ہے۔ کیونکہ باوجود محبوبِ الٰہی ہونے کے اللہ تعالیٰ کی رحمت کی آپؐ کو بھی ضرورت ہے۔

۴ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ بشریت، مادیت اور عنصریت میں اُمّت کے ساتھ شریک ہیں، اور بعض چیزوں مثلاً مالدار ہونے میں باقی لوگوں کے ساتھ مساوی بھی نہیں ہیں۔ اور بعض لوگ عام طور پر اس باہمی اِشتراک اور عدمِ مساوات کی وجہ سے آپؐ کی عظمتِ شان کے منکر تھے، جیساکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کُفّار کے ایک گروہ کا قول نقل فرمایا ہے:
اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَیْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ (۲۳:۴۷) نیز کہتے ہیں:
اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗۤ اِنَّاۤ اِذًا لَّفِیْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ (۵۴:۲۴) نیز کہتے:
لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ (۴۳:۳۱)

۵ اس لیے درود شریف میں اس کا پُورا علاج ہے، کیونکہ اس میں رحمتِ خاصہ کی دُعا ہے، تو اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ آپ رحمتِ خاصہ کے مستحق ہونے میں سب سے ممتاز ہیں، اس لیے اس اشتراک کے ساتھ ساتھ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس امتیاز کو بھی ضرور مدِّنظر رکھنا چاہیے

جس کے سامنے دُوسروں کا اِمتیاز کچھ حیثیت نہیں رکھتا۔ نیز یہ بات بھی اظہر من الشمس ہے کہ ہم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ممنون ہیں، اور آپؐ کو اپنے مساوی سمجھنے کی بجائے اپنے سے کروڑوں درجہ بہتر اور افضل سمجھتے ہیں اور قرآنی تعلیم کے مُطابق آپ کے لیے اوصافِ جمیلہ بیان کرتے ہیں، جس میں اس بات کی تصریح ہوتی ہے کہ آپ نے اشاعتِ دینِ متین کے لیے بھرپور کوشش کی ہے جو ہم پر اُن کا اِحسانِ عظیم ہے۔ جیساکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ..... (۶۲:۲)
نیز فرمایا: لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ.... (۳:۱۶۴)

○ بہر حال اہلِ ایمان کو چاہیے کہ وہ اپنے محسنِ اعظم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے رہیں، خصوصاً جب آپؐ کا ذکر ہو تو اس وقت درود پڑھنا مسلمانوں پر واجب (علی الکفایہ) ہے۔

○ البتہ بعض لوگوں پر توحیدِ باری تعالیٰ کا اس قدر غلبہ ہوتا ہے کہ اس غلبۂ توحید کے باعث وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید اور تقدیس و تہلیل میں زیادہ مستغرق رہتے ہیں اور صرف واجبات و سُننِ مؤکدہ کی تعمیل پر اکتفا کرتے ہیں، تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ انھیں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت نہیں ہے، بلکہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتا ہے وہ در اصل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے محبت رکھتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے ہی اسے اللہ تعالیٰ کا عرفان نصیب ہُوا ہے۔ اور ان ہی کے واسطے سے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید جیسی نعمت کاملہ سے انسان کو نوازا ہے، اور انھوں نے ہی نماز روزہ وغیرہ عبادات اور تلاوتِ قرآن مجید اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس کا حکم دیا ہے۔ لہٰذا جو شخص احکامِ شریعت پر عمل کرتا ہے وہ محبتِ رسولؐ کی وجہ سے ہی کرتا ہے۔

○ نیز اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اہل ایمان کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کا حکم دیا ہے، جیسا کہ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا (۳۳: ۵۶) کے حوالے سے قبل ازیں تحریر کیا جا چکا ہے۔

○ نیز خود حضرت محمد رسول اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمّت کو درود شریف پڑھنے کا تاکیدی حکم فرمایا ہے۔ چنانچہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
رَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ (ترمذی ج ۲ ص ۱۹۸)
یعنی جس شخص کے سامنے میرا ذکر ہو رہا ہو اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے تو اس کی ناک خاک آلودہ ہو۔

○ نیز فرمایا: اَلْبَخِيْلُ الَّذِيْ مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ (ترمذی ج ۲ ص ۱۹۸) کہ جس شخص کے سامنے میرا ذکر ہو رہا ہو پھر وہ مجھ پر درود نہ پڑھے تو وہ شخص بڑا بخیل ہے۔

○ اور ظاہر ہے کہ بخل بہت بڑی بیماری ہے۔ جیسا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَيُّ دَاءٍ اَدْوَءُ مِنَ الْبُخْلِ (جلاء الافہام ص ۲۳۱) کہ بخل سے بڑھ کر اور کونسی بیماری ہو سکتی ہے۔ یعنی بخل ایک ایسی بیماری ہے کہ جس سے بڑھ کر اور کوئی بیماری نہیں۔ اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق جو شخص حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک اور آپؐ کا ذکر سُن کر درود نہ پڑھے وہ بخیل ہے، یعنی وہ سب سے بڑی اور مہلک بیماری میں مُبتلا ہے۔ اور اس مہلک بیماری سے بچنے کا طریقہ یہی ہے کہ جب بھی آپ کے سامنے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ ہو آپ کی زبان پر درود شریف ہونا چاہیے۔

○ یہی وجہ ہے کہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین، تبع تابعین، مجتہدین و دیگر سلف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ جب بھی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مُبارک لیتے یا سُنتے تو ان الفاظ میں درود پڑھتے: صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

ہی باہر ہے۔ کیونکہ رحمتوں اور برکتوں اور سلامتی کا مالک یہ شخص نہیں ہے بلکہ یہ کام تو محض اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔ اس لیے درود پڑھتے وقت کلمہ دعائیہ ہی کہنا چاہیے کہ اے اللہ! آپ رحمتیں نازل فرمائیے۔ الخ

○ نیز مصنوعی درود میں یَارَسُوْلَ اللّٰہِ صیغہ خطاب و ندا کا ہے جو موہم ہے اس بات کا کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر ہیں، اور ہماری پکار سُن رہے ہیں، جیسا کہ آج کل کے عوام کا عقیدہ ہے، اور جن الفاظ سے عوام کا عقیدہ خراب ہو انہیں چھوڑ دینا ضروری ہے۔

## ایک مُغالطہ کا جواب:

اس مقام پر بعض لوگ عوام کو مغالطہ دیتے ہیں کہ نماز میں اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ پڑھتے ہیں، اگر اس کے پڑھنے سے عقیدہ خراب نہیں ہوتا تو اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ کہنے سے عقیدہ کیسے خراب ہو سکتا ہے؟

○ در اصل نماز میں یہ کلمات بطور حکایت کے بیان ہوتے ہیں۔ یعنی جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج پر لے جایا گیا تو آپ نے بارگاہِ الٰہی میں فرمایا: اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّیِّبَاتُ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُهٗ۔ پھر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصّٰلِحِیْنَ پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا: اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ اور یہ مکالمہ اللہ تعالیٰ کو اتنا پسند آیا کہ دورانِ نماز اس کے پڑھنے کا فرمایا۔ (دیکھیے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۳۱ و اشعۃ اللمعات ص ۴۰۱)

○ بہر حال اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ کے الفاظ نہ تو صحابۂ کرامؓ سے منقول ہیں، نہ سلف صالحین و مجتہدین اور محدثین نے ان الفاظ کو درود سمجھا اور نہ ہی یہ الفاظ درود کے تقاضے کو پورا کرتے ہیں۔ اس لیے مقبرۂ نبویؐ کی زیارت کے وقت منقول کلماتِ مُبارکہ ہی پڑھنے چاہییں۔

اور یہی ان کا معمول تھا اور اس پر سب کا اجماع تھا، تبھی تو تمام کتب حدیث میں جب بھی کسی صحابیؓ یا تابعی کا قول منقول ہوتا ہے تو اس میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرہ میں صلی اللہ علیہ وسلم ضرور لکھا جاتا ہے، مثلاً: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یا فعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور سُنّتی والابھی صلی اللہ علیہ وسلم کہتا تھا۔

○ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی درود ہے، جس پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل تھا۔ اور اگر یہ درود نہ ہوتا تو صحابۂ کرامؓ اس پر کبھی اکتفا نہ کرتے کیونکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اہلِ لسان عرب ہونے کے ساتھ ساتھ احکامِ الٰہی کو بخوبی سمجھنے والے اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ امت میں سب سے زیادہ محبت کرنے والے تھے۔

○ البتہ جب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ دُنیویہ میں خطاب کرکے اپنی طرف متوجہ فرماتے تو اس وقت درود شریف نہ پڑھتے تھے، بلکہ محض یارسول اللہ اور یانبی اللہ کے الفاظ پر ہی اکتفا کرتے تھے۔ یعنی ندا کے وقت "صلی اللہ علیہ وسلم" کہنا صحابۂ کرامؓ کا معمول نہیں تھا اور نہ ہی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرامؓ کو اس کی تعلیم دی اور نہ عملِ صحابہؓ پر نکیر فرمائی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ندا کے وقت جیسا کہ آپؐ کی حیاتِ طیبہ میں صلی اللہ علیہ وسلم کہنا صحابۂ کرامؓ کا معمول نہیں تھا اسی طرح بعد از وفاتِ نبیؐ بھی صحابۂ کرامؓ حدیث کے بیان میں جب کلمۂ ندا کا استعمال کرتے تو صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کہتے تھے۔

○ معلوم ہُوا کہ جب کسی حدیث میں بطورِ حکایت یارسول اللہ وغیرہ کا لفظ آجائے تو وہاں صلی اللہ علیہ وسلم نہ کہا جائے اور جہاں قال النبیؐ یا قال رسول اللہؐ وغیرہ کے الفاظ آجائیں تو ایسے موقع پر صلی اللہ علیہ وسلم ضرور کہنا چاہیے، کیونکہ صحابۂ کرامؓ کا یہی معمول تھا۔

**حدیث نمبر ۱** مشکوۃ شریف میں ہے حضرت سعد بن عبادہؓ سے روایت ہے کہ آپ نے عرض کی یارسول اللہ سعد یعنی میری اماں جان فوت ہو چکی ہیں اب ان کی روح کو ثواب پہنچانے کے لئے کونسا صدقہ بہتر ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا پانی! یہ بات سن کر حضرت سعد نے ایک کنواں کھودا اور کہا کہ یہ کنواں صدقہ ہے سعد کی اماں کا یعنی اس کا ثواب ان کو پہنچے (مشکوۃ ص ۱۶۹)

**حدیث نمبر ۲** حضرت عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے حضور اکرم ﷺ سے عرض کی کہ میری ماں اچانک فوت ہو گئی اور اس کے متعلق میرا یہ خیال ہے کہ اگر اس کو بولنے کی ہمت ہوتی تو کچھ نہ کچھ اللہ کے لیے دینے کی وصیت کرتی پس اگر میں اس کی طرف سے کچھ صدقہ دوں تو میرے اس صدقہ کرنے کی ثواب اس کو مل جائے گا (یا نہیں؟) تو حضرت نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ہاں تیرے صدقہ کا ثواب تیری اماں کو پہنچے گا یہ روایت مسلم و بخاری کی ہے (مشکوۃ ص ۱۷۶)

**حدیث نمبر ۳** حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مردہ قبر میں ایسے پڑا ہوتا ہے کہ جیسے کوئی ڈوبنے والا فریاد کرنے والا اس انتظار میں ہوتا ہے کہ کوئی اس کا ہاتھ پکڑے یہ بھی اس انتظار میں ہوتا ہے کہ اس کو

باپ، ماں، بھائی یا دوست کی طرف سے دعا پہنچے۔ پھر جب اس کو دعا پہنچ جاتی ہے تو اس کا پہنچنا اس کو دنیا اور دنیا کی سب چیزوں سے پیارا لگتا ہے اور حقیقت یہ ہے واقعی اللہ تعالیٰ قبر والوں کو زمین والوں کی دعا کی وجہ سے پہاڑوں جتنا ثواب اور رحمت و مغفرت پہنچاتا ہے۔ اور واقعی زندوں کی طرف سے مردوں کو بڑا تحفہ یہی ہے کہ ان کیلئے استغفار کی جائے شعب الایمان میں بیہقی نے یہ روایت بیان کی ہے (مشکوٰۃ ۲۰۶)

**حدیث نمبر ۴** حضرت ابو ہریرۃؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ نیک بندے کے درجات بہشت میں بلند فرمائے گا۔ تو وہ بندہ عرض کرے گا یا اللہ! یہ درجہ مجھ کو کہاں سے حاصل ہو گیا؟ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ یہ درجہ تجھے اس وجہ سے ملا ہے کہ تیرے فرزند نے تیرے لئے استغفار کی ہے۔ یہ روایت امام احمد بن حنبل نے نقل کی ہے (مشکوٰۃ ۲۰۶)

**حدیث نمبر ۵** حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ عاص بن وائل نے وصیت کی میرے مرنے کے بعد میری طرف سے سو غلام آزاد کئے جائیں۔ چنانچہ اس کے بیٹے ہشام نے پچاس غلام آزاد کر دیئے۔ پھر اس کے دوسرے بیٹے (حضرت عمرو بن العاصؓ) نے چاہا کہ میں بھی اپنے ابا کی طرف سے سو میں سے باقی پچاس غلام جو رہ گئے ہیں آزاد کر دوں مگر ابھی تک یہ دل میں

سوچ آئی کہ نبی اکرم ﷺ سے پوچھ تو لوں کہ ابا کی طرف سے غلاموں کا آزاد کرنا روا اور مفید بھی ہے یا نہیں؟ تو اسلئے عمرو بن العاص رسالت مآب ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر یہ مسئلہ دریافت کرنے آئے۔ عرض کی میرے باپ عاص نے وصیت کی تھی کہ میرے مرنے کے بعد میری طرف سے سو باندھے آزاد کیے جائیں۔ سو میرے بھائی ہشام نے تو اس کی طرف سے پچاس غلام آزاد کردئے ہیں باقی بموجب وصیت کے پچاس رہ گئے ہیں۔ اب کیا میں اس کی طرف سے باقی پچاس آزاد کر سکتا ہوں؟ تو رسول اللہؐ نے فرمایا۔ اگر وہ مسلمان ہوتا اور تم اس کی طرف سے غلام آزاد کرتے یا صدقہ دیتے یا اس کی طرف سے حج کرتے تب تو اس کو ثواب پہنچتا (مشکوۃ ص ۲۶۶۔ ابوداؤد ص ۴۳ ج ۲)

**فائدہ** عاص بن وائل نے اسلام کا زمانہ پایا لیکن مسلمان نہیں ہوا اور اس کے دو بیٹے تھے ہشام بن عاص اور عمرو بن عاص یہ دونوں مسلمان ہوئے تھے۔ اور صحابہ میں سے تھے رضی اللہ عنہما۔ اور حاصل حضرت ﷺ کے جواب کا یہ ہے کہ اگر عاص مسلمان ہوتا تو عبادات مذکورہ کا ثواب اس کو پہنچتا۔ چونکہ وہ مسلمان تھا نہیں اس لئے اس کا ثواب اس کو کچھ نہ پہنچا۔ پس حدیث سے معلوم ہوا کہ صدقہ وغیرہ مفید نہیں کافر کے لئے اور اس کو چھٹکارا نہیں ہوتا عذاب سے سبب اس کے اور مسلمان کے لئے مفید ہے۔ از مظاہر حق (مشکوۃ شریف ص ۱۰۶ ج ۳)

حدیث نمبر۱ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان کے مرنے کے بعد اس کے عمل اور اس کی نیکیوں میں سے جو چیزیں پہنچتی ہیں ان میں سے ایک تو علم ہے جسے اس نے سیکھا تھا اور اسے رواج دیا تھا اور ان میں سے دوسری نیک بخت اولاد جو چھوڑ گیا ہو اور ان میں سے تیسرا قرآن مجید جو وارثوں کے لئے چھوڑ گیا ہو اور ان میں سے چوتھا ہے مسجد جو نمازیوں کی عبادت کیلئے بنا گیا ہو۔ اور ان میں سے پانچواں سرائے جو مسافروں کے لئے بنا گیا ہو اور ان میں سے چھٹی نہر جو جاری کر گیا ہو اور ان میں سے ساتویں خیرات ہے جسے اپنی زندگی اور صحت کی حالت میں اپنے حلال مال میں سے نکالی ہو تو اس کے مرنے کے بعد ان سب چیزوں کا ثواب اس کو پہنچتا ہے (یہ روایت ابن ماجہ اور بیہقی نے شعب الایمان میں بیان کی (مشکوٰۃ ص ۳۶)

فائدہ کلام اللہ کے حکم میں داخل ہیں علوم شرعیہ کے اور مسجد کے حکم میں داخل ہیں مدرسے علماء کے اور خانقاہیں ہیں کہ ذکر اللہ تعالیٰ کے لئے ہوں یعنی ان کا بھی ثواب پہنچتا رہتا ہے۔ بعد مرنے کے۔ سید علی (مظاہر حق ص ۱۰۱)

حدیث نمبر۲ حضرت امام ثالث امام عثمان بن عفان ذی النورینؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب دفنِ میت سے فارغ ہو جاتے تو اس کی قبر کے قریب کھڑے ہو کر فرماتے کہ اپنے بھائی کے واسطے استغفار کرو پھر اس کے لئے اس

کی ثابت قدمی کی دعا کرو کیونکہ اس وقت اس سے سوال کیا جاتا ہے
(مشکوٰۃ شریف)

**فائدہ** اس حدیث میں دلیل ہے اس پر کہ دعائے استغفار زندہ کی مفید ہے مردہ کے لئے۔ مذہب اہل سنت کا یہی ہے۔ اور ثابت قدمی کی دعا مانگنا سوائے تلقین میت کے ہے کہ بعد دفن کے کرتے ہیں۔ اور تلقین میت کی اکثر حنفیہ کے نزدیک ثابت نہیں ہے (مظاہر حق ص ٦٦)

**نوٹ** مسئلہ تلقین میت پر مکمل بحث کسی اور موقعہ پر کی جائے گی انشاء اللہ تعالیٰ (مرتب مضمون)

**حدیث نمبر ٨** حضرت ابو ہریرۃؓ سے مروی ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب آدمی مرتا ہے تو اس کے عمل کا ثواب باقی رہتا ہے۔ صدقہ جاریہ، علم نافع، نیک اولاد جو اس کے واسطے دعا کرے (یہ روایت مسلم کی ہے۔ مشکوٰۃ ص ٣٢)

**فائدہ** یعنی نماز روزہ وغیرہ جو زندگی میں کرتا ہے ثواب اس کا تو ذخیرہ ہوتا ہے۔ مرنے کے بعد ملے گا۔ لیکن آئندہ کو منقطع ہوا (سوائے شہداء کے) کے کمافی الحدیث) کیونکہ جب تک کرتا تھا پاتا تھا۔ اب نہ کریگا نہ پائے گا مگر ان تین چیزوں کا بعد مرنے کے بھی ثواب پہنچتا رہتا ہے۔ صدقہ جاریہ جیسے کوئی زمین وغیرہ وقف کر گیا یا کنواں یا باؤلی بنا گیا۔ اور علم کہ نفع لیا جاتا ہے جیسے کتاب

کر گیا یا کسی کو علم پڑھا گیا۔ سید سند (مظاہر حق ا ص ۸۸)

**حدیث نمبر ۹** حضرت عبدالرحمٰن بن عمرہ انصاری سے مروی ہے کہ ان کی اماں جان نے غلام آزاد کرنے کا ارادہ کیا۔ پھر آزاد کرنے میں صبح تک دیر لگا دی پھر مر گئیں۔ عبدالرحمٰن کہتے ہیں میں نے قاسم بن محمد (ابن ابی بکر الصدیقؓ) سے پوچھا کہ ماں کی طرف سے میں غلام آزاد کر دوں تو میری ماں کو فائدہ پہنچے گا تو جناب قاسم بن محمد نے جواب دیا کہ سعد بن عبادہؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر کہنے لگے کہ میرے اماں جان (اچانک) مر گئی ہے اب کیا میرا اس کی طرف سے غلام آزاد کرنا اس کو نفع دے گا؟ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہاں نفع کریگا (یہ روایت امام مالکؒ نے نقل کی مشکوٰۃ ص ۲۹۵)

**فوائد** ہاں نفع کرے گا یعنی اس کا ثواب اُس کو پہنچے گا۔۔ اتفاق ہے علماء کا کہ عبادت مالی کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔ اور عبادت بدنی کے ثواب پہنچنے میں اختلاف ہے۔ اور صحیح یہ ہے کہ اس کا بھی ثواب پہنچتا ہے (مظاہر حق ۳ ص ۲۳۱)

**حدیث نمبر ۱۰** حضرت یحییٰ بن سعیدؒ سے مروی ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن امام ابی بکر الصدیقؓ سو رہے تھے اپنی اسی نیند میں (اچانک) فوت ہو گئے تو ان کی طرف سے ان کی ہمشیرہ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہؓ نے بہت سے غلام آزاد فرمائے یہ روایت بھی امام مالک نے نقل کی (مشکوٰۃ ص ۲۹۵)

فائدہ سبب غلام آزاد کرنے کا یا تو یہ تھا کہ ان پر غلام آزاد کرنے واجب تھے۔ زمت وصیت کی نہ پائی حضرت عائشہ نے اس کی طرف سے آزاد کئے اور یا یہ کہ ناگہانی موت میں ایک طرح کا نقصان ہے حضرت عائشہ غمگین ہوئیں اور بہت سے غلام آزاد کئے تا تدارک اس نقصان کا ہو ح۔ (مظاہر حق ۳ ص ۲۳۲)

حدیث نمبر ۱۱ حضرت ابوسائب سے مروی ہے کہ ہم ابوسعید خدریؓ کے پاس گئے پس ہم اس وقت بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ہم نے ان کے تخت کے نیچے ایک حرکت سنی۔ پس ہم نے دیکھا کہ اچانک ہی ایک سانپ تھا پس میں اس کو قتل کرنے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔ اور حضرت ابوسعیدؓ نماز پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے میری طرف اشارہ کیا۔ میں بیٹھ گیا۔ جب حضرت ابوسعیدؓ نماز سے فارغ ہوئے تو ایک حجرے کی طرف اشارہ کیا جو گھر میں تھا۔ پس فرمانے لگے کہ تو نے اس حجرے کو دیکھا؟ تو میں نے کہا جی ہاں! تو حضرت ابوسعیدؓ نے فرمایا کہ ہم میں سے ایک نوجوان کا نیا بیاہ ہوا اس حجرے میں تھا پھر ہم مع اس نوجوان کے پیغمبر خدا ﷺ کے ہمراہ غزوۂ خندق کی طرف نکلے اور وہ نوجوان دولہن کی محبت کی وجہ سے دو پہر کے وقت حضور اکرم ﷺ سے گھر جانے کی اجازت مانگتے تھے اور پھر اپنے گھر آتے تھے اور رات کو گھر رہتے۔ صبح کو پھر آن شریک ہوتے۔ پس انہوں نے اجازت مانگی ایک دن حضور ﷺ سے۔ تو حضور اکرم ﷺ نے اس اپنے

ساتھی کو ہتھیار لے لینے کا حکم فرمایا فرمانے لگے کہ مجھے خطر ہے۔ بنی قریظہ کے شر کا جو یہود کا قبیلہ ہے قریش کے ساتھ ہو کر مسلمانوں سے لڑنے کو آتا تھا۔ پس وہ نوجوان اپنے ہتھیار لے کر گھر کو لوٹا۔ پس ناگہان دونوں دروازوں کے درمیان اس کی بیوی کھڑی تھی۔ یعنی اندر اور باہر کے دروازے کے درمیان میں۔ پس وہ نوجوان اس بیوی کو تیر مارنے لگا اس لئے کہ عورت کے باہر آ کھڑے ہو جانے کی وجہ سے غیرت آئی۔ فوراً عورت بولی اپنا نیزہ روک لو اور پہلے اندر آ کر دیکھو (تجھے سمجھ آ جائے گی کہ) میں باہر کیوں نکلی تھی۔ پس وہ نوجوان اندر جا کر دیکھتا ہے کہ ایک بڑا اژدہا کنڈلی منڈلی مارے بچھونے پر پڑا ہے پس اس نوجوان نے اس بڑے اژدہا کو نیزہ مار کر اسے نیزے میں پرو لیا۔ پھر اندر سے نکل کر نیزے کو گھر کی انگنائی میں گاڑ دیا۔ اتنے میں اژدہا نے تڑپ کر اس نوجوان پر حملہ کیا۔ پس نہ معلوم ہو سکا کہ ان دونوں (اژدہا اور نوجوان) میں سے جلدی کون مرا یعنی دونوں ساتھ مرے۔ ابو سعید فرماتے ہیں کہ ہم نے یہ سارا ماجرا آ کر حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں ذکر کیا۔ اور عرض کی کہ یا رسول اللہ دعا کیجئے اللہ تعالیٰ سے کہ اس نوجوان کو اللہ تعالیٰ ہماری خاطر زندہ کر دے۔ آنحضرت نے فرمایا" اپنے یار کے حق میں استغفار کرو (مشکوۃ شریف ص ۳۲۰)

**فائدہ** لکھا ہے علماء نے کہ روش صحابہ کی یہ نہ تھی کہ اس طرح کچھ چاہیں حضرت

ے گویا انہوں نے گمان کیا کہ یہ موت جوان کی موت حقیقی نہیں ہے بلکہ بے ہوشی ہے تاثیر زہر سے۔ اور استغفار کرو یعنی دعا زندہ کرنے کی کیا چاہتے ہو بخشش چاہو اس کیلئے کہ مفید ہو۔ نہ دعا زندہ کرنے کی کہ وہ برا خود گیا

(مظاہر حق ۳ ص ۴۷۶)

**حدیث نمبر ۱۲** حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس آدمی کے ماں باپ دونوں مر جائیں یا ان میں سے ایک مر جائے اور زندگی میں وہ ان کا نافرمان رہا ہو لیکن اب ان کے حق میں دعا کرتا رہتا ہے اور ان کے حق میں استغفار کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے والوں میں لکھ دیتا ہے (مشکوۃ شریف ص ۴۲۱)

**فوائد** یعنی دعا استغفار فرزند کی والدین کے لئے بعد از مرنے ان کے وہ فائدہ رکھتا ہے۔ کہ اگر ناراض ہو گئے ہوں تو بھی حق تعالیٰ ان کو راضی کریگا اس سے اور لکھے گا نام اس کا بیچ دیوان نیکی کرنے والوں کے ساتھ ماں باپ کے اور رضا جو یوں ان کے۔ ح۔ (مظاہر حق ۴ ص ۱۲۸)

**حدیث نمبر ۱۳** حضرت صالح بن درہم تابعی سے روایت ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ بصرہ سے مکہ شریف کو حج کرنے گئے پس یکا یک ہم نے دیکھا کہ وہاں ایک شخص کھڑا تھا۔ یعنی ابو ہریرہؓ پس انہوں نے ہمیں فرمایا کہ کیا تمہارے

شہر کی کسی جانب میں ایلہ نام کی کوئی بستی ہے؟ ہم نے جواب دیا کہ ہاں ہے فرمایا کہ کون ہے جو ذمہ لے اور متکفل ہو میرے لئے تم میں سے اس بات پر کہ مسجد عشاء میں دو یا چار رکعت میری نیت سے نماز پڑھے اور یوں کہے کہ یہ نماز (یعنی اس نماز کا ثواب) ابوہریرہ کے لئے ہے (کیونکہ) میں نے اپنے جانی دوست جناب ابوالقاسم ﷺ سے یوں فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ عزوجل قیامت کے روز مسجد عشاء سے ایسے شہید اٹھائے گا کہ ان کے سوا بدر کے شہداء کے ساتھ مرتبہ میں قبروں سے کوئی نہ اٹھیگا (مشکوۃ شریف ص ۴۶۸)

**فوائد** اس سے معلوم ہوا کہ نماز ادا کرنی بزرگ مکان میں اور عبادت بدنی کی کرنی ان میں فضیلت عظیم رکھتی ہے اور بخشنا ثواب عبادت بدنی کا کسی کو خواہ زندہ ہو یا مردہ جائز ہے اور اور پہنچتا ہے۔ اور اکثر علماء اس پر ہیں۔ اور عبادت مالیہ کا (ثواب) بخشنا بالاتفاق جائز ہے (مظاہر حق ج ۴ ص ۳۱۷)

**حدیث نمبر ۱۴** حضرت حنش فرماتے ہیں کہ میں نے جناب خلیفہ چہارم امام علی کرم اللہ وجہہ کو دو دنبے قربانی کرتے دیکھا تو میں نے ان سے عرض کیا کہ یہ کیا ہے؟ یعنی قربانی میں کافی تو ایک دنبہ بھی ہے آپ دو کیوں کرتے ہو۔ تو آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے وصیت فرمائی تھی کہ میں ایک دنبی ان کی طرف سے بھی کیا کروں یعنی آپ ﷺ کی وفات کے بعد۔ اس لئے میں ایک

دیتی ان کی طرف سے کرتا ہوں ۔ یہ روایت ابوداؤد اور ترمذی نے اپنی سنن اور جامع میں بیان کی ہے (مشکوٰۃ شریف ص)

**فائدہ** حضرت علی کرم اللہ وجہہ یا تو سوائے قربانی اپنی کے دو دنبے کی قربانی کرتے ہوں گے حضرت محمد ﷺ کی طرف سے جیسے حضرت محمد ﷺ دو کرتے تھے حالت حیات میں ۔ یا ایک اپنی طرف سے کرتے ہوں اور ایک حضرت محمد ﷺ کی طرف سے ۔ اور ظاہر یہ ہے کہ ہمیشہ کرتے ہوں گے ۔

یہ حدیث دلالت کرتی ہے اس پر کہ جائز ہے قربانی کرنی میت کی طرف سے ۔ اور بعض علماء جائز نہیں رکھتے ۔ ابن مبارک نے کہا کہ دوست رکھتا ہوں یہ کہ للہ دیا جاوے میت کی طرف سے اور قربانی نہ کی جائے ۔ پس اگر قربانی کرے اس کی طرف سے تو نہ کھادے اس سے کچھ اور للہ دے بالکل ۔ یعنی تمام اللہ کی راہ میں دیدے ۔ (مظاہر حق ا ص ۱ ۴۸)

حضرت محمد باقر سے مروی ہے کہ امام حسن و حسین رضی اللہ عنہما اپنے والد امام علیؓ کی وفات کے بعد ان کی طرف سے غلام آزاد کیا کرتے تھے (نبراس)

## اقوالِ فقہاء

❶ حضرت عالم محقق مدقق نظار ملک الفقہاء ربرہان الدین علی بن ابی بکر بن عبدالجلیل الفرغانی المرغینانی ہدایہ شریف میں تحریر فرماتے ہیں الحج عن الغیر کے باب میں کہ اَلاَصلُ فِی ھٰذا البَاب (اے فی باب الحج عن الغیر) اَنَّ الاِنسَانَ لَه اَن یجعَل ثَوَابَ عَمَلِهٖ لِغیرِهٖ صَلٰوۃً اَوصَوماً اَوصَدَقَةً اَو غَیرَھَا عِندَ اَھلِ السُّنَّةِ وَ وَالجَمَاعَةِ لِمَارُوِیَ عَنِ النَّبِی عَلَیهِ السَّلَامُ اَنَّهٗ ضَحّٰی بِکَبشَینِ اَملَحَینِ اَحَدُ ھُمَا عَن نَفسِهٖ وَالاٰخرَ عَن اُمَّتِهٖ مِمَّن اَقَرَّ بِوَحدانِیَّتِهٖ تَعَالٰی و شَھِدَ لَهٗ بِالبَلَاغِ . وَجَعَلَ تَضحِیَةَ اِحدَی الشَّاتَینِ لِاُمَّتِهٖ (ھدایه ۱ ص ۲۷۶)

یعنی قاعدہ یہ ہے اہل السنۃ والجماعت کے نزدیک کہ ایک آدمی دوسرے آدمی کو اپنے ہر عمل کا ثواب دے سکتا ہے خواہ وہ عمل نماز ہو یا روزہ ہو یا صدقہ ہو یا اور کوئی عمل ہو۔ دلیل اس کی وہ حدیث ہے جو کہ حضرت نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آپؐ نے دو دنبے چتکبرے قربانی میں دیئے ایک قربانی اپنی طرف سے دی اور دوسری اپنی امت کی طرف سے جو جو بھی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقراری ہو اور نبی کریم ﷺ کے حق میں شہادت دیتا ہو کہ آپ نے تمام احکام شرعیہ ہم تک پہنچا دیئے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے ان دو دنبوں میں سے ایک دنبہ اپنی امت کی

خاطر قربانی میں دیا۔

❶ شرح عقائد نسفیہ ص ۱۵۳، ۱۵۴ میں ہے وَ فِی دُعاء الاَحْیَاءِ لِلاَمْوَاتِ وَصَدَقَتِهِم اَی صَدَقَةِ الاَحیَاءِ عَنهُم اَی عَنِ الاَمْوَاتِ نَفْعٌ بَنی لَهُم اَی لِلاَمْوَاتِ خِلافًا لِلمُعتَزِلَةِ یعنی مردوں کے حق میں زندوں کے دعا کرنے میں، اور مردوں کی طرف سے زندوں کے صدقہ کرنے میں مردوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔ لیکن معتزلی اس مسئلہ میں اہل السنۃ والجماعت کے مخالف ہیں۔

حضرت شاہ اسماعیلؒ نے صراط مستقیم ص ۵۳ میں لکھا ہے "اموات را بلا ریب ثواب عبادت احیا می رسد۔ یعنی اس مسئلہ میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ زندوں کی عبادت کا ثواب مردوں کو پہنچتا ہے۔

❷ ردالمحتار ج ۲ ص ۳۴۲ میں لکھا کہ اَلاَصلُ اَنَّ کُلَّ مَن اَتیٰ بِعِبَادَةٍ مَا اَی سَوَاءٌ کَانَت صَلوٰةً اَو صَومًا اَو صَدَقَةً اَو قِرَاءَةً اَو ذِکرًا اَو طَوَافًا اَو حَجًّا اَو غَیرَ ذٰلِکَ مِن زِیَارَةِ قُبُورِ الاَنبِیَاءِ علیهم الصَّلوٰةُ وَالسَّلَامُ وَ الشُّهَدَاءِ وَالاَولِیَاءِ وَالصّٰلِحِینَ وَتَکفِینِ المَوتیٰ وَجَمِیعِ اَنوَاعِ البِرِّ یعنی قاعدہ یہ ہے کہ انسان ہر قسم کی عبادت کا ثواب دوسرے کو دے سکتا ہے خواہ وہ عبادت نماز ہو یا روزہ یا صدقہ یا قرآن پاک پڑھنا یا ذکر کرنا یا طواف بیت اللہ یا حج یا عمرہ یا ان کے علاوہ پیغمبر، شہیدوں،

اولیاؤں نیکوں کی قبروں کی زیارت یا مردوں کو کفن دینا اور سب طرح کی نیکیاں ان کا ثواب دوسروں کو پہنچایا جا سکتا ہے۔

❷ ردالمحتار ۲ ص ۲۴۳، ۲ ص ۹۷ فِی التَّارخَانِیَة عَنِ الْمُحِیطِ اِلْاَفْضَلُ لِمَنْ یَتَصَدَّقُ نَفْلًا اَنْ یَنْوِیَ لِجَمِیعِ الْمُؤمِنِینَ وَالْمُؤمِنَاتِ لِاَنَّھَا تَصِلُ اِلَیھِم وَلَا یُنقَصُ مِن اَجرِہٖ شَیءٌ یعنی نفل صدقہ کرنے کیلئے افضل طریقہ یہ ہے کہ تمام مومن مردوں اور عورتوں کی نیت کرلے اس لئے کہ اس کے صدقہ کا ثواب ان سب کو پہنچ جائے گا اور صدقہ کرنے والے کے ثواب میں کچھ کمی نہیں ہوگی

پھر ۲ ص ۲۴۳ ہی میں بحرالرائق سے نقل فرماتے ہیں کہ اِطْلَاقُھُم شَامِلٌ لِلْفَرِیضَۃِ یعنی علماء کا مطلق عبادت کا لفظ بولنا فرض عبادت کو بھی شامل ہے کمافِی الْبَحرِ وَلَم اَرَ حُکمَ مَن اَخَذَ شَیئًا مِنَ الدُّنیَا لِیَجعَلَ شَیئًا مِن عِبَادَتِہٖ لِلْمُعطِی وَیَنبَغِی اَن لَا یَصِحَّ ذٰلِکَ اھ ای لِاَنَّہٗ اِن کَانَ اَخَذَہٗ عَلٰی عِبَادَۃٍ سَابِقَۃٍ یَکُونُ ذٰلِکَ بَیعًا لَھَا وَذٰلِکَ بَاطِلٌ قَطعًا وَاِن کَانَ اَخَذَ لِیُصَلِّی یَکُونُ اِجَارَۃً عَلَی الطَّاعَۃِ وَھِیَ بَاطِلَۃٌ" اَیضًا کَمَا نَصَّ عَلَیہِ فِی مَا استَثنَی الْمُتَاخِرُونَ مِن جَوَازِ الاستِیجَارِ عَلَی التَّعلِیمِ وَالاَذَانِ وَالاِمَامَۃِ وَعَلَّلُوہُ بِالضَّرُورَۃِ وَخَوفِ ضِیَاعٍ

الذین فی زماننا یعنی جو شخص دنیا کی کوئی چیز اس لئے دوسرے سے لیتا ہے کہ اس دوسرے دینے والے کو اپنی عبادت دے دیوے تو یہ کام صحیح نہیں ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ دنیا کی چیز کسی پہلی عبادت پر لی ہے تو یہ بیع بن جاتی ہے جو قطعاً باطل ہے۔ اور اگر اس نے دنیا کی چیز اس لئے لی ہے کہ اس کے بعد میں عبادت کر کے تجھے دوں گا تو اجارہ باطلہ ہے۔ جیسے متون شروح اور فتاووں میں صاف بیان ہے ہاں البتہ ضرورت کی بنا پر۔ تاکہ دین نہ ضائع ہو جائے ہمارے زمانہ میں متاخرین نے قرآنی تعلیم اور اذان اور امامت کے بدلے اجرت لینے کی اجازت دی ہے۔

پھر ص ۳۲۵ پر باقاعدہ دلائل بیان کر کے فرماتے ہیں فَهٰذَا كُلُّهُ وَنَحْوُهُ مِمَّا تَرَكْنَاهُ خَوفَ الاِطَالَةِ يَبْلُغُ القَدرُ المُشْتَرِكُ بَينَهُ وَهُوَ النَّفعُ بِعَمَلِ الغَيرِ مَبْلَغَ التَّوَاتُرِ یعنی یہ دلائل تواتر کی حد کو پہنچ گئے ہیں کہ دوسرے کے عمل سے انسان کو فائدہ ہوتا ہے۔

حضرت مولانا محمد نجم الغنی خان صاحب اپنی کتاب تہذیب العقائد میں فرماتے ہیں کہ دعا کرنے میں زندوں کے مردو کے لئے اور صدقہ دینے میں مردوں کی طرف سے نفع پہنچتا ہے ان مردوں کو حضرت انسؓ سے ترمذی نے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے اِنَّ الصَّدَقَةَ تُطفِی غَضَبَ الرَّبِّ (صدقہ

بجھا دیتا ہے آتشِ غضب الٰہی کو) اور احمد اور ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کی ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا الصدقۃ تطفِیءُ الخطِیئۃَ کَمَا یُطفِیءُ الماءُ النَّارَ صدقہ دینا بجھا دیتا ہے گناہ کو جس طرح بجھاتا ہے پانی آگ کو

علمائے اہل سنت کا اتفاق ہے اس بات پر کہ مالی عبادت کا ثواب مردے کو پہنچتا ہے۔ مگر بدنی عبادت کے ثواب پہنچنے میں اختلاف ہے۔

امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک صدقات اور عبادات مالی اور حج میں دوسرے کو ثواب پہنچانا جائز ہے۔ لیکن عباداتِ بدنی مثلاً روزہ اور نماز اور تلاوت قرآن وغیرہ میں وصول (ثواب کا پہنچانا) جائز نہیں۔ مگر امام ابوحنیفہؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک اس کا بھی ثواب پہنچتا ہے

# معتزلہ کا مذہب

یہ ہے کہ عبادت کا ثواب سوائے فاعل کے (عبادت کرنے والے کے) غیر کو نہیں پہنچتا۔ خواہ عبادت مالی ہو یا بدنی خواہ مرکب ہو مال اور بدن سے۔ جیسے حج عمرہ وغیرہ۔

## دلیل نمبرا

(ا) قضاء یعنی تقدیر نہیں بدل سکتی پس دعا لغو ہے کیونکہ جس بات کی دعا کی جاتی ہے اگر وہ مقدر کے مطابق ہے تو اس کی دعا فعل عبث (بے کار) ہے اور اگر مخالف ہوگی تو اُس کا موجود ہونا ناممکن ہے۔

## جواب نمبرا

قضاء کی دو قسمیں ہیں۔

نمبر 1۔ بعض قضا سبب سے بدل جاتی ہے اس کو قضائے معلق کہتے ہیں یعنی جو کسی شرط کے ساتھ مشروط ہو۔

نمبر 2۔ بعض سبب سے نہیں بدلتی یعنی قضائے مبرم جو اٹل ہے اور کسی شئے سے نہیں ٹلتی یعنی جو قضاء بدلتی ہے اس کو معلق کہتے ہیں۔ اور جو نہیں بدلتی اس کو مُبرم یعنی اٹل کہتے ہیں جیسے وحی، نبوت، اور انبیاء کی سعادت، قضاء مُبرم میں سے ہیں

اس پر کلام الٰہی دلیل ہے کہ لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللّٰهِ (یعنی اللہ کی باتیں نہیں بدلتیں) اور مرض، شفاء، نیند، اور ہمارے تمام افعال و اقوال قضاء معلق کے قبیل سے ہیں۔ قضائے معلق یعنی کسی شرط کے ساتھ مشروط ہے۔ مثلاً بانجھ عورت بچہ نہیں جنتی مگر کسی بانجھ کے بارے اللہ تعالیٰ کی مشیت میں ہے کہ اگر فلاں مجھ کو بچہ کے بارے پکارے گا تو میں اس کو بچہ دوں گا۔ تو کسی نے اللہ سے دعا کی یا اللہ میں بے شک بوڑھا ہوں اور میری بیوی بھی بانجھ ہے مگر تیری قدرت سے کوئی بعید نہیں کہ بچہ ایسی حالت میں دے دے تو اللہ اس قضائے معلق کو نافذ فرماتے ہوئے بچہ دے دیتا ہے۔ اور انسان یہ سمجھتا ہے کہ تقدیر بدل گئی ہے تو انبیاء اولیا وغیرہم کی دعا قبول ہونا اسی قبیل سے ہے کہ قضائے معلق ہوتی ہے کہ فلاں دعا کرے گا تو میں اس کا یہ کام کر دوں گا۔ لیکن اس قضائے معلق کا علم سوائے خدا کے کسی کو نہیں ہوتا۔ اسی بات کی طرف اشارہ ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں يَمْحُو اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ یعنی مٹاڈالتا ہے اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے اور قائم رکھتا ہے جو چاہتا ہے۔ چنانچہ شقاوت ماں باپ کے ساتھ بہتر سلوک کرنے اور صدقہ دینے سے نیز اچھے کام کرنے سے ہو جاتی ہے۔

## جواب نمبر ۲

دوسرا جواب یہ ہے کہ قضاء نہ بدلنا بھی ہمارے مدعا (دعویٰ) کو مضر نہیں۔ اس لئے

کر زندوں کی دعا اور صدقہ سے مردوں کو نقصان پہنچانا یہ بھی احکام قضاء میں سے ہے۔ کہ اس مردے کی طرف سے کوئی کتنی ہی دعائیں کرتا رہے صدقہ خیرات کرتا رہے وغیرہ وغیرہ مگر اس کو نہ بخشوں گا۔

دلیل نمبر ۲

جس شخص نے جو کچھ کیا ہے وہ ضرور اس کا بدلہ پائے گا غیر کے عمل کا بدلہ اسے کیسے مل سکتا ہے۔ اللہ تعالٰی کا فرمان ہے مَنْ عَمِلَ صَالِحاً فَلِنَفْسِهِ وَ مَنْ اَسَاءَ فَعَلَيْهَا یعنی جس نے نیکی کی وہ اپنے واسطے ہے اور جس نے برائی کی وہ بھی اسی پر ہے۔

جواب

اس کا جواب قرآن اور حدیث کی ظاہری دلالت سے بلا ارتکابِ تاویل (تاویل کئے بغیر) ثابت ہے کہ جب کوئی شخص اپنا کوئی عمل کسی کو بخش دے تو ضرور دوسرے کے نامہ اعمال میں جگہ پاتا ہے۔ اور اس کو اس کا اجر ملتا ہے۔ تو اس صورت میں دوسرے کا کسب و عمل اس کا کسب اور عمل بھی سمجھا جائے گا جس کو عمل بخشا گیا ہے جیسا کہ دنیا میں ہوتا ہے۔

❶ سورۃ بنی اسرائیل میں بیٹے کو ارشاد ہوا کہ والدین کے لئے اس طرح دعا کر رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِي صَغِيرًا (اے رب! میرے والدین پر رحم کر

جیسا کہ لڑکپن میں مجھ کو انہوں نے پالا) تو اگر انسان کا عمل دوسرے کو نہ مفید ہوتا تو بیٹے کی دعاء والدین کے حق میں بے فائدہ ہوتی۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ دعاء تعلیم کرنا عبث ہوا اور اللہ تعالیٰ عبث سے پاک ہے

❷ اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ فرشتے مؤمنین کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں

❸ حضرت امام ابو ہریرہؓ سے مسلم نے مرفوعاً روایت کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس وقت انسان مرتا ہے تو اس کے عمل کا ثواب موقوف ہو جاتا ہے مگر تین عملوں کا ثواب باقی رہتا ہے جن میں سے ایک یہ ہے کہ اولاد صالح اس کے لئے دعا کرتی رہے۔ امام مالکؒ کی مؤطا میں سعید بن صالح سے روایت آئی ہے کہ بی بی عائشہؓ نے اپنے بھائی عبد الرحمٰنؓ کی طرف سے (جو سوتے میں مر گئے تھے) بہت سے غلام آزاد کئے۔

❹ سعد بن عبادہؓ نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ میری ماں مر گئی ہے کیا میں اس کی طرف سے صدقہ دوں؟ آپؐ نے فرمایا پانی پلاتا۔ پس سعدؓ نے ایک کنواں بنوایا اور کہا یہ کنواں صدقہ ہے سعدؓ کی ماں کے واسطے۔ اس حدیث کو ابوداؤد، نسائی اور امام مالک اور بخاری اور ابن عبد البر نے روایت کیا ہے۔

## دلیل نمبر ۳

ابن عباسؓ کی روایت میں آیا ہے کہ جس کے جنازہ پر چالیس آدمی کھڑے ہو کر

نماز پڑھیں بشرطیکہ کسی نے خدا کے ساتھ شرک نہ کیا ہو اور وہ میت کی شفاعت کریں تو خدا ان کی شفاعت قبول کرتا ہے (رواہ مسلم عن کریب مولی ابن عباسؓ)

وَاَن لَیسَ لِلاِنسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی انسان کو کوئی چیز نافع نہیں مگر جو کہ خود کیا۔ یہ آیت دلالت کرتی ہے اس بات پر کہ آدمی کو نفع نہیں بجز اس بات کے کہ بذاتِ خود سعی کی اور عمل کیا

## معتزلہ کے جواب

❶ گو ظاہر آیت اسی پر دلالت کرتی ہے کہ ایک کا عمل دوسرے کو مفید نہیں۔ لیکن حکم دعائے والدین اور استغفار ملائکہ (فرشتوں کا بخشش مانگنا) مومنین کے حق میں اور اس کے علاوہ اور احادیث (متواترہ) ایصال ثواب کی ظاہر آیت کے مخالف ہیں تو قطعی طور پر ہم کو ثابت ہوا کہ ظاہر آیت اپنے اطلاق پر باقی نہیں بلکہ مقید ہے بقید عدم ہبہ عاملِ۔ یعنی مراد آیت سے یہ ہے کہ انسان کو غیر کے عمل سے کچھ حاصل نہیں مگر جب کہ غیر اس کو بخش دے تو تو اس کو اس کا فائدہ ہو گا۔ اور آیت کا مقید کرنا بہتر ہے آیت کو منسوخ کرنے سے اس۔ لئے کہ مذکورہ آیت اخبار کے قبیلہ سے ہے (یعنی اس میں خبر دی گئی ہے) اور خبر میں نسخ واقع نہیں ہوتی یعنی خبر منسوخ نہیں ہوتی

❷ یہ آیت حضرت ابرہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ کی شریعتوں سے مخصوص ہے یعنی اخبار ہے ان کی شریعتوں سے۔ لیکن ہمارے نبی کی شریعت دلالت کرتی ہے اس بات پر کہ انسان کو اپنی سعی اور غیر کی سعی دونوں کام آتی ہیں۔

❸ اس آیت میں انسان سے مراد کافر ہے تو مومن کے حق میں نفی نہیں یعنی مومن کو نفع ہوتا ہے کافر کو نہیں اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ مراد انسان سے اس آیت میں ابوجہل ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ عقبہ بن ابی معیط اور بعض نے کہا کہ ولید بن مغیرہ۔

❹ مراد انسان سے اس جگہ زندہ ہے نہ مردہ۔ یعنی زندہ انسان اگر عمل کرے گا تو اس کے عمل کا ثواب اسی کو ملے گا۔

❺ بطریق عدل غیر کو ثواب نہیں۔ لیکن بطریق فضل البتہ ثابت ہے۔

معتزلہ کے جواب کے ضمن میں امام مالک اور امام شافعی کے قول کی بھی تردید ہو گئی۔ یعنی احادیث اور اخبارِ سابقہ سے عباداتِ بدنیہ کا بھی ایصال ثواب ثابت ہو گیا۔ (تہذیب العقائد ص ۱۱۲، ۱۱۳)

حضرت مولانا عبدالحق صاحب مصنف تفسیر حقانی اپنی عقائد کی کتاب "عقائد الاسلام" میں فرماتے ہیں کہ زندہ مومنوں کی دعا اور صدقہ دینے سے مراد مومن کو نفع پہنچتا ہے۔ اگر مردہ مومن عذاب میں مبتلا ہو گا تو اس کو دعا اور خیرات سے

تخفیف ہو جائے گی یا بالکل معاف ہو جائیگا اور اگر عذاب میں مبتلا ہوگا تو اس کو دعا اور خیرات سے اس کے وہاں درجات زیادہ ہو جاویں گے بہر طور اس کو نفع ہوتا ہے اور قرآن واحادیث واجماع امت واجماع صحابہ اس پر دلیل ہے کہ قال تعالیٰ وَالَّذِينَ جَاءُ وا مِن بَعدِ هِم يَقُولُونَ رَبَّنَا اغفِرلَنَا وَلِاخوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالاِيمَانِ ۔ اور واسطے ان لوگوں کے جو انصار و مہاجرین کے بعد آئیں اور کہتے ہیں کہ الٰہی! ہم کو بخش، اور جو ہم سے پہلے مومن ہیں ان کو بخش۔ اور یہ ظاہر ہے کہ یہ دعا اموات کو بھی شامل ہے۔ اگر اس دعا سے سابقون کو کچھ نفع نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کو بعد والوں کی مدح میں ذکر نہ فرماتا۔ بلکہ ❶ یہ دعا فعل عبث شمار کیا جاتا ❷ اور جنازے کی نماز پڑھنا حضورؐ کے عہد سے اب تک جمہور اہل اسلام کے ہاں چلا آتا ہے اگر میت کو اس سے کچھ نفع نہیں تو گویا ایک فضول امر ہے اور کس طرح سے فضول ہو سکے۔ حالانکہ نبی ﷺ اس کی نسبت نہایت تاکید فرماتے ہیں۔ اور میت کو نفع ہونے کی صراحت کرتے ہیں چنانچہ صحیح مسلم میں آنحضرت ﷺ سے منقول ہے کہ جس میت پر سو ۱۰۰ مسلمان نماز پڑھیں اور اس کے لئے شفاعت کریں تو اللہ تعالیٰ ان کی شفاعت قبول فرماتا ہے اور دوسری جگہ مسلم نے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس میت پر چالیس آدمی جو مشرک نہ ہوں نماز پڑھیں تو اللہ تعالیٰ ان کی شفاعت قبول فرماتا ہے۔

اور طبرانی نے اپنی کتاب اوسط میں حضرت انسؓ سے اور انہوں نے نبی پاک ﷺ سے روایت کیا ہے کہ میری امت پر اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت ہے کہ جو قبر میں گناہ گار داخل ہوں گے مسلمانوں کی دعا اور استغفار کے سبب قبر سے بے گناہ ہو کر اٹھیں گے۔

اور صدقہ کے نافع (نفع مند ہونا) ہونے میں بے شمار احادیث وارد ہیں چنانچہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ سے سوال کیا کہ میری ماں اچانک بے وصیت مر گئی اور مجھے گمان ہے کہ اگر وہ کچھ بولتی تو وصیت کرتی، اگر میں صدقہ دوں تو اب اس کو ثواب ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں ہوگا (بخاری، مسلم)

حضرت امام بخاری نے روایت کی ہے کہ حضرت سعد بن عبادہؓ نے نبی ﷺ سے پوچھا کہ میری ماں فوت ہوگئی ہے اگر اب میں اس کی طرف سے صدقہ دوں تو اسے نفع ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا ہاں ہوگا۔ حضرت سعدؓ نے کہا اب میں آپ ﷺ کو گواہ کرتا ہوں کہ میرا باغ میری ماں کی طرف سے صدقہ ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبل اور اصحاب سنن اربعہ نے حضرت سعد بن عبادہؓ سے روایت کی ہے کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے اپنی ماں کے لئے پوچھا کہ ان کو کون سا صدقہ نافع ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ پانی کا صدقہ نافع ہے۔ پس حضرت

سعد بن عبادہؓ نے ایک کنواں کھدوا کر اپنی ماں کے نام سے صدقہ کر دیا۔
طبرانی نے اوسط میں حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس گھر والے کسی میت کی طرف سے اس کی وفات کے بعد صدقہ دیتے ہیں تو حضرت جبرائیل نور کے طباقوں میں لگا کر اس کے پاس لے جاتے ہیں اور وہ نہایت خوش ہوتا ہے کہ اور اس کے پاس والے کہ جن کے پاس کسی نے ہدیہ نہیں بھیجا غمگین ہوتے ہیں۔ (قال النیلوی و فیہ نظر لا یخفیٰ)
بیہقی اور دیلمی نے روایت کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ مردہ قبر میں غریق (پانی میں غرق ہونے والے) کی مانند دعا کا منتظر رہتا ہے پس جب ماں باپ یا دوست خالص کی طرف سے اسے دعا پہنچتی ہے تو اس کو دنیا و مافیہا سے محبوب سمجھتا ہے اور بلا شک زندوں کی دعا کو قبر میں پہاڑ کی مانند بنا کر بھیجا جاتا ہے اور زندوں کی طرف سے مردوں کے لئے استغفار تحفہ ہے۔
غرض اور بہت سی احادیث اس مضمون کی کتب احادیث میں وارد ہیں اگر چہ الگ الگ اخبار آحاد (خبر واحد) میں سے ہیں لیکن احادیث کی کثیر تعداد کو دیکھ کر مسئلہ کا ثبوت یقینی ہو جاتا ہے اور سلف سے خلف تک کسی نے اس کا انکار نہ کیا ہو۔

## دلیل نمبر ۴

لیکن معتزلہ اس کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ ہر آدمی خاص اپنے اعمال سے نفع و

نقصان اٹھاتا ہے کیونکہ قرآن میں آیا ہے کہ وَاَن لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰی (اور انسان کے لئے وہی کچھ ہے جو اس نے کوشش کی) اور نبی ﷺ نے فرمایا اَلنَّاسُ مُجزُیونَ بِاعمَالِھِم (آدمیوں کو جزادی جائے گی ان کے اعمال پر)

## جواب نمبر ۱

جواب آیت کا یہ ہے کہ اول تو یہ آیت ہمارے مدعیٰ کے مخالف ہی نہیں کیونکہ مطلب اس آیت کا یہ ہے کہ جس کام کی انسان نیت کرے گا اس کام کے کرنے سے اس کی جزا ضرور ملی گی۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ لِکُلِّ امْرِیٍٔ مَا نَوٰی یعنی ہر آدمی کو وہی ملتا ہے جس کی وہ نیت کرتا ہے کہ ثواب کی نیت سے کرے گا تو ثواب پائے گا اور ناامیدی کے لئے کرے گا تو اُس کا بدلہ وہی دیا جائے گا۔ اس سے یہ نہیں نکلتا کہ دوسروں کے اعمال سے مردے کو نفع نہیں پہنچتا

## جواب نمبر ۲

اس آیت میں لام تملیک اور استحقاق کے واسطے ہیں یعنی انسان کو استحقاق اور تملیک اپنے ہی اعمال میں ہے۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ دوسرے کے اعمال سے اس کو نفع نہیں پہنچتا۔

## جواب نمبر ۳

للانسان میں لام علیٰ کی معنیٰ میں ہے اب اس آیت سے جس قدر آیات اور

احادیث اس مضمون کی ہیں مثلاً کُلُّ امْرِیٍٔ بِمَا کَسَبَ رَھِیْنٌ '(ہر آدمی نے جو کچھ کمایا ہے اس کے ساتھ پکڑا جائے گا) کیونکہ کسب سے مراد یہ ہے کہ کسی آدمی کو کسی کی بدی نہیں پہنچتی۔ کیونکہ یہ خلاف انصاف ہے برائی میں ہر شخص اپنے اپنے اعمال میں سزا پائے گا کسی کا عمل دوسرے کو نقصان نہ دے گا۔لیکن نیکی میں یہ حکم نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی مومن کا عمل ضائع نہیں کرتا جس شخص نے کسی کے لئے کوئی نیکی کی ہے۔اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کاملہ سے اس شخص کو بھی جس کے لئے نیکی کی ہے محروم نہیں رکھتا اور اس نیکی کرنے والے کو بھی اس کا اجر دیتا ہے۔

مالی عبادت کے ثواب پہنچنے میں سب اہل سنت متفق ہیں۔ ہاں بدنی عبادت میں اختلاف ہے۔ حضرت امام شافعیؒ انکار کرتے ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہؒ ان ہی دلائل سے عوم سے اس کو ثابت کرتے ہیں

دوسری اور بہت سی احادیث ان کے لئے ہیں چنانچہ حضرت امام بخاری وحضرت امام مسلم نے ام المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ نبیؐ نے فرمایا کہ جو شخص روزہ اپنے ذمہ پر لے کر مر جائے (یعنی اس کی ذمہ روزے رہ گئے ہیں) تو اس کی طرف سے کوئی قرابت دار ادا کر دے۔ مسلم نے روایت کیا ہے کہ ایک عورت نے نبی اکرم ﷺ سے پوچھا کہ میری ماں پر دو مہینے کے روزے واجب تھے۔ اگر اس کی طرف سے میں ادا کر دوں (یعنی ان کا کفارہ دے دوں) آیا کافی ہو جائیں گے۔ پھر اس کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا ہاں۔ پھر اس نے کہا کہ میری ماں نے کبھی حج نہ کیا تھا۔ اگر میں اس کی طرف سے حج کروں تو اس کو کافی ہوگا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا ہاں!

روزہ کا بدنی عبادت ہونا تو خود ظاہر ہے لیکن حج بھی بدنی عبادت ہے کیونکہ جس قدر ارکان حج ہیں ان میں کہیں روپیہ کی ضرورت نہیں۔

اس لئے کہ جو قربانی کی طاقت نہیں رکھتے ہیں ان کو روزے رکھنے کا حکم ہے۔

روپیہ فقط کعبہ پہنچنے کے لئے شرط ہے اور اسی سبب سے فقیر پر بھی کے میں پہنچنے سے حج واجب (فرض) ہوجاتا ہے۔اور اسی لئے سب اہل مکہ پر حج فرض ہے۔
میت کو بدنی عبادت کا نفع پہنچنا صاف ثابت ہو گیا۔اس لئے کہ میت پر کوئی چیز واجب نہیں رہتی ۔فقط زندگی میں تکلیف شرعی تھی (یعنی شریعت کے پابند تھے) پھر میت کی طرف سے واجب ادا کرنے کے یہی معنی ہیں کہ میت حالتِ حیات کے واجبات ترک کرنے کے سبب جو ماخوذ تھا (یعنی شریعت کی پکڑ میں تھا) اس وارث کے ادا کرنے سے رہا ہو گیا یہی نفع ہے۔پس جب یہ ثابت ہوا کہ کل مالی عبادت کا ثواب اور بدنی میں حج اور روزے کا ثواب میت کو پہنچتا ہے تو جمیع فقہاء اس بات پر متفق ہو گئے کہ قرآن کے پڑھنے کا اور اعتکاف اور نوافل وغیرہ عبادات بدنیہ کا بھی ثواب میت کو پہنچتا ہے۔
چنانچہ بیہقی نے شعب الایمان میں عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے مردے کو بند کر کے نہ رکھا کرو جلدی لے جایا کرو اور اس کے پاؤں کی طرف سورۂ بقرہ کا اخیر پڑھا کرو۔
اور امام احمد اور امام ابوداؤد اور ابن ماجہ نے معقل بن یسار سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرمؐ فرمایا ہے کہ اپنے مردوں (قریب الموت) کے پاس سورۂ یٰسین پڑھا کرو (ص ۱۷۴ تا ۱۷۷)

حضرت مولانا حقانی ؒ نے جو مطلب بیان کیا ہے آیت لیس للانسان الا ما سعی کا کسی آدمی کو کسی کی بدی نہیں پہنچتی کیونکہ یہ خلاف عدالت ہے بدی میں ہر شخص اپنے اپنے اعمال پائے گا کسی کا عمل اس کو ضرر نہ دے گا۔ یہی مطلب بعینہ کتب سابقہ میں ہمیں ملتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے اس کا حوالہ اپنے کلام میں دیا ہے اَم لَم یُنَبَّا بِمَا فِی صُحُفِ مُوسیٰ وَ اِبرَاھِیمَ الَّذِی وَفّیٰ اَن لَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِزرَ اُخریٰ وَاَن لَیسَ لِلاِنسَانِ اِلَّا مَاسَعیٰ یعنی کیا اس کو اس مضمون کی خبر نہیں کہ جو حضرت موسیٰؑ اور حضرت ابراہیمؑ کے صحیفوں میں ہے کہ کوئی گناہ کرنے والا دوسرے کے گناہ کو نہیں اٹھائے گا۔ اور انسان اسی چیز کا مالک ہے جو اس نے خود کمایا ہے۔

اب بھی ہم اس حوالہ کو بالکل صحیح پاتے ہیں باوجود یکہ تورات میں بہت زیادہ تبدیلی آچکی ہے تاہم جس مقام اور جس مسئلہ کا حوالہ قرآن پاک میں موجود ہے ہم اب بھی تورات میں اس کو موجود پاتے ہیں جس سے اہل سنت کا مسلک ثابت ہوتا ہے اور عیسائیوں کے کفارہ کی تردید ہوتی ہے۔ دیکھئے تورات سفر استثناء ۲۴ اور ور ۱۶ میں ہے

"اولاد کے بدلے باپ دادے نہ مارے جائیں نہ باپ دادوں کے بدلے اولاد قتل کی جائے۔ ہر ایک اپنے ہی گناہ کے سبب مارا جائے"

اسی طرح کتاب حزقیل ۱۸:۲۰ میں ہے کہ جو جان جو گناہ کرتی ہے سو ہی مرے گی۔ بیٹا باپ کی بدکاری کا بوجھ نہ اٹھائے گا اور نہ باپ بیٹے کی بدکاری کا بوجھ اٹھائے گا۔ اور شفاعت اور دعا کا دوسرے کے حق میں مفید ہونا بھی کتب سابقہ میں درج ہے چنانچہ تورات سفر العدد میں ۱۲:۱۹ میں ہے

موسیٰ کی دعا ہے کہ اب تو اپنی رحمت کی فراوانی سے اس امت کا گناہ بخش دیجئے جیسا تو مصر سے لے کر یہاں تک بخشتا رہا ہے۔ خداوند نے فرمایا کہ میں تو تیرے کہنے سے بخشتا رہا اور سفر خروج کا آٹھواں باب پورے کا پورا شفاعت کے بیان میں ہے۔ بنی اسرائیل نے جب گوسالہ پرستی کی اور ان پر خدا کا قہر ٹھیرا تھا تو اس وقت بھی حضرت موسیٰ کی شفاعت سے وہ قہر دفع ہوا چنانچہ سفر خروج باب ۲۳ میں ہے اور تواریخ دو ۳۰:۱۸ تا ۲۱ میں حضرت حزقیاہ کی دعا سے قصور معاف ہونے کا ذکر ہے۔

قرآن پاک تورات کی غلطیوں کی اصلاح کرتا ہے اور جس مسئلہ میں یہود یا نصاریٰ کا اختلاف ہو اس اختلاف کو ختم کرتا ہے چنانچہ جہاں ان کی تورات میں غلط بات لکھی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں صحیح بات بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ یعنی یہ ہیں اللہ تعالیٰ کے احکامات جنہیں ہم ٹھیک ٹھیک پڑھ سناتے ہیں آپ کو۔ یہ لفظ اسی لئے

بڑھایا کہ یہ قصہ یہود سن کر تردید کریں گے اور کہیں گے یہ قصہ ہماری کتابوں میں اس طرح نہیں جس طرح قرآن نے بیان کیا ہے اس لئے یہودی تردید کو در خور اعتناء نہ سمجھنا کیونکہ ان کی کتابوں میں باغیوں نے غلط لکھ دیا ہے۔ صحیح بات یہی ہے جو میں نے پڑھ سنائی ہے۔ اسی طرح جہاں یہود یا نصاریٰ اختلاف کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس اختلاف کو ختم کرتا ہے چنانچہ فرمایا وَمَا اَنزَلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ اِلَّا لِتُبَیِّنَ لَهُمُ الَّذِی اخْتَلَفُوا فِیْهِ ہم نے تجھ پر یہ کتاب اس لئے نازل کی ہے تا کہ آپ اس مسئلہ کو کھول کر اور واضح کر کے سنا دیں جس میں یہ اختلاف کر رہے ہیں۔

مگر جو مسئلہ صحیح تورات یا انجیل میں موجود ہو اس کا حوالہ قرآن میں دیا جاتا ہے۔ اس مسئلہ کا یہی حال ہے اگر یہ غلط ہوتا تو قرآن پاک میں اس مسئلہ کی ضرور تردید آتی۔ جیسے مسئلہ کفارہ (جو عیسائیوں کا عقیدہ ہے) کی تردید جگہ جگہ قرآن میں وضاحت سے موجود ہے

## الحاصل

کتب سابقہ، قرآن شریف کی آیات اور احادیث متواترہ سے یہ مسئلہ محقق اور مضبوط طریقے سے ثابت ہو گیا جس میں شک کی کچھ گنجائش نہیں اور یہی مسلک ہے ہمارے اور ہمارے مشائخ کا

# تعیین

## یوم ۔ تاریخ ۔ مکان

اب رہا یہ امر کہ عبادت جس کا ثواب دوسرے کو پہنچانا ہو اس کے لئے کوئی دن، مہینہ یا وقت یا کوئی جگہ معین و مقرر ہونی چاہیے یا نہیں؟

سو اس کے متعلق علمائے اصول نے لکھا ہے کہ اس امر کی دو قسمیں ہیں ایک مطلق دوسرا موقت (مقررہ وقت)۔

امر مطلق وہ ہے جس کا وقت شرع شریف نے مقرر نہیں فرمایا جب چاہے ادا ہو جاتا ہے جیسے زکوۃ۔ اور امر موقت وہ ہے جس کا وقت شرع شریف نے مقرر فرمایا ہے جیسے پانچ وقت کی نماز۔ رمضان شریف کے روزے۔

صدقہ خیرات کا شرع شریف نے کوئی خاص وقت مقرر نہیں فرمایا ہے کہ خاص فلاں مہینہ میں یا فلاں تاریخ کو دیا کرو ورنہ گناہ عائد ہوگا اور قضاء کرنا ہوگا۔ چنانچہ زکوۃ سارے سال میں ایک دفعہ صاحب نصاب پر فرض ہے اس کا مہینہ اور تاریخ مقرر نہیں اور آج لوگوں میں رجب المرجب کا مہینہ زکوۃ ادا کرنے کے واسطے مشہور ہے اس کا کچھ اصل نہیں چنانچہ علامہ محمد طاہر فتنی نے تذکرۃ الموضوعات ص ۱۱۷ میں لکھا ہے وَمِمَّا يُفْعَلُ فِي هٰذِهِ الْأَزْمَانِ إِخْرَاجُ الزَّكٰوةِ فِي رَجَبَ دُونَ غَيْرِهٖ لَا أَصْلَ لَهٗ یعنی آج کل جو دوسرے مہینوں کو چھوڑ کر صرف

رجب کے مہینوں میں زکوۃ نکالتے ہیں یہ بے سند بات ہے اس کا کوئی اصل نہیں اس طرح تخصیص ایام کی بابت علامہ محمد طاہرؒ نے بیان فرمایا وَلٰذا اکثرۃ اعتماد اَھلِ مَکّۃَ فِی رَجَبَ لَااَصْلَ لَہٗ یعنی مکہ شہر والوں کا خاص ماہ رجب میں کثرت سے عمرہ کرنے کی کوئی سند نہیں ہے اسی طرح فرمایا

وَمِمَّا اَحدَثَ العَوَامُ صِیَامُ اَوَّلَ خَمِیسٍ مِّن رَجَبَ وَ لَعَلَّہٗ یَکُونُ اٰخِرِ یَومٍ مِّنَ الجُمَادٰی و کُلُّہٗ بِدعَۃ

یعنی بعض ان امور میں سے جنہیں عوام نے اپنی طرف سے شرع میں نئی بات نکالی ہے ماہ رجب کی پہلی خمیس کا روزہ ہے اور شاید جمادی الاخریٰ کا آخری دن ہو اور یہ سب باتیں بدعت ہیں (تذکرۃ الموضوعات للفتنی ص ۱۱۷)

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جمعہ کی رات کو دوسری راتوں میں سے تہجد کی نماز کے لئے مخصوص نہ کرو اور نہ ہی دوسرے دنوں میں سے جمعہ کے دن کو روزہ رکھنے کے لئے مخصوص کرو مگر جن دنوں میں روزے رکھ رہا ہے (کفارہ یا قضاء کے یا رمضان کے یا ایام بیض وغیرہ کے) انہیں جمعہ کا دن آجائے تو اس جمعہ میں روزہ رکھنا جائز ہے۔ (مشکوۃ ص ۱۸)

**فوائد** جتنی تعظیم و تخصیص شرع میں آئی ہے وہ تو ثابت ہے۔ کرنی چاہیے اگرچہ مشابہت ہو کسی کے ساتھ۔ لیکن اپنی طرف سے تعظیم و تخصیص نہ کرے۔ یا

جب منع کا یہ ہے کہ بندے کو چاہیے کہ سب اوقات میں عبادات وطاعات میں مشغول ہو اور ہمیشہ امیدوار رحمت الٰہی رہے ایک وقت کو مخصوص کرنا اور دیگر اوقات میں معطل رہنا کچھ نہیں (مظاہر حق ص ۱۷۹)

اسی لئے حضرت مُلا علی قاریؒ نے فرمایا کہ

أَرَادَ الشَّارِعُ أَنْ يَأْخُذُوا مِنْ كُلِّ وَقْتٍ حَظَّهُمْ مِنَ الصِّيَامِ وَلَا يَخُصُّوا كُلَّ نَوْعٍ مِنَ الْعِبَادَةِ بِبَعْضِ الْأَيَّامِ كَمَا هُوَ مَذْهَبُ الْعَوَامِّ

(مرقاۃ ج ۴ ص ۲۹۵)

یعنی شارع کا مقصد تو یہ ہے کہ نماز روزہ کا حصہ ہر وقت کو دینا چاہیے یہ نہیں کر سکتے کہ عبادت میں سے کسی قسم کی عبادت کا اپنی طرف سے کوئی کوئی دن مخصوص کریں

مولانا قطب الدین صاحب نے لکھا ہے کہ دلیل پکڑی ہے ساتھ اس (حدیث) کے علماء نے اوپر مکروہ ہونے اس نماز مبتدعہ کے کہ نام اس کا صلوٰۃ الرغائب ہے کہ رجب کے پہلے جمعہ کی شب میں پڑھتے ہیں اور علماء نے بہت سی کتابیں اس کی برائی میں اور گمراہی اسکے نکالنے والے کی میں لکھی ہیں ا ۔ خ ۔ (مظاہر حق ص ۱۷۹)

امام بخاریؒ نے باب ھل یخص شیئا من الایام کے تحت حدیث لکھی ہے کہ حضرت علقمہؒ نے حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا کہ آیا رسول اللہ ﷺ کسی عبادت

کیلئے کوئی دن مقرر فرماتے تھے؟ تو حضرت ام المومنینؓ نے جواب دیا نہیں بلکہ آپ کا عمل دائمی ہوتا تھا (صحیح بخاری شریف ص ۲۶۷)

علامہ عینیؒ نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کا عمل حسب خوشی ہوتا تھا آگے فرماتے ہیں کہ ابن التین نے بعض اہل علم سے نقل کیا ہے کہ اِنَّهٗ يُكْرَهُ اَنْ يَّتَحَرّٰى يَوْمًا مِّنَ الْاُسْبُوْعِ بِصِيَامٍ لِهٰذَا الْحَدِيْثِ کہ ہفتہ میں ایک خاص دن مقرر کر کے روزہ رکھنا اسی حدیث کی وجہ سے مکروہ ہے

(عمدۃ القاری ۱۱ص ۱۰۷)

بحر الرائق میں ہے جب اللہ کا ذکر کسی مخصوص وقت میں کرنا مقصود ہو یا ایک خاص شے مقصود ہو تو وہ جائز نہ ہوگا جب تک کہ شرع میں اس کی تخصیص وارد نہ ہو۔

اسی طرح حضرت امام قرطبی نے تذکرہ قرطبیہ میں لکھا ہے کہ زمان یا مکان کے ساتھ کسی عبادت کو خاص نہیں کر سکتے جس میں نبی اکرم ﷺ نے تخصیص نہ فرمائی ہو اور اس کو عقائد میں شمار کرنا دلیل ہے اس امر کی کہ وہ حرام ہے۔ آگے لکھا کہ جو لوگ کسی عبادت کا وقت معیّن کر لیتے ہیں (جس کا شرع نے وقت معیّن نہیں کیا) اور دعویٰ کرتے ہیں کہ اس طرح کرنے سے دن کے کام میں فضیلت زیادہ ہوتی ہے تو وہ بدعتی ہیں الیٰ آخر ما قال۔

## تعین یوم اور اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی

سوال:- تین برس کے بچے کی فاتحہ "دوجہ" کی ہونا چاہیے یا "سوم" کی ہونا چاہیے بینوا توجروا۔

جواب:- شریعت میں ثواب پہنچانا ہے دوسرے دن ہو خواہ تیسرے دن۔ باقی یہ تعین عرفی ہیں جب چاہیں کریں۔ انہیں دنوں کی گنتی ضروری جاننا جہالت و بدعت ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم. کتبہ عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ بمحمد المصطفےٰ النبی الامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (مجموعہ فتاویٰ ج۴ کتاب الحظر والاباحۃ قلمی ص ۳۱۰)

## مطلق اور مقید

اصول فقہ کا قاعدہ یہ بھی ہے کہ حکم مطلق کو اپنے اطلاق پر رکھیں اور مقید میں قید کا لحاظ رکھیں کیونکہ مطلق اور مقید ایک دوسرے سے الگ ہیں۔ ان کے درمیان منافاۃ ہے تو مطلق کا حکم مقید کے حکم کے مطابق کرنا ناجائز ہے کیونکہ اس صورت میں دو خرابیاں لازم آتی ہیں

❶ اطلاق والی صفت کو ناکارہ بنانا

### ❷ بغیر دلیل کے قید والی صفت ثابت کرنا

تو اسطرح مطلق حکم پر زیادتی کرنا لازم آئے گا اور مطلق میں وقت کی قید نہیں ہوتی چنانچہ علامہ سرخسیؒ اپنے اصول فقہ میں تحریر فرماتے ہیں بَیْنَ الْمُطْلَقِ وَ الْمُقَیَّدِ مُغَایَرَةٌ عَلٰی سَبِیْلِ الْمُنَافَاةِ فَلَا یَجُوْزُ اَنْ یَّکُوْنَ حُکْمُ الْمُطْلَقِ مَا هُوَ حُکْمُ الْمُقَیَّدِ فِیْمَا یَثْبُتُ التَّقْیِیْدُ بِهٖ لِاَنَّ فِیْ ذٰلِکَ اِلْغَاءَ صِفَةِ الْاِطْلَاقِ وَاِثْبَاتُ الْمُقَیَّدِ مِنْ غَیْرِ دَلِیْلٍ.................. اَلْمُطْلَقُ غَیْرُ الْمُقَیَّدِ بِوَقْتٍ (اصول سرخسی ج ا ص ۲۷ تا ۲۹)

پھر علامہ نظام الدین صاحب شاشی لکھتے ہیں وَلَا یَتَمَکَّنُ الْعَبْدُ مِنْ تَغْیِیْرِهٖ یعنی بندہ کے بس میں نہیں ہے کہ مطلق کو اپنی طرف سے قید بڑھا کر تبدیل کر دے۔ اصول شاشی

پھر فرمایا وَاِنْ لَّمْ یُعَیِّنِ الشَّرْعُ لَهٗ وَقْتاً فَلَا یَتَعَیَّنُ الْعَبْدِ بِالنِّیَّةِ یعنی اگر شرع شریف نے اس کا وقت مقرر نہیں کیا تو بندے کے معین کرنے سے نیت کے ذریعے معین نہیں ہوگا۔

پھر اسکی وجہ بتائی تَعْیِیْنُ الْعَبْدِ لَایُغَیِّرُ حُکْمَ الشَّرْعِ (اصول شاشی ج ۲ ص ۳۶) بندے کا معین کرنا کوئی حیثیت نہیں رکھتا شرع شریف کے حکم میں تبدیلی کی اجازت نہیں دی جا سکتی کیونکہ الْمُطْلَقُ یَجْرِیْ عَلٰی اِطْلَاقِهٖ وَلَا یَتَقَیَّدُ

بوصف اَوقید مِن قِبَلِ الرَّایِ وَالسَّمعِ وَلَا یُحمَلُ عَلَی المُقیدِ اِلَّا اِذَا تَعَذَّرَ الجَمعُ یعنی مطلق مطلق ہی رہتا ہے اس کو اپنی رائے سے کسی صفت یا قید کے ساتھ مقید نہیں کیا جا سکتا اور مطلق کو مقید پر حمل نہیں کر سکتے۔ ہاں جہاں ناممکن ہو تو مطلق کو مقید پر حمل کیا جا سکتا ہے (حاشیہ اصول شاشی ص ٦)

تو ان قواعد کو مدنظر رکھ کر بھی ہم حکم خداوندی اَنفِقُوا فِی سَبِیلِ اللّٰہِ کو مقید نہیں کر سکتے نہ کسی جگہ کے ساتھ نہ کسی وقت کے ساتھ نہ کسی کیفیت کے ساتھ نہ کسی کمیت کے ساتھ اور جو چیز راہِ خدا میں دی جارہی ہے اس کی تخصیص بھی نہیں کر سکتے کیونکہ مطلق حکم خداوندی کو مقید کرنا اور عدم حکمِ خداوندی کو مخصوص کرنا بندہ کو جائز نہیں بندہ کو حکم شرع میں تبدیلی کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ بندہ محکوم ہے حاکم نہیں ہے۔ اِنِ الحُکمُ اِلَّا لِلّٰہِ

## النَّذرَ لِغَیرِ اللّٰہِ

یاد رہے کہ یہ ساری تقریر جواب تک آپ پڑھ چکے ہیں یہ اس صورت میں ہے جب کہ کوئی چیز محض اللہ تعالیٰ کے نام پر دی جائے اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہو اور اللہ تعالیٰ کی ذات کی رحمتِ غیر متناہیہ سے ثواب کا امیدوار ہوتے ہوئے یہ کہے کہ اے رب میں نے یہ چیز جو محض تیری رضا کے لئے دی ہے اس کا

جو ثواب تو اپنی رحمت و فضل سے مجھے عطا فرمائیگا یا جو عبادت تیری رضا کیلئے میں نے کی ہے اس کا جو ثواب تو اپنی رحمت و فضل سے مجھے دے گا وہ ثواب میں نے اپنی خوشی رضا سے فلاں بندے کو دیا ہے آپ اس کو دیں۔ اس کا جواز ہے اور قرآن و حدیث سے ثابت ہے مگر اپنی طرف سے زمان مکان کم کیف وغیرہ کی قیدیں لگانا منع ہیں۔ اس طرح بدعت بن جاتی ہے یہ طریقہ ایصالِ ثواب کا سنت نہیں رہتا۔

اس کی ایک دوسری صورت بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ آدمی کوئی چیز اس لئے دیتا ہے کہ وہ پیر یا فقیر جس کے نام پر میں چیز دے رہا ہوں یہان کا حصہ ہے وہ اس پر خوش ہوں گے وہ میری امداد فرمائیں گے اور اس خیر خیرات کی برکت سے ہمارے مال اور اولاد میں برکت اور ترقی ہوگی وغیرہ وغیرہ۔ تو اس کا حکم جدا ہے اس کی تفصیل سننے کے لئے پہلے نذر کا مفہوم بیان کرنا ضروری ہے۔

اگر کوئی شخص مصیبت وغیرہ میں یوں کہے کہ اگر میری مصیبت ٹل جائے تو میں اللہ کے نام پر دودھ دوں گا یا جلیبیاں تقسیم کروں گا یا جانور ذبح کروں گا یا روزے رکھوں گا یا سو رکعت نماز نفل ادا کروں گا یا حج کروں گا یا اعتکاف بیٹھوں گا تو یہ نذر اللہ کی ہوگی اسی کو منت، منوتی اور نیاز بھی کہتے ہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ مصیبت زدہ نہ ہو یونہی کہہ دے کہ خدا کے نام کا میرے

ذمے ایک ہفتہ کا روزہ لازم ہے ایک عشرہ کا اعتکاف میرے ذمے لازم ہے یا میں اتنی چیزیں اللہ کے نام کر دوں گا اللہ تعالیٰ مجھ پر راضی ہو جائے اور مجھے ہر طرح کے مصائب سے محفوظ رکھے۔

نذر کی ان ہر دو صورتوں میں نذر ماننے والے کا یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ جس کے نام پر میں یہ نذر مان رہاں ہوں یعنی اللہ تعالیٰ وہ میری ہر بات کو جانتا ہے وہ عالم الغیب ہے اسے مافوق الاسباب طاقت ہے نافع وضار ہے اگر یہ نذر مان کر میں نے اس کو پورا نہ کیا تو مجھے تکلیف دے سکتا ہے۔

یہ نذر عبادت ہے اللہ تعالیٰ ہی کے لئے مخصوص ہے جیسے بحرالرائق ۲ص ۲۹۸ ردالمختار ۲ص ۱۳۹ فتاویٰ خیریہ اص ۱۷ا و عالمگیر ط ہند اص ۱۳۹ و نہر الفائق وغیرہ کتب میں صراحۃ موجود ہے

اب اگر یہ نذر کی دو صورتوں میں سے کوئی سی ایک صورت میں بھی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی غوث قطب وابدال پیر فقیر ولی نبی کے لئے مان لی جائے تو یہ نذر غیر اللہ کی اور عبادت غیر اللہ کی بن جائے گی کیونکہ ان دونوں صورتوں میں غیر اللہ کو غیب دان متصرف فی الامور مافوق الاسباب مانا گیا ہے لہٰذا ایسی نذر شرک ہوگی اگر غیر اللہ کے نام پر اس اعتقاد سے کوئی چیز حسب قول فقہا (خصوصاً فقہائے احناف کثرہم اللہ تعالیٰ) حرام ہوگی چنانچہ ردالمختار میں لکھا ہے کہ اِعلَم اَنَّ

النَّذرَ الَّذِی یَقَعُ لِلاَموَاتِ مِنَ العَوامِ وَمَا یُوخَذُ مِنَ الزَّیتِ والشَّمعِ وَ نَحوِهَا مِمَّا یُنقَلُ اِلٰی ضَرَائِحِ الاَولِیَاءِ الکِرَامِ تَقَرُّبًا اِلَیهِم فَهُوَ بِالاِجمَاعِ بَاطِلٌ وَّ حَرَامٌ وَقَدِ ابتُلِیَ النَّاسُ بِذٰلِکَ وَلَا سِیَّمَا فِی هٰذِهِ الاَعصَارِ یعنی اکثر عوام جو مرے ہوؤں کے لئے نذر دیتے ہیں اور جو تیل چراغ وغیرہ اولیاء کی قبور کی طرف ان کا قرب حاصل کرنے کے لئے لائے جاتے ہیں۔ اس پر تمام امت محمدیہ علی صاحبہا الف صلوٰۃ و تحیۃ کا اجماع اور اتفاق ہے کہ یہ سب کچھ باطل اور حرام ہیں اور خصوصاً عہد حاضر کے لوگ اس حرام کام میں مبتلا ہو چکے ہیں پھر ابن عابدین شامیؒ اس پر حاشیہ لکھتے ہیں وَلَو نَذَرَ زَیتًا لِاِیقَادِ قِندِیلٍ فَوقَ ضَرِیحِ الشَّیخِ اَوفِی المَنَارَةِ کَمَا تَفعَلُ النِّسَاءُ مِن نَذرِ زَیتٍ سَیِّدِی عَبدِ القَادِرِؒ وَیُوقَدُ فِی المَنَارَةِ جِهَةَ الشَّرقِ بَاطِلٌ وَاَقبَحُ مِنهُ النَّذرُ بِالقِرَاءَةِ فِی المَنَارَةِ مَعَ اشتِمَالِهٖ عَلَی الغِنَاءِ وَاَکعَبَ وَاِیهَابُ ثَوَابِ ذٰلِکَ اِلٰی حَضرَةِ المُصطَفٰی صَلَّی اللّٰهُ عَلَیهِ وَسَلَّمَ یعنی مزار پر یا منارہ میں چراغ روشن کرنے کے لئے تیل چراغ وغیرہ چیزیں اولیاء اللہ کے تقرب کے لئے اور مشرق میں منارہ کے اندر روشن کیا جاتا ہے باطل ہے اور اس سے بھی قبیح ترین امر یہ ہے کہ منارہ میں گانے بجانے کے ساتھ تلاوت قرآن مجید اور اس کا ثواب حضور ﷺ کو پہنچانے

کی نذر ماننے۔

جب کوئی شخص اپنی حاجات میں اولیائے کرام کے تقرب کے لئے نذر مانتا ہے تو اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اب وہ ولی، نیک بندہ میری نذر پر مطلع ہے اور میری مدد کرے گا اسی کا نام تقرب ہے اسی لئے ابن نجیم نے حرمت کی وجوہات میں سے ایک وجہ یہ بھی لکھی ہے وَمِنهَا اَنَّهُ ظَنَّ اَنَّ المَيِّتَ يَتَصَرَّفُ فِي الاُمُورِ دُونَ اللّٰهِ تَعَالىٰ وَ ذٰلِكَ كُفرٌ وَاَنَّ الاَولِيَاءَ الكِرَامَ يَتَصَرَّفُونَ فِي الاُمُورِ مِنَ النَّفعِ والضَّرَرِ وَذٰلِكَ كُفرٌ یعنی ان وجوہ حرمت میں سے ایک وجہ حرمت کی یہ بھی ہے کہ اس نذر ماننے والے نے یہ گمان کرلیا ہے کہ میت کا موں میں تصرف کرتا ہے اللہ کے نیچے حالانکہ یہ عقیدہ کفر ہے۔

حضرت ابن العابدین صاحبؒ نے فرمایا لَم يَثبُت فِي الشَّرعِ جَوَازُهٗ لِلاِجمَاعِ عَلىٰ حُرمَةِ النَّذرِ لِلمَخلُوقِ لِاَنَّهٗ حَرَامٌ بَل سُحتٌ وَلَا يَجُوزُ لِخَادِمِ الشَّيخِ اِلَّا اَن يَكُونَ فَقِيرًا فَيَجُوزُ اَخذُهٗ عَلىٰ سَبِيلِ الصَّدَقَةِ المُبتَدَاءَةِ وَاَيضًا مَكرُوهٌ تَحرِيمًا مَا لَم يَقصِدِ النَّاذِرُ التَّقَرُّبَ اِلىٰ اللّٰهِ تَعَالىٰ وَيَقطَعِ النَّظرُ عَن نَذرِ الشَّيخِ وَيَقصِد صَرفَهٗ عَلىٰ الفُقَرَاءِ یعنی مخلوق کے لئے نذر ماننے کی حرمت پر اجماع ہونے کی وجہ سے شرع شریف میں اس کا جواز ثابت نہیں ہے کیونکہ یہ حرام ہے اور خادم شیخ

کے لئے بھی اس کا لینا جائز نہیں۔ ہاں فقیر ہو تو صدقہ کے طور پر لے لینا جائز ہے اور جب تک نذر دینے والا التقرب إلى اللہ کا ارادہ نہ رکھے۔ شیخ کی نذر سے قطع نظر نہ کرے اور فقیروں پر اس کے خرچ کرنے کا قصد نہ کرے۔ اس کا لینا مکروہ تحریمی ہے۔

اور پہلے بحر الرائق کا حوالہ گزر چکا ہے کہ من جملہ وجوہ حرمت کے ایک وجہ حرمت کی یہ بھی ہے کہ نذر عبادت ہے اور عبادت کرنا غیر اللہ کی کفر ہے۔

ان عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر غیر اللہ کی نذر دیں اور اعتقاد یہ ہو کہ فلاں پیر یا پیغمبر میرے حالات سے واقف ہیں اور مافوق الاسباب کام میں میرے متصرف ہیں تو ایسی نذر حرام ہے اور نذر دینے والا کافر ہے۔ اس صورت کو کسی نے مکروہ نہیں لکھا بلکہ تمام اسے کفر و شرک اور حرام قطعی کہتے ہیں۔ لینے اور کھانے کی اجازت صرف ایک صورت میں لکھتے ہیں کہ بادشاہ مسلمان ہو مشرکوں پر فتح پائے ان کے بتوں کو توڑے ان کی نیازات چھین لے تو کھانا جائز ہے یا وہ نذر دینے والا عقیدۂ شرکیہ سے توبہ کرے پھر وہ چیز بطور ایصال ثواب دے تو اس کا لینا دینا اور کھانا کار ثواب ہے۔ ح۔

## تفسیر احمدی

تفسیر احمدی میں جو لکھا ہے کہ اولیاء اللہ کی نذر و نیاز کھانا جائز ہے اس کا مطلب یہ ہو کہ ناذر کا مشرکانہ عقیدہ بدل گیا۔ تب اس کا کھانا جائز ہے جیسا کہ اس کے متعیہ سے مترشح ہوتا ہے اور شاہ عبدالعزیز کا فرمان آ رہا ہے

اگر کسی نے نذر غیر اللہ جانور اسی عقیدہ مشرکانہ کے تحت ذبح کر دیا اس کے بعد اس کا مشرکانہ عقیدہ اسلامی عقیدہ میں تبدیل ہو گیا تب بھی اس جانور کا کھانا حرام ہے کیونکہ اس کے مشرکانہ عقیدہ کے لئے اس کا فعل مختص ہو چکا ہے۔ لیکن یہ خیال رہے کہ بوجہ ملک کسی کا بکرا وغیرہ کہنا درست ہے۔ مثلاً فلاں کی بھینس ہے یا فلاں کا بکرا ہے یہ جائز ہے کیونکہ وہ اس کا مالک ہے یہ نسبت اضافۃ کی گئی ہے۔ مگر کسی کے تقرب کے لئے نامزد کرنا حرام ہے۔ مثلاً پیر کے لئے بکرا ہے کیونکہ پیر صاحب مالک نہیں (ان المیت لا یملک)

لا ید للمیت (۳ص ۲۱۰ ھدایہ) لان الید للحی لا للمیت ۳ص ۲۰۰ ھدایہ

یہاں تقرب ہوتا ہے اور اگر یہ نیت ہو کہ اس کا ثواب فلاں بزرگ کی روح کو پہنچے تو یہ جائز ہے بلکہ بطور صدقہ کسی کے نام پر کوئی چیز مقرر کرنا منع نہیں جس طرح حضرت سعدؓ نے اپنی ماں کے لئے کنواں بطور تصدق بنایا تھا۔

عبادات مالیہ کا ثواب بخشنا اتفاقاً جائز ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں اور غیر اللہ

کی نذر کی حرمت پر اجماع ہے۔ نزاع البتہ اس میں ہے کہ جو نذریں عوام دیتے ہیں کیا ان میں غیر اللہ کا تقرب مراد ہوتا ہے یا نہیں اس لئے اسے بعض نے مکروہ تحریمی لکھا ہے۔ اور جو نذر اولیاء اللہ کے تقرب کے لئے دی جائے اس کو سب نے حرام قطعی لکھا ہے۔ کسی امام کا اس میں اختلاف نہیں اختلاف عوام الناس کی نذروں میں ہے کہ وہ غیر اللہ کی تقرب کے لئے ہوتی ہیں یا تصدق کے لئے اگر کوئی جانور اولیاء اللہ کے تقرب کے لئے نذر دیا جائے تو وہ ناذر (نذر ماننے والا) مرتد ہوگا اور اگر اسی ارادے کے تحت اس نے ذبح کیا تو وہ ذبیحہ مرتد کا ہوگا اگرچہ ذبح کے وقت بسم اللہ اللہ اکبر کہے (تفسیر رازیؒ ۲ ص ۸۱)

تفسیر نیشاپوری ۲ ص ۱۲۰ میں ہے وقال علماء نا لو ان مسلما ذبح ذبیحۃ و قصد بذبحھا التقرب الیٰ غیر اللہ صار مرتد او ذبیحتہ ذبیحۃ مرتد ولو ذکر اسم اللہ علیہ یعنی ہمارے علماء نے فرمایا ہے کہ اگر کسی مسلم نے جانور ذبح کیا اور اس سے غیر اللہ کے تقرب کا قصد کیا تو وہ مرتد ہو گیا اور اس کا مذبوحہ مرتد کا مذبوحہ ہے اگر چہ اس پر اللہ کا نام لیا جائے

(فتاویٰ شاہ عبدالعزیزؒ)

قال فی الروض ان المسلمَ اذا ذَبحَ لِلنَّبیِّ صَلّی اللّٰہ عَلَیہِ وسَلّم کَفرَ فَکَیفَ بِالذِّبحِ لِسَائرِ الاَموات

صاحب الروض نے فرمایا کہ جب کسی مسلمان نے نبی علیہ السلام کے تقرب کے لئے ذبح کیا تو کافر ہو گیا تو تمام دیگر اموات کے لئے ذبح کرنے سے کیسے کافر نہ ہوگا **وفی مسند احمد لَعَنَ اللّٰهُ مَن ذَبَحَ لِغَيرِ اللّٰهِ ای لِتَعظِيمِ غَيرِ اللّٰهِ**

مسند احمدؒ میں ہے کہ جس نے غیر اللہ کی تعظیم کے لئے ذبح کیا خدا اس پر لعنت کرے

فتاوی غرائب لابی عبید اور فتاوی ابواللیث میں ہے مہمان کی خاطر جانور ذبح کرنے کی دو صورتیں ہیں ایک صورت تو یہ ہے کہ اللہ کی تعظیم اور اللہ کا قرب مقصود ہو تو اس سے وہ جانور حرام نہیں ہوتا دوسری صورت یہ ہے کہ مہمان کی تعظیم اور اس کا قرب مقصود ہو تو تب یہ جانور حرام ہوگا اور ذبح کرنے والا مشرک ہوگا کیونکہ ذبح کے معاملہ میں غیر اللہ کو اللہ کیساتھ تعظیماً شریک کیا تو **مَا اُهِلَّ لِغَيرِ اللّٰهِ** کے تحت آ گیا پھر اس کے حلال ہونے کی شرط ہے کہ اپنی خالص نیت تقرب اللہ کی کرے (پہلے عقیدہ سے توبہ کر کے) اور نئے سرے سے بسم اللہ اللہ اکبر کہے اور ذبح کرے اور اگر خالص تعظیم الٰہی کا ارادہ ذبح کے وقت نہ تھا بلکہ آدمی (وغیرہ) کا تقرب مقصود تھا تو اس جانور کے ذبح کے وقت اگرچہ بسم اللہ اللہ اکبر پڑھے تب بھی حلال نہ ہوگا سو اس بناء پر جو جاہل لوگ پیر فقیروں کے قبور

پر یہ کام کرتے ہیں ............ یہ سب حرام ہیں اگرچہ ذبح کے وقت اللہ کا نام لیں بلکہ اس طرح وہ کافر ہو جاتے ہیں شیخ امام ابو عبداللہ خراخزی اور شیخ امام ابو حفص سکروری اور قاضی امام ابو علی نسفی اور حاکم ابو عبدالرحمٰن کاتب اور شیخ امام عبدالواحد اور شیخ ابو اسحٰق توقدی اور حاکم ابو محمد کنینی وغیرہ صاف اس کو کافر کہتے ہیں (فتاویٰ غرائب ورق ۲۹۹ ص ۱)

امیر (بادشاہ) اور اس کے سوا کسی بڑی ہستی کے آنے پر جو جانور ذبح کیا اگرچہ اس پر بسم اللہ اللہ اکبر پڑھا جائے وہ ما اہل بہ لغیر اللہ ہے۔لہٰذا وہ حرام ہے اور اگر مہمان کو کھلانے کے لئے ذبح کیا تو یہ حلال کیونکہ مہمان کی خاطرداری کرنا خدا کا حکم ہے۔امام بزازیؒ نے کہا ہے کہ جو اس کو حلال نہیں سمجھتا ہے تو اس نے قرآن وحدیث اور عقل کے بھی خلاف کہا۔ کیونکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ قصّاب نفع کی خاطر جانور ذبح کرتا ہے۔ اگر اس کو یہ پتہ ہو کہ یہ نجس ہے تو وہ ذبح ہی نہ کرے تو اس جاہل پر لازم ہے کہ قصاب کا ذبح کیا ہوا نہ کھائے اور نہ وہ گوشت کھائے جو کہ ولیموں، شادیوں اور عقیقہ کے لئے تیار کیا جاتا ہے۔اور اصل میں فرق کرنے والی چیز یہ ہے کہ اگر کھانے کے لئے لایا ہے تو ذبح اللہ کی رضا کے لئے ہوئی اور فائدہ مہمان کو ہوا یا ولیمہ کا کھلانا ہوا یا شادی یا عقیقہ یا بیچ کر نفع مقصود ہے۔

اور اگر کھانے کے لئے نہیں لایا بلکہ دوسرے کی تعظیم مقصود ہے تو یہ لغیر اللہ بن کر حرام بن گیا اب رہی یہ بات کہ وہ ذبح کرنے والا کافر ہے یا نہ؟ اس میں دو قول ہیں منیہ کی کتاب الصید میں لکھا ہے کہ یہ فعل مکروہ ہے مگر وہ آدمی کافر نہیں ہوتا کیونکہ مسلمان کے متعلق ہم یہ بدظنی نہیں رکھتے کہ مسلمان ہو کر کسی آدمی کا تقرب حاصل کرے اس ذبح کے ذریعے کیونکہ مسلمان کی شان سے یہ امر بعید ہے بلکہ ظاہر ہے (رد المختار ۵ ص ۲۷۰، بحر الرائق ۸ ص ۲۶۹)

قرطبی نے لکھا ہے کہ ابن عطیہ نے حسن بصری سے نقل کیا ہے کہ ان سے مسئلہ پوچھا گیا کہ ایک عورت نے دعوت محض خاوند کی خوشنودی کے لئے بنائی جس میں کئی اونٹ ذبح کیے تو حسن بصری نے فتویٰ دیا کہ وہ گوشت نہ کھایا جائے کیونکہ یہ اونٹ صنم (بت) کے تقرب کے لئے ذبح کیئے گئے ہیں (گویا خاوند بمنزلہ بت کے سمجھا گیا)

نیز قرطبی نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت نقل کی ہے کہ آپؓ سے پوچھا گیا کہ عجمی لوگ اپنی عیدوں کے دنوں میں جانور ذبح کر کے مسلمانوں کو بطور تحفہ کے بھیجتے ہیں ان کا کھانا جائز ہے یا نہ؟ آپؓ نے فرمایا اس دن جو ذبح کیا گیا ہے اس میں سے مت کھاؤ۔ اور ان کے درختوں کے پھل کھا سکتے ہو (تفسیر ابن کثیر ۶ ص ۳۸۲)

تفسیر عبد الصمد میں ہے امام ابو عاصم عامری محمد بن احمد نے ذکر فرمایا ہے کہ اگر بادشاہ شہر میں داخل ہو اور لوگ اس کے تقرب کے لئے جانور ذبح کریں اور ان کا خون بہائیں تو اس میں سے کچھ بھی لینا جائز نہیں کیونکہ یہ ما اہل بہ لغیر اللہ ہے اور اس ذبح سے غیر کا تقرب حاصل کیا گیا ہے۔

امام جصاص حنفیؒ نے فرمایا ہے کہ ہمیں علم ہے کہ منکر اپنے جانور ذبح کرتے وقت بسم اللہ پڑھیں پھر بھی کھایا نہ جائے...... اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت میں اس امر کی تصریح فرمائی کہ مشرک لوگوں کی ذبیحہ حرام ہے اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیں یا نہ لیں (احکام القرآن ۳ص ۷)

جس پر غیر اللہ کا نام پکارا جائے یعنی مشہور کیا جائے تو اگرچہ بسم اللہ پڑھ کر اس کو ذبح کیا جائے بہر حال وہ حرام ہے۔ تمام علماء کا اس پر اجماع ہے کہ اگر ذبح میں غیر اللہ کا تقرب مقصود ہو تو وہ خود مرتد ہے اور اس کا ذبیحہ حرام ہے (حاشیہ بیضاوی ص ۱۲۳)

یہ فعل حرام ہے اور مجوسی کے ذبح کردہ جانور کی طرح یہ ذبح حلال نہ ہوئی بلکہ مردار ہے (حاشیہ کنز ص ۸۸) جو مردوں کے معتقدین ان کی قبروں پر ذبح کرتے ہیں وہ ما اہل بہ لغیر اللہ ہے۔ بتوں کے نام ذبح کیا ہوا اور اسکے درمیان کچھ فرق نہیں ہے (فتح حاشیہ جامع البیان ص ۲۶)

# اِمامِ رَبَّانیؒ کا عقیدہ

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ نے فرمایا ہے جن جانوروں کو لوگ اپنے مشائخ کی نذر کرتے ہیں اور ان کی قبروں کے سرہانے جا کر ان جانوروں کو ذبح کرتے ہیں فقہی روایات میں اس عمل کو شرک میں داخل کیا ہے اور اس معاملہ میں انہوں نے بڑا زور دیا ہے اور اس ذبح کو ان ذبائح جن کے قبیل سے شمار کیا ہے کہ یہ شرعی ممنوع ہے اور داخلِ شرک۔ اس عمل سے بھی بچنا چاہیے کہ اس میں شرک کی ملاوٹ ہے یہ کس کام کی بات ہے کہ جانور کے ذبح کی نذر مانیں اور اس کو ذبح کریں اور جنوں کی مذبوحہ کے ساتھ ملحق کر کے جن کے پجاریوں کے ساتھ تشبہ پیدا کریں (مکتوب ۴۱ دفتر سوم ص ۷۰ از مکتوبات امام ربانی)

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا وَجَعَلُوا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاءُ مِنَ الحَرثِ وَ الاَنعَامِ نَصِيباً فَقَالُو اهذَا لِلّٰهِ بِزَعمِهِم وَهٰذَالِشُرَكَائِنَا فَ مَا كَانَ لِشُرَكَائِهِم فَلَايَصِلُ اِلَى اللّٰهِ وَ مَاكَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَائِهِم سَاءَ مَايَحكُمُونَ .

اور یہ کافر اللہ کی پیدا ہوئی کھیتی اور اسی کے پیدا کیے ہوئے مویشیوں میں سے ایک حصہ اللہ کا مقرر کر دیتے ہیں پھر یہ کافر اپنے خیال فاسد کی بنا پر یوں کہتے ہیں کہ اتنا حصہ اللہ کا اور اتنا حصہ ہمارے مقرر کردہ معبودوں کا ہے پھر جو حصہ ان کے مقرر کردہ بتوں کا وہ تو اللہ کی طرف نہیں پہنچتا اور جو حصہ اللہ کیلئے ہے وہ ان کے معبودوں کی طرف پہنچ جاتا ہے کیا ہی برا ہے وہ حکم جو یہ کافر لگاتے ہیں۔

**فوائد** زمانہ جاہلیت میں مشرکین کا طریقہ تھا کہ وہ اپنی کھیتی میں سے اور مویشی کے بچوں میں سے اور درختوں اور تمام مالوں میں سے ایک حصہ تو اللہ تعالیٰ کا نکالتے تھے اور ایک حصہ بتوں کی نیاز نکالتے تھے تو جو حصہ اللہ تعالیٰ کے لئے مقرر کرتے تھے وہ مہمانوں اور مسکینوں پر صرف کر دیتے تھے اور جو بتوں کے لئے مقرر کرتے اگر اس میں سے کچھ بتوں والوں کے حصہ میں مل جاتا تو اسے چھوڑ دیتے اور اگر بتوں والوں کے حصہ میں سے کچھ اس میں ملتا تو اس کو نکال کر پھر بتوں ہی کے حصہ میں شامل کر دیتے اور بہانہ یہ کرتے تھے کہ اللہ تو غنی ہے اس کا حصہ کم ہو جائے تو کیا پروا ہے خلاف بتوں کے کہ وہ ایسے نہیں (تماشا یہ ہے کہ وہ یہ کہہ کر بھی شرماتے نہ تھے کہ جو ایسے محتاج ہوں ان کو معبود و مستعان ٹھہرانا کہاں کی عقلمندی ہے۔ بہرحال ان آیات میں سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ سے مشرکین کی اس تقسیم کا رکارڈ کیا گیا ہے۔ یعنی خدا کی پیدا کی ہوئی کھیتی اور مویشی میں سے

اول تو اس کے مقابل غیر اللہ کا حصہ لگانا، پھر بری اور ناقص چیز خدا کی طرف رکھنا کس قدر ظلم اور بے انصافی ہے۔ جو کوئی لنگر کی تعریف ہمارے نزدیک کریگا اس کو دونوں جہان میں خوشی ملے گی

کھنڈ ادھیائے ۳۷ ص ۹۵ حصہ دوم کرشن نے فرمایا ہم دوارکا میں گئے اور واسطے حصول فتح کے دشمنوں پر آپ من کی ہدایت سے کابدآ سرم میں سات ماہ تک شیو کی عبادت کی کھنڈ آدھیائے اول ص ۱۷۷ حصہ دوم بشن ان بیرہما کو فرمایا چترک پہاڑ پر شہر آباد کر کے لنگ قائم کر۔ ہم دستر تھے کے اوتار لے کر وہاں مقیم ہوں گے۔ بہرڈ نڈک بن کو جا کر پرمیشور یعنی خداوند رام النگ کو قائم کریں گے اس کی خدمت کر کے بعد حصول بر کے رواں کو نابود کریں گے۔ بدوں خدمت شیو کے کوئی کام انجام پذیر نہیں ہوتا۔ یہ بات ہم راست کہتے ہیں اس لئے تم کو واجب ہے کہ شیولنگ کو قائم کر کے جنگ شروع کرو۔ ہم رام اوتار لے کر ان ستش اسی مقام پر کریں گے۔ کھنڈ ۱۱۸ ادھیائے ۲ ص ۱۱۰ حصہ ۱۰۔ چنانچہ شیو اس مقام پر ظاہر ہوئے جن کے درشن کو ہجوم دیوتوں و تیشر وں کا ہوا تھا اور تمام تیرتھ وڑا آئے بشن وغیرہ سب کے قول سے یہ قرار پایا کہ واسطے عبادت کے شیو سے زیادہ کوئی اور اعلیٰ نہیں کیونکہ بید کا یہی حکم پایا گیا۔ کھنڈ ۱۲ ادھیائے ۳۷ ص ۲۱ حصہ اول ومبری برمہاجی فرماتے ہیں وہاں سب جنگ شیو وغیرہ نے ان کی پوجا کر کے پر

نام کیا۔ اور جو کوئی ان کی پرستش کرتا ہے اس کے بلاشبہ سب کام بر آتے ہیں۔ انہوں نے سب قسم کی اپنے بھگتوں کو نجات دی ہے

(حاشیہ تحفۃ الہند ص ۵۵ تا ۵۶)

کرشن یعنی کہنیا۔ رام چندر دسرت کا بیٹا سیتا اس (رام چندر) کی بیوی۔ لچھمن اس (رامچندر) کا بھائی۔ ان کی مورتیں پوجتے ہیں اور ان کی تعظیم میں گاتے ڈھولک سارنگی وغیرہ بجاتے ناچتے کودتے (تحفۃ الہند ص ۵۴،۵۵)

دیکھئے بشن۔ مہادیو۔ سورج۔ نارائن۔ برہم۔ شیو۔ کرشن کہنیا۔ رام چندر۔ لچھمن۔ سیتا وغیرہ۔ یہ سب ہندوؤں کے اعتقاد میں بزرگ اور واجب التعظیم ہستیاں ہیں وہ انسان تھے جو فوت ہو چکے ہیں اب وہ ان کی مورتیاں بنا کر ان مورتیوں کو قبلہ سمجھ کر ان کی طرف منہ کر کے ان بزرگوں کی عبادت پوجا اور تعظیمی امور بجا لاتے ہیں وہ ان پتھروں کو جنہیں اپنے ہاتھ سے گھڑتے اور رکھتے پھرتے ہیں، وہ اتنا نہیں پوجتے جتنا تم نے سمجھ رکھا ہے اسی لئے تحفۃ الہند والے نے ہندوؤں کے سوال اور مسلمانوں کی طرف سے جواب کو ذیل کی تعبیر سے ادا فرمایا ہے

اور جو کوئی ہندو یہ کہے کہ یہ معاملہ (عبادت اور پوجا پاٹ) اصل میں ان بزرگوں سے ہے جن کا نمونہ ہیں بت۔ تو اس کا جوب یہ ہے کہ عبادت اس کی کیجئے جس

نے سب کچھ بنایا اور سب اسی کے محتاج اور سوالی ہیں اور وہ سب کا سوال پورا کر سکتا ہے اور ہر چیز کو ہر وقت جانتا دیکھتا ہے اور ہر کسی کی فریاد ہر وقت سنتا اور پر لے سرے کا زور رکھتا ہے (ص ۵۴) اس سے پہلے لکھتے ہیں کہ ہندوؤں کے معبود بے شمار ہیں چنانچہ ان معبودوں کے نام پر طرح طرح کے بت بنا کر پوجتے ہیں اور ان کی تعظیم میں سولہ کام بجا لاتے ہیں۔

1. آباہن یعنی منتر پڑھ کر دیوتا کو بلانا
2. سنگھاسن یعنی پیتیل وغیرہ کا تخت بت کے نیچے رکھنا
3. سنان یعنی غسل دینا
4. لیپن یعنی چاول چڑھانا
5. اچھت یعنی پھول چڑھانا
6. پشپ یعنی پھول چڑھانا
7. نی ویدیعنی بھوگ لگانا
8. اچمان یعنی پانی پلانا
9. تنبول یعنی پان وغیرہ چڑھانا
10. بستر یعنی پوشاک پہنانا
11. بھوشن یعنی زیور پہنانا

⓬ دھوپ یعنی خوشبو جلانا

⓭ دیپ یعنی چراغ دکھانا

⓮ یعنی دیپ یعنی چراغ دکھانا

⓯ استت یعنی سراہنا

⓰ پرکرما یعنی طواف کرنا

اور بعض اور امور تعظیم کے بھی کرتے ہیں چنانچہ

⓱ ساشٹانگ ڈنڈوت یعنی سات آٹھ اعضاء کی سجدہ کرنا اور اس سے دین و دنیا کی حاجات طلب کرنا پھر

⓲ بسرجن کرنا یعنی منتر پڑھ کر دیوتا کو رخصت کرنا۔

الحاصل تقریر بالا سے اتنا تو معلوم ہوگیا کہ مشرک اپنے بزرگوں کی پوجا کرتے ہیں جن کو وہ شکتی مان (مقدور والا) سمجھتے ہیں مثلاً چاند کے متعلق ان کا عقیدہ ہے کہ چاند نرے من کا بڑا بیٹا ہے کہ پالنے والا جہان کا ہے (حاشیہ تحفۃ الہند ص ۶۰) اور بت صرف ان بزرگوں کی یادگار ہوتی تھی جیسے آج کل فوٹو یادگار ہوتے ہیں۔

## ایک مشہور اعتراض

سوال:- یہاں سے ایک سوال اٹھتا ہے کہ یہ تو مذمت ان مشرکین کی ہے جو کہ بتوں کے نام کا ایک حصہ مقرر کر لیتے تھے اور آج کل جو مسلمان ہیں یہ بتوں کے لئے تو حصہ مقرر نہیں کرتے یہ تو خدائے تعالیٰ کے برگزیدہ اولیاء اللہ پیر و فقیر اور پیغمبروں کو ماننے والے ہیں تم خواہ مخواہ ان عاشقانِ اولیاء اور فدایانِ انبیاء علیہم السلام پر بتوں والی آیات چسپاں کرتے ہو یہ کہاں کا انصاف ہے۔

## اعتراض کا جواب

اس شخص کی زبانی سنیں جسکے آباؤ اجداد ہندو برہمن تھے اور خود بھی ایک عرصہ تک ہندو رہا پھر اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و رحمت سے مشرف با اسلام کیا۔ پھر ہندوؤں کے ساتھ مناظرے بھی کرتا رہا اور اس طرح بہت سے ہندو سکھ مشرف با اسلام ہوئے یعنی عبید اللہ سابق اننت رام پسرِ کوٹے مل ساکن پایل ریاست پٹیالہ "مہا بھارت فصل راج دھرم میں ہے سری کشن گفت کہ من از روئے اعتقاد پرستش برہمناں می کنم و ہر صباح دست بر سینہ نہادہ ہزار بار نام مہادیو را تسبیح می کنم "اسکندھ پوران ادھیائے ۲۱ بشن بھگواں نے فرماید" وقتیکہ جلندھر از دستِ من کشتہ نمی شد بسیار عبادتِ مہادیو کردہ ام اسکنڈھ پوران ادھیائے ۵۱۔ ایک دن

سورج نے کاشی میں آ کر نارائن کہ بصورت لنگ ہو وہاں تھا اس کی پوجا کرے اور عرض کیا کہ آپ سب کے خالق اور رب اور مارنے والے ہیں۔ کوئی آپ سے بڑا ہے جس کو پوجتے ہو؟ فرمایا میں مہادیو کی پوجا کرتا ہوں۔

اسکندھ پوران ادھیائے ۹: ہر کہ پرستش سورج گذاشتہ دیگر دیوتا رامی پرستد بدوزخ می رود تمام بیدرا پرستش سورج ضرور است۔

مہا بھارت کی موچھ دھرم میں ہے کہ نرآور فارآن نے نارد سے کہا ہم اس کو پوجتے ہیں جو مخفی ہے اور اس کے سوا کوئی لائق پرستش کے نہیں اور برہما اور مہادیو وغیرہ اس کے حکم سے دیوتا اور بھیرون کو پوجتے ہیں۔

مہابھارت کے بن پرب میں ہے کہ کشن جیو نے پانڈوں سے آگ کی پوجا کرائی

گنیش پوچھ دھرم میں ہے کہ بھیشم پابن نے کہا اول بیاس را سجدہ می کنم بعد ازاں کپل دو کیشر اں دیگراں را۔

شیو پوران گھنڈواں ادھیائے ۷ ص ۲۳ حصہ اول میں لکھا ہے کہ برہما بشن نے مہادیو سے کہا کہ ہم کو طریقہ پرستش کا بتلائے فرمایا۔ میں نے جو تم کو ہر لنگ کی صورت دکھائی تھی واجب ہے کہ اس کی پرستش کرو۔ دنیا و عقبیٰ میں خوشی ہو گی۔ آفت کے وقت ہمارے لنگ کی پرستش جو کوئی کرے گا اس کے تمام گناہ حل ہو جائیں گے۔

## ہندوؤں کا اعتراض

اس مقام میں ہندوؤں کا یہ سوال ہے کہ اے مسلمانو! تم نے جو ............. ہمارے دین پر اعتراض کئے ہیں سو یہ سارے اعتراض تمہارے دین پر بھی آتے ہیں اور سوائے خدا کے اوروں کو معبود ٹھیرانا اور حاجت روا اور نفع نقصان کا مختار سمجھنا تمہارے دین میں بھی ہے۔ ہم اکثر مسلمانوں کو دیکھتے ہیں کہ کوئی کسی کی قبر کو پوجتا ہے, ناک رگڑتا ہے, چڑھاوا چڑھاتا ہے حاجات طلب کرتا ہے, کوئی سید سلطان کے نام کا جانور ذبح کرتا ہے, کوئی سوا من کا روٹ دیتا ہے, کوئی حضرت امام ضامن کا پیسہ بازو پر باندھ کر ان کو اپنا اپنا نگہبان جانتا ہے, اور کسی نے حضرت پیر دستگیر کو اپنا معبود ٹھیرا رکھا ہے اور اپنی حاجت روائی کے واسطے ان کی گیارہویں کرتا ہے اور کوئی ان کی قبر کی طرف منہ کر کے ہاتھ باندھ کر گیارہ قدم چلتا ہے اور کہتا ہے یا شیخ عبد القادر شیئاً للّٰہ یعنی عبد القادر کچھ دو واسطے خدا کے, اور کوئی کہتا ہے یا شیخ عبد القادر المدد, اور کوئی کہتا ہے یا محی الدین تم بن کون لے میری خبر, اور کوئی کہتا ہے بو ہر شتاب خبر لے میراں! کیوں اتنا چہ لایا ہے (یعنی دیر لگائی) اور کوئی کہتا ہے اول محی الدین آخر محی الدین ظاہر محی الدین باطن محی الدین, اور کوئی پیر دستگیر کے نام پر چراغ جلا کر ان کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوتا ہے, اور کوئی پیر دستگیر کے نام پر جھنڈا کھڑا کر کے اس کی

تعظیم کرتا ہے اور کوئی حضرت امام حسینؓ کا تعزیہ بنا کر رزق اور اولاد طلب کرتا ہے کوئی سالار اور شاہ مدار سے حاجات مانگتا ہے، اور کوئی خواجہ معین الدین کی قبر سے مال و زر طلب کرتا ہے، اور کوئی پیروں سے نفع کی امید اور نقصان کا خوف رکھ کر ان کی نیاز دیتا ہے جیسے بابا فرید شکر گنج کی کھچڑی، شاہ عبدالحق کا توشہ حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کا کونڈا، حضرت عباس (رضی اللہ عنہ) کی حاضری تین کوڑی کی نیتر پیر نصیر کی، پیر نبوی کا نمک، بندگی صاحب کی قبر کا غلاف، اور کوئی حضرت شاہ قمیص کی قبر کو پوجا کرتا ہے، اور کوئی حضرت بو علی قلندر کی قبر کی پوجا کرتا ہے، اور کوئی حضرت شیخ صدر الدین مالیری کی قبر کو پوجتا ہے بکری وغیرہ چڑھاتا ہے، اور کوئی شاہ عنایت ولی کے نام پر چراغ جلاتا ہے اور نیاز مانتا ہے، اور کوئی کسی کے نام پر مٹھی نکالتا ہے اور کوئی کسی کے حق میں جب دعا کرتا ہے تو اللہ کے نام کے ساتھ اوروں کے نام ملا دیتا ہے، اور کوئی کہتا ہے کہ اللہ اور پنج تن تجھ کو راضی رکھیں، اور کوئی کہتا ہے اللہ اور پیری مشکل آسان کریں، اور کوئی کہتا ہے اللہ اور رسول تجھ پر فضل کریں، اور کوئی کہتا ہے اللہ اور غوث الاعظم تیری مراد پوری کریں، اور کوئی کہتا ہے کہ پیر صاحب محبوب پاک تجھ کو خوش رکھے، اور بعض پیر زادے کہتے ہیں دادا پیر تجھ کو خوش رکھے، جدّ پاک تیری حاجت بر لاوے اور کوئی اللہ کے نام کی طرف بزرگوں کے نام کا وظیفہ کرتا ہے جیسے کوئی کہتا ہے یا علی کوئی

کہتا ہے یا حسین۔ کوئی کہتا ہے یا میراں کوئی کہتا ہے یا ٹھیکہ اور یہ بھی جانتے ہیں یہ بزرگ ہماری فریاد ہر وقت سنتے ہیں۔ اور ہمارے حال کی خبر رکھتے ہیں۔ اور بعض لوگ اپنے پیر کی صورت کا تصور باندھتے ہیں اس عقیدہ سے کہ پیر کو ہمارے حال کی خبر ہے اور کوئی اپنے بیٹیوں کی زندگی اپنے پیروں سے مانگتا ہے اور اولاد کے جیتے رہنے کی ان کے نام پیروں کی طرف نسبت کرتا ہے۔ کوئی اپنی اولاد کا نام امام بخش رکھتا ہے، کوئی پیر بخش، کوئی علی بخش، کوئی حسن بخش، کوئی حسین بخش، کوئی میراں بخش، کوئی سالار بخش، کوئی عبدالنبی، کوئی عبدالرسول اور کوئی اپنی اولاد کے سر پر کسی پیر کے نام کی چوٹی رکھتا ہے، کوئی کسی کے نام کی بدھی ڈالتا ہے۔ جیسے محرم میں لڑکوں کے گلے میں سرخ ڈورے ڈالتے ہیں۔ سبز کپڑے پہناتے ہیں اور کوئی بابا فرید کے نام کی بیڑی ڈالتا ہے اور کوئی کسی کے نام پر جانور ذبح کرتا ہے، اور کوئی کسی کے نام کی قسم کھاتا ہے اور کوئی لڑکوں کی بیماری میں سیتلا کو پوجتا ہے کسی کی عورت میراں زین خان کے نام پر بیٹھک دیتی ہے، اور بعض مرد اور عورت جانوروں کی آواز سے بدشگونی وغیرہ لیتے ہیں اور بعض تمہارے ملاں کتاب میں فال دیکھ کر کسی کو بتلاتے ہیں کہ تجھ پر پیر صاحب خفا ہیں اس واسطے تیرا لڑکا بیمار ہے، کسی کو بتلاتے ہیں کہ تجھ پر سید سلطان کی خفگی ہے اس واسطے تجھ پر رزق کی تنگی ہے۔ ان کی نیاز ادا کر یا اور کسی کو سیاہ پری لال پری کی ناراضگی

بتلاتے ہیں اور ان کی پوجا کرواتے ہیں۔

اور ہم جو اپنے معبودوں کے نام پر سالگرام اور مہادیو کا لنگ وغیرہ رکھ لیتے ہیں تم لوگ بھی اپنے پیروں کے نام کی چھڑی اور جھنڈی کھڑی کرتے ہو۔

اور ہم اپنے معبودوں کی مورتیں بنا کر پوجتے ہیں تم قبروں کی صورتیں بنا کر پوجتے ہو۔ جیسے تعزیہ، پیر خانہ، چلہ خانہ، چنانچہ لدھیانہ میں ایک خانقاہ پیر صاحب کے نام سے مشہور ہے اور وہاں جا کر سیکڑوں آدمی سجدہ کرتے ہیں چڑھاوا چڑھاتے ہیں، روشنی کرتے ہیں۔

اور ہم دیوی کے نام پر جت (چراغ) جلاتے ہیں اور تم بڑے پیر کے نام پر چراغ جلاتے ہو اور ہمارے بلدیو کا چبوترہ ہے۔ تمہارے امام کا چبوترہ ہے اور ہمارا ٹھاکر دوارہ ہے اور تمہارے امام کا دوارہ ہے امام باڑہ ہے۔

اور ہم کشن جی کی عبادت میں گاتے بجاتے ناچتے کودتے ہیں تم اپنے پیر کے نام پر مجلسیں تیار کر کے ڈھولک سارنگی طبلہ بجوا کر راگ سنتے ہو ناچتے کودتے ہو اور تمہارے دین کے بڑے بزرگ صوفی اس طور کی مجلس کو عبادت سمجھتے ہیں اور اس میں وضو کر کے بیٹھتے ہیں اور بعض مسلمان قبروں کی تعظیم میں کسبیاں بھی نچواتے ہیں اور ہم پر تم نے اعتراض کیا تھا کہ ہندو کھیل تماشے کو عبادت سمجھتے ہیں۔ دیکھو یہ مجلس اور طبلہ سارنگی اور کسی کا ناچ بھی تو کھیل اور تماشا ہی ہے۔

پھر جب کہ یہ سب قباحتیں اور سوائے خدا کے اوروں کو نفع نقصان بخشنے والا سمجھنا تمہارے دین میں بھی موجود ہے پھر ہم پر تمہارا اعتراض بے جا ہے۔

## اعتراض کا جواب

ہماری تمہاری گفتگو دین کے مقدمہ میں ہے۔ اور ہمارے دین کا اصل قرآن اور حدیث ہے اور تمہارے بید اور شاستر ہیں۔ سو ہم نے تمہارے دین کے جن کاموں پر اعتراض کیا ہے سو وہ سب کام تمہارے بید اور شاستروں میں روا ہیں۔ جو ہم نے جھوٹ کہا تو تم ہمارا ہاتھ پکڑ کر کہو کہ یہ بات تمہارے دین میں روا نہیں اور تم نے ہم پر جو اعتراض کیا ہے کہ تمہارے دین میں سوائے خدا کے اوروں کو معبود ٹھیرانا دوست ہے اور سوائے اس کے اور بہت سی باتیں جو بے سمجھ مسلمانوں میں رائج ہیں ان پر تم نے من بھر کر اعتراض کر لئے۔ سو یہ اعتراض ہمارے دین پر نہیں آ سکتے۔ ان باتوں میں ہمارے دین میں ایک بھی روا نہیں اور یہ سب باتیں قرآن و حدیث کے برخلاف ہیں اور ایسی باتوں کو ہمارے دین میں شرک اور بدعت کہتے ہیں

شرک یعنی کسی اور کو اللہ کا شریک بنانا اور بدعت وہ کام ہے کہ حضرت پیغمبر ﷺ کے زمانے میں اور ان کے اصحاب ؓ کے وقت میں نہ ہو اور لوگ اس کو دین کا کام سمجھنے لگیں

اور ہمارے دین میں شرک اور بدعت کے برابر اور کوئی گناہ نہیں ہے۔ اور یہ کام بعض جاہل مسلمانوں نے تمہارے ہندوؤں کی صحبت سے اختیار کر لئے ہیں سو ان کا کچھ اعتبار نہیں۔ کچھ ہمارے دین میں یہ کام جائز نہیں بلکہ سراسر مخالفت حکم اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے ہیں اور ہمارے دین میں جتنا شرک کی برائی کا ذکر ہے اتنا اور چیز کا نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَ یَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ یعنی اللہ شرک کو نہ بخشے گا اور سوا اس کے جس کو چاہے بخشے گا اور اپنے حبیب محمد ﷺ فرماتا ہے قُلْ لَّآ اَمْلِکُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰہُ وَلَوْ کُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَکْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ وَّ بَشِیْرٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ یعنی تو کہہ دے اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم کہ میں اپنی جان کے بھلے برے کا مالک نہیں۔ مگر جو اللہ چاہے اور اگر میں غیب کی بات جانا کرتا تو بہت خوبیاں جمع کر لیتا اور مجھ کو برائی (تکلیف) کبھی نہ پہنچتی ۔ میرا کام یہی ہے کہ عذاب سے ڈراتا ہوں اور بہشت کی خوشی سناتا ہوں ایمان والوں کو دیکھو کہ یاؤ: دیکھ حضرت رسول اللہ کا مرتبہ سارے جہان سے زیادہ ہے۔ اللہ نے نفع اور نقصان کا مالک اور غیب دان ان کو بھی نہیں کیا۔ پھر اور کسی سے نفع نقصان کی امید اور خوف رکھنا اور اس کو غیب دان سمجھ کر حاجت طلب کرنا

کہاں درست ہوا۔ حدیث شریف میں آیا ہے اَلطِّیَرَۃُ شِرْکٌ یعنی جانوروں کی آواز وغیرہ سے شگون لینا شرک ہے اور حدیث شریف میں آیا ہے مَنْ اَتٰی عَرَّافًا فَسَئَلَہٗ عَنْ شَیْءٍ لَمْ یُقْبَلْ لَہٗ صَلٰوۃُ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَۃً یعنی جو کوئی آدمی خبر غیب بتانے والے کے پاس یعنی جیسے کاہن اور نجومی اور رمل پھینکنے والے یا فال دیکھنے والے یا ہمن وغیرہ کے پاس غیب دان سمجھ کر کچھ پوچھنے جائے اس کی چالیس دن کی نماز قبول نہیں ہوتی۔

جن آسمانوں پر جا کر کچھ خبریں فرشتوں سے سن کر سچ میں جھوٹ ملا کر بعض آدمیوں آ کر بتلا دیتے ہیں۔ ان آدمیوں کو کاہن کہتے ہیں۔ حضرت محمد ﷺ کے عہد میں جنوں کا آسمان پر چڑھنا بند ہو گیا

حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک نبی رمل کا خط کھینچا کرتا تھا۔ جس کا خط اس کے موافق ہو وہ درست ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ ہم کو خط کا موافق ہونا معلوم نہیں۔ سو ہمارے لئے روا نہیں قرآن مجید سے فال دیکھنا مکروہ ہے

حدیث میں ہے کہ لَعَنَ اللّٰہُ مَنْ ذَبَحَ لِغَیْرِ اللّٰہِ یعنی لعنت کرے اللہ اس شخص پر کہ سوائے خدا کے اور کی تعظیم میں جانور ذبح کرے

ایک اور حدیث شریف میں آیا ہے مَنْ حَلَفَ لِغَیْرِ اللّٰہِ فَقَدْ اَشْرَکَ یعنی جس نے قسم کھائی سوائے خدا کے اور کسی کی پس تحقیق وہ شخص مشرک ہوا۔

تفسیر عزیزی میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے حضرت محمد ﷺ سے کہا مَا شَاءَ اللّٰہُ وَ شِئْتَ یعنی جو اللہ اور تم چاہو وہ ہوگا۔ حضرت محمد نے فرمایا جَعَلْتَنِیْ لِلّٰہِ نِدًّا بَلْ مَاشَاءَ اللّٰہُ وَحْدَہٗ یعنی تو نے مجھے اللہ کا شریک ٹھیرایا یوں نہیں بلکہ یہ کہو وہی ہوگا جو چاہیگا اللہ اکیلا۔ اس سے معلوم ہوا یوں کہنا کہ اللہ اور رسول تجھ کو خوش رکھے یا اللہ اور رسول گواہ ہیں اور اللہ اور پیر صاحب تیری حاجت روا کرے درست نہیں۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ یَسْئَلُ اَحَدُکُمْ رَبَّہٗ حَاجَتَہٗ کُلَّھَا حَتّٰی یَسْاَلَ الْمِلْحَ وَیَسْاَلُ شِسْعَ نَعْلِہٖ اِذَا انْقَطَعَ یعنی ہر کسی کو چاہیے کہ اپنی حاجتیں اپنے رب سے مانگے یہاں تک کہ نمک بھی اللہ تعالیٰ ہی سے مانگے اور جوتی کا تسمہ ٹوٹ جائے وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی سے مانگے

غرض کہ سب چھوٹی بڑی حاجات اللہ ہی سے مانگے۔

## نیاز غیر اللہ شرک؟

کتاب فوز الکبیر میں لکھا ہے کہ شرک آں ہست کہ غیر خدائے را صفات مخصہ خدا اثبات نماید۔ مثل تصرف در عالم بارادہ کہ تعبیر ازاں بہ کُن فَیَکُوْنُ می شود یا عالم ذاتی وغیر اکتسابی بحواس و دلیل عقلی و منام یا الہام و مانند آں یا ایجاد شفائے

مریض یا لعنت کردن و ناخوش بودن از وتا بسبب آن کراہیت تنگدست یا بیمار و شقی گردد۔ یا رحمت فرستادن بر شخصے تا بسبب آں رحمت فراخ معیشت و صحیح بدن باشد۔ یعنی شرک وہ ہے کہ اللہ کی خاص صفتوں میں کسی اور کو شریک بنا دے یعنی اگر سوائے اللہ کے کسی اور کے حق میں یہ اعتقاد کرے کہ وہ جو چاہے اسی وقت ہو جائے یا اس کو بغیر حواس جیسے دیکھنے اور سننے وغیرہ کے اور بدون دلیل عقلی اور بدون خواب یا الہام کے علم حاصل ہوتا ہے یا وہ جس شخص پر خفگی اور پھٹکار کرے وہ شخص تنگدست یا بیمار یا آفت میں مبتلا ہو جائے اور جس شخص پر رحمت کرے وہ شخص تندرست یا فراخ گزران ہو جائے یا وہ کسی بیمار کو شفا بخش دے تو اس عقیدے سے شرک لازم آتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے سوائے اور کسی سے رزق یا بیماری کی صحت اور عمر درازی کا مانگنا اور اس کی خفگی سے ڈر کر یا اس کے نفع کی امید رکھ کر نیاز دینی شرک ہے۔

## اولیاء اللہ کے نام کا ورد کرنا اور شرکیہ نام رکھنا

تفسیر عزیزی میں لکھا ہے لہٰذا ہمسر کنندگاں در غیر عبادت پس بسیار از اں جملہ اند کسانیکہ ورد کردیگراں را بجد ا ہمسری کنند نام دیگراں را مانند نام خدا بہ طریق تقرب ذکری نمایند و از اں جملہ اند کسانیکہ در ذبح و نذر و قربانیہا با خدا دیگراں را

ہمسری کنند وازاں جملہ اند کسانیکہ در نام نہادن پسر خود را بندۂ فلاں و عبد فلاں می گویند این ہمہ شرک در تسمیہ است وازں جملہ اند کسانیکہ در دفع بلا ہا دیگراں رای خوانند۔ وہم چنین در تحصیل منافع بدیگراں رجوع می نمایند بالاستقلال نہ آنکہ توسل باآں دیگراں نمایند آنتہی

اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالٰی کے نام کی مانند اور کسی کے نام کا وظیفہ کرنا اور عبدالرسول اور بندہ علی، اور عبدالنبی اور بندۂ حیدر علی ہذا القیاس حسین بخش پیر بخش میراں بخش۔ پیراں دیا۔ نگاہیہ۔ دسوندھیا۔ محبوب بخش۔ قلندر بخش۔ بوعلی بخش۔ امام بخش۔ سلطان بخش سلطانی مسانیا وغیرہ اولاد کے نام رکھنے اور سوائے خدا کے اور کے نام پر جانور ذبح کرنا یا نذر منت ماننی یا بلا کے دور ہونے کے واسطے کسی کو پکارنا اور نفع نقصان اس سے سمجھنا یہ سب کام شرک کے ہیں۔ اور کسی بزرگ کا وسیلہ پکڑنا جیسے یوں کہنا یا الٰہی میں فلاں حضرت کی محبت کا وسیلہ پکڑ کر تجھ سے مانگتا ہوں کہ تو میری فلاں مشکل آسان کردے یا حل کردے۔

درمختار میں لکھا ہے کہ مَا یَفْعَلُوْنَ مِنْ تَقْبِیْلِ الْاَرْضِ بَیْنَ یَدَیِ الْعَلَمَاءِ الْعُظَمَاءِ فَحَرَامٌ وَ الْفَاعِلُ وَالرَّاضِیْ اِثْمَانِ یعنی علماء اور بزرگوں کے سامنے زمین بوسی کرنی حرام ہے اور کرنے والا اور اس پر راضی ہونے والا دونوں گنہگار ہیں۔

غرض ہمارے دین میں سوائے اللہ کے کسی اور کو معبود ٹھیرانا اور حاجت روا مشکل کشا اور نفع نقصان کا مالک سمجھنا درست نہیں ہے بلکہ شرک ہے۔

## طبلہ سارنگی بطور عبادت

اور یہ جو تم نے کہا کہ صوفی لوگ کھیل اور تماشے کی مجلس کو عبادت سمجھتے ہیں سو اس کا جواب یہ ہے کہ صوفی بننا بہت مشکل ہے اور ہمارے دین میں صوفی اس کو کہتے ہیں کہ اپنے نفس کی خواہشوں کو چھوڑ کر بالکل شریعت کا تابع ہو اور ریاضت اور مجاہدہ سے اپنے دل کو صاف کرے

اور یہ لوگ جو طلبہ سارنگی وغیرہ سنتے ہیں سو بے سمجھی اور غفلت کے سبب سے ایسی مجلسوں میں آتے جاتے ہیں۔ سچے صوفی وہ ہیں جن کے افعال اور اخلاق بہت نیک ہوتے ہیں اور صوفیوں کے نزدیک ایک دم بھی خدا کی یاد سے غافل ہونا درست نہیں۔ کھیل اور تماشے کا تو ذکر کیا ہے۔ ہمارے دین میں کھیل اور تماشا بہت منع ہے جیسے فرمایا اللہ تعالیٰ نے سورۃ انعام میں وَذَرِ الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا یعنی چھوڑ دے ان کو جنہوں نے ٹھہرایا دین اپنا کھیل اور تماشا اور بھلا دیا ان کو دنیا کی زندگی نے۔

اور سورۃ لقمان میں وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ

سَبِیلِ اللّٰہِ بِغَیرِ عِلمٍ وَّ یَتَّخِذَ ھَا ھُزُوًا اُولٰئِکَ لَھُم عَذَابٌ مُّھِینٌ
یعنی بعض آدمی ایسے ہیں جو خریدتے ہیں کھیل کی باتوں کو تا کہ پھسلادیں اللہ کی راہ سے بن سمجھے اور ٹھیراویں اس کو ہنسی وہ جو ہیں ان کو ذلت کا عذاب ہے۔

قرآن کے مفسر لکھتے ہیں کہ یہ آیت راگ باجے کی مذمت میں نازل ہوئی ہے۔

اور مشکوٰۃ شریف میں لکھا ہے کہ اَمَرَنِي رَبِّي بِمَحقِ المَعَازِفِ وَالمَزَامِیرِ
یعنی حکم کیا مجھ کو میرے رب نے واسطے مٹانے معازف اور مزامیر کے۔ مَعَازِف ان باجوں کا نام ہے جو ہاتھوں سے بجائے جائیں۔ اور مزامیر وہ جو منہ سے بجائے جائیں۔

اور ہمارے دین کے چار امام مجتہد فقہ کے بڑے مشہور ہیں حضرت امام ابوحنیفہؒ حضرت امام شافعیؒ حضرت امام احمد بن حنبلؒ حضرت امام مالکؒ سو ان چاروں کے نزدیک باجوں کے ساتھ راگ سننا حرام ہے۔

اور ہمارے صوفیوں کے اس زمانے میں چار طریق بڑے مشہور ہیں قادری سہروردی نقشبندی چشتی۔ سو ان چاروں طریقوں میں حضرت محبوب سبحانی قطب ربانی شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کہ قادری طریق کے امام ہیں انہوں نے کبھی ایسی مجلس نہیں کی۔ بلکہ کتاب غنیۃ الطالبین کہ ان کی تصنیف ہے اس میں انہوں نے یوں فرمایا ہے ھٰذَا اِذَا کَانَ خَالِیاً عَنِ المُنکَرِ فَاِن حَضَرَہٗ مُنکَرٌ

کَالطَّبلِ وَالمِزمَارِ وَالعُودِ وَالنَّایءِ وَ الرَّبَابِ وَالمَعَازِفِ وَالطَّنَابِیرِ وَالشَّبَن وَالشَّابَة والجعفر ان الَّذِی یَلعَبُ بِهِ التُّرکُ لَایَجلِسُ هُنَاکَ لِاَنَّ کُلَّ ذٰلِکَ مُحَرَّمٌ یعنی یہ مجلس جب جائز ہے کہ گناہ سے خالی ہو۔ سو اگر حاضر ہو اس میں کوئی گناہ کی بات جیسے طبلہ اور مزمار اور عود اور بانسری اور رباب اور معازف اور طنبورے اور شین اور شابہ اور جعفران جس سے ترک لوگ کھیلتے ہیں سو نہ بیٹھے اس جگہ کیونکہ یہ حرام ہیں۔

اسی طرح حضرت شہاب الدین سہروردیؒ طریق کے امام ہیں ان سے بھی اس طرح کی مجلس ثابت نہیں ہوئی بلکہ ان کے خاص مرید حضرت مصلح الدین سعدی شیرازیؒ نے کتاب گلستان میں لکھا ہے کہ میں اول بسبب ہوا و ہوس جوانی کے راگ سنا کرتا تھا پھر میں نے توبہ کی۔ اب دیکھو تو یہ گناہ سے ہوتی ہے نہ عبادت سے اور نقشبندی طریق کا حال تو ظاہر ہے کہ ان کو راگ پر سخت انکار ہے۔ باقی چشتی طریق۔ سو اس طریق کے پیشواؤں نے بھی باجے کے ساتھ راگ نہیں سنا۔ اور جو کوئی شخص کوئی روایت ان کے سننے کی بیان کرے سو محض غلط اور بے اصل اور افتراء ہے الیٰ آخرہ (تحفۃ الہند ص ۶۱ تا ۶۸)

## نذر کا مفہوم لغوی وشرعی اور اس کا حکم

نذر کے لغوی معنے عہد و پیمان کرنا ہے اور اصطلاح شریعت میں نذر ایسے فعل کا نام ہے جو نذر ماننے والے کے ذمے نذر ماننے سے پہلے واجب نہ ہو مثلاً ایک شخص نے یوں کہا کہ اگر میرا فلاں مریض اچھا ہو گیا تو دس مسکینوں کو پانچ سیر مٹھائی تقسیم کروں گا تو یہ نذر ہو گئی اور نذر عبادت ہے جو سوا اللہ تعالیٰ کے کسی کی نذر ناجائز ہے۔

بعض کو تفسیرات احمدیہ مصنفہ ملا جیون کی عبارت سے جواز کا شبہ ہوا ہے وہ عبارت یہ ہے البقرة المَنذُورَةُ لِلاَوْلِيَاءِ اولیاء کی نذر کی ہوئی گائے حلال طیب ہے جیسے آج کل رسم ہے۔

سو جواباً عرض ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے لکھا ہے وَاَمَّا مَا وَقَعَ فِي البَيْضَاوِيّ وَغَيْرِهِ مِنَ التَّفَاسِيرِ اَنَّهُم قَالُوا وَمَا اُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللّٰهِ اى مَا رُفِعَ الصَّوتُ بِهِ عِندَ ذِبحِهِ لِلصَّنَمِ فَمَبنِيٌّ عَلٰى مَاجَرٰى عَادَةُ المُشرِكِينَ فِي ذٰلِكَ الزَّمَانِ وَلَمَّا لَم يَفرِّقُوا فِي التَّفَاسِيرِ القَدِيمَةِ بَينَ مَا ذُكِرَ اسمُ غَيرِ اللّٰهِ عَلَيهِ وَبَينَ مَا قُصِدَ بِذِبحِهِ التَّقَرُّبُ اِلىٰ غَيرِ اللّٰهِ لِاَنَّ مُشرِكِي ذٰلِكَ الزَّمَانِ كَانُوا مُخلِصِينَ فِي الكُفرِ وَكَانُوا اِذَا قَصَدُ والتَّقَرُّبَ بِذَبحِ بَهِيمَةٍ اِلىٰ غَيرِ اللّٰهِ ذَكَرُوا واعليها عِندَ الذَّبحِ اسمَ ذٰلِكَ

نام لینے سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے طریقہ پر ذبح ہوا حالانکہ فی الواقع یہ بھی ناجائز ہے۔ ان لوگوں کا خیال ہے کہ ذبح کا یہی طریقہ ہے کہ اللہ کا نام لے کر ذبح کیا جائے خواہ اللہ کی تعظیم کے واسطے ہو یا غیر اللہ کی تعظیم کے لئے۔ بعض لوگوں میں یہ عادت اب بھی جاری ہے مثلاً مشہور کرتے ہیں کہ فلاں شخص سید احمد کبیر کے واسطے جانور ذبح کرتا ہے اور اس میں اس کا کچھ لحاظ نہیں ہوتا کہ جب گائے ذبح کی جائے تو ذبح کے وقت اللہ کا نام لے کر ذبح کیا جائے یا اللہ کا نام اس وقت نہ لیا جائے۔ پھر شاہ صاحب فرماتے ہیں

وَاَمَّا مَا دَقَعَ فِی الْهِدَايَةِ وَغَيرِ هَا اَنْ يُذْكَرَ مَعَ اِسمِ اللّٰهِ تَعَالٰى شَيئاً اٰخَرَ وَ هُوَ اَنْ يَّقُولَ عِندَ الذَّبحِ اَللّٰهُمَّ تَقَبَّل مِن فُلَانٍ وَ هٰذِهٖ ثَلٰثُ مَسَائِلِ اِحدَاهَا اَنْ يَّذْكُرَ مَوصُولاً لَا مَعطُوفًا فَيُكرَهُ وَلَا يُحَرَّمُ الذَّبِيحَةُ وَهُوَ الْمُرَادُ بِمَا قَالَ وَنَظِيرُهُ اَنْ يُّقَالَ بِسمِ اللّٰهِ مُحَمَّدُ رَّسُولُ اللّٰهِ لِاَنَّ الشَّرِكَةَ لَم تُوجَد فَلَم يَكُنِ الذَّبحُ وَاقِعًا لَهُ اِلَّا اَنَّهُ

ترجمہ: ہدایہ وغیرہ میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ کوئی دوسری چیز ذکر کی جائے اور اس کی صورت یہ ہے کہ ذبح کے وقت کہے اَللّٰهُمَّ تَقَبَّل مِن فُلَانٍ یعنی اے میرے پروردگار اس ذبیحہ کو فلاں شخص کی طرف سے قبول فرما۔ تو اس مسئلہ میں تین صورتیں ہیں

**پہلی صورت** پہلی صورت یہ ہے کہ دوسری چیز کو اللہ کے نام کے ساتھ متصل ذکر کرے۔ اللہ تعالیٰ کے نام پر عطف نہ کرے تو یہ مکروہ ہے وہ ذبیحہ حرام نہیں مثلاً بوقت ذبح کہے بسم اللہ محمد رسول اللہ اس صورت میں ذبیحہ حرام نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ غیر اللہ کی شرکت نہیں۔ تو یہ ذبیحہ غیر اللہ کے لئے نہ ہوا البتہ مکروہ ہے کیونکہ بظاہر غیر اللہ کا نام اللہ کے نام کے ساتھ ملایا گیا تو بظاہر صورت حرام کی ہوئی۔

**دوسری صورت** دوسری صورت یہ ہے کہ اللہ کے نام کیساتھ متصل غیر اللہ کا نام لیا جائے بطریق عطف و شرکت کے مثلاً کہا جائے بسم اللّٰہِ واسم فلان یا بسم اللّٰہِ و محمدٍ رسول اللہ دال کے زیر کے ساتھ تب یہ ذبیحہ حرام ہوگا کیونکہ ذبیحہ پر غیر اللہ کا نام آ گیا۔

**تیسری صورت** تیسری صورت یہ ہے کہ اللہ کے نام سے غیر اللہ کا نام ظاہر او باطنا جدا ہو باین بطور کہ پہلے غیر اللہ کا نام ذکر کرے پھر اس کے بعد جانور کو لٹا کر بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرے، یا ذبح کر چکنے کے بعد غیر اللہ کا نام ذکر کرے اس میں مضائقہ نہیں۔ کیونکہ مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ نے ذبح کے بعد فرمایا اللھم تقبل هذه من امة محمد ممن شهدلک بالوحدانية ولی بالبلاغ یعنی اللہ تو اس قربانی کو میری امت کی طرف سے قبول فرما یعنی ان کی طرف سے

جو تیری وحدانیت اور میری رسالت کی گواہی دے۔ اور ذبیحہ حلال ہونے کی شرط یہ ہے کہ صرف اللہ کے نام سے ذبح کیا جائے جیسے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ ذبح کے وقت صرف اللہ کا نام لو یہ مضمون ہدایہ کی عبارت کا ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جب ذبح سے مقصود ہی ہو حصول تقرب غیر اللہ تو ذبیحہ حرام ہوگا خواہ اس پر استقلالاً غیر اللہ کا نام لیا جائے یا بطور شرکت کے۔ ہر دو صورتوں میں ذبیحہ حرام ہے ہاں اگر حصول غیر اللہ کی نیت نہ ہو مگر غیر اللہ کا نام ذکر کیا جائے تو اس میں تفصیل ہے وہ یہ ہے کہ

(۱) اگر غیر اللہ کا نام اللہ کے نام کے ساتھ متصل ذکر کیا بلا واسطہ حرف عطف تو مکروہ ہے مثلاً بوقتِ ذبح یوں کہے بِسْمِ اللّٰهِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ و اللّهم تقبل من فلانٍ اس طرح مکروہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ صورت حرام طریقہ ذبح کے ساتھ مشابہ ہے۔ اور حرام طریقہ ذبح کا یہ ہے کہ ذبح سے مقصود ہو تقرب غیر اللہ کا حصول۔ اور اسی غرض سے غیر اللہ کا نام لیا جاتا ہے۔ اور اگر غیر اللہ کا نام اللہ تعالیٰ کے نام کیساتھ بطریق عطف کے ذکر ہو تو ذبیحہ حرام ہوگا اگرچہ اس صورت میں ذبح سے منظور حصول تقرب غیر اللہ نہیں مگر ظاہر ہے کہ اس صورت میں لازم آتا ہے کہ اللہ کے نام کے ساتھ غیر اللہ کا نام بطور شرکت کے ذکر کیا گیا اور ظاہر امور میں حکم ظاہر کے موافق ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں نیت کا اعتبار نہیں

اور جب اللہ کے نام سے جدا کر کے غیر اللہ کا نام لیا جائے یعنی غیر اللہ کے نام نہ بطور عطف ذکر کیا اور نہ اللہ کے نام کے ساتھ متصل تو یہ نہ مکروہ ہے نہ حرام۔ اس واسطے کہ اس صورت میں حرام طریقہ ذبح کے ساتھ مشابہت نہیں پائی جاتی نہ ظاہراً نہ معنیً مثلاً ذبح کرنے والا بسم اللہ کہے پھر ذبح کرنے کے بعد توقف کر کے کہے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اور اس ذبح سے حصول تقرب غیر اللہ نہ ہو تو یہ نہ مکروہ ہے نہ حرام۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت صاحب ہدایہ نے اس بات کا حکم بتایا ہے کہ جس میں حصول تقرب غیر اللہ کی نیت نہ ہو اور نہ غیر اللہ کا نام اللہ کے نام کے ساتھ متصل کیا جائے۔ تو اس مسئلہ کو ہمارے مسئلہ سے کچھ واسطہ نہیں۔ ہم اس مسئلہ کا حکم بیان کرتے ہیں کہ جہاں حصول تقرب غیر اللہ منظور ہے اور یہ حرام ہے۔

اور ہمارے بیان سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ تفسیر احمدی میں لکھا ہے کہ ہمارے زمانہ میں جو رسم ہے اولیاء کے واسطے نذر کی جانے کی وہ جانور حلال طیب ہے کیونکہ اگرچہ اولیاء کیلئے گائے نذر تو کرتے ہیں مگر ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام نہیں لیتے صرف اللہ کا نام لیتے ہیں۔ اس لئے وہ گائے حلال ہے سو یہ مسئلہ غفلت سے وہاں ذکر ہو گیا ہے۔

صاحب ہدایہ نے جو تیسری صورت لکھی ہے اس پر لحاظ نہیں کیا وہ صورت یہ ہے

کہ اللہ کے نام کے ساتھ غیر اللہ کا نام اس طرح ذکر کیا جائے کہ ظاہر میں بھی اللہ کا نام کے غیر اللہ کا نام جدا رہے اور باعتبار معنی کے بھی جدا رہے۔ اس لئے کہ جب گائے کے بارے میں اولیاء اللہ کی نذر کی نیت ہوئی تو اس سے خاص یہی منظور ہوا کہ اس گائے کے ذبح کے وسیلہ سے اولیاء اللہ کا تقرب حاصل ہوئے اور ذبح کے وقت تک یہی نیت رہی تو معنیٰ کے اعتبار سے غیر اللہ کا نام اللہ کے نام سے جدا نہ ہوا۔ اس لئے کہ اصول فقہ میں یہ بات ثابت کی جاچکی ہے کہ نیت کا حکم عمل میں اس وقت تک برابر رہتا ہے جب تک کہ عمل پورا ہو جائے۔

تو صاحب ہدایہ نے تیسری صورت میں اس مسئلہ کی تحقیق لکھی ہے جس میں خالص اللہ کا نام ذکر ہو اور ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ جو جانور حصول تقرب غیر اللہ کے لئے ذبح کیا جائے۔ تو یہ دو مسئلے جدا جدا ہیں جن کے فرق کی طرف ملا جیونؒ نے التفات نہیں کی حالانکہ ان میں بڑا فرق ہے یعنی جب صرف اللہ کے نام سے جانور ذبح کیا جائے اور تقرب غیر اللہ کی نیت ہو تو اگر چہ بوقت ذبح صرف اللہ کا نام لیا تب بھی وہ ذبیحہ حرام ہوگا (فتاویٰ عزیزی ا ص ۵۱ فخر المطابع لکھنؤ)

## تاریخی پس منظر

امام سیوطیؒ تاریخ الخلفاص ۹۱ میں لکھتے ہیں کہ

ترجمہ:۔ یعنی حضرت عمرو بن عاصؓ کے ہاتھ سے مصر فتح ہوا اور وہ اس شہر میں داخل ہوئے تو وہاں کے لوگوں نے آپ سے آ کر عرض کی کہ سیرابی کے لئے دریائے نیل کی ایک عادت اور طریقہ مقرر ہے جس کے بغیر وہ بہتا نہیں ہے۔

حضرت عمرو بن العاصؓ نے پوچھا کہ وہ کیا رسم ہے؟

انہوں نے کہا کہ

ہر چاند کی گیارہویں تاریخ کو ایک جوان باکرہ (کنواری) لڑکی کو دلہن بنا کر اور تا امکان اعلیٰ اعلیٰ قسم کی پوشاک اور زیورات پہنا کر بعد حصول رضا مندی اس کے والدین کے دریائے نیل میں غرق کر دیتے ہیں۔

حضرت عمرو بن العاصؓ نے فرمایا "اسلام ایسی لغو باتوں کو مٹانے کے لئے آیا ہے میں اس کی اجازت نہ دوں گا۔

چنانچہ یہ فعل نہ کیا گیا اور لوگ اس حال میں قائم رہے۔ اور دریا میں طغیانی نہ ہوئی اور اس کا پانی اس کے مطلوبہ راستہ سے بالکل نہ آیا۔ گو انہوں نے پانی لانے کی کوشش بہت کی۔

اس پر حضرت عمرو بن العاصؓ نے خلیفہ وقت حضرت عمر بن الخطابؓ کو جملہ گذشتہ معمولہ واقعات کی اطلاع دی اور خط کو ملفوف کر کے بھیج دیا۔

آپ نے جواب دیا کہ

تم نے بہت خوب کیا اور بہت ٹھیک جواب دیا کہ اسلام ایسی لغو باتوں کو مٹانے آیا ہے۔ میں اس کے ساتھ ایک لفافہ ملفوف کرتا ہوں۔ اس کو دریائے نیل میں ڈال دینا۔

جب خلیفہ وقت حضرت عمر بن الخطابؓ کا یہ لفافہ حضرت عمرو بن العاصؓ گورنر مصر کو پہنچا تو انہوں نے لفافہ کھول کر دیکھا تو اس میں یہ لکھا ہوا تھا۔

من جانب عبداللہ عمر امیر المومنین بجانب دریائے نیل مصر جس کو یہ معلوم ہو کہ اگر تو پہلے۔ اپنے آپ سے طغیانی پہ آتا ہے تو اب نہ چل اور اگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے تو چلتا ہے تو میں خدائے واحد قہار سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تجھے جاری کر دے۔

حضرت عمرو بن العاصؓ نے رقعہ یوم صلیب سے ایک روز قبل دریائے نیل میں

ڈال دیا۔ دوسرے دن علی الصباح خدا تعالیٰ نے دریائے نیل کو سولہ گز مقام مطلوبہ پر روانی عطا کی۔ اس روز سے مصر کا یہ دستور بھی منقطع ہو گیا۔ انتہیٰ (تاریخ الخلفاء باب کرامات عمرؓ) تاریخ کی اس شہادت سے ظاہر ہے کہ اہل مصر دریائے نیل کی گیارہویں اپنے ملکی مہینہ کی گیارہویں تاریخ کو انتہائی تزک و احتشام سے دیا کرتے تھے اسلام نے اس کو جبراً و حکماً بند کر دیا۔

مگر جس طرح دوسری نو مسلم اقوام میں ملکی و قومی توہمات و رسومات وغیرہ کچھ نہ کچھ باقی رہیں ویسے ہی اہل مصر اور اس کی ملحقہ ممالک میں اسلام سے ناواقف جہلاء میں گیارہویں کا تصور و خیال بھی باقی رہا۔

# گیارھویں شریف؟

جو لوگ حضرت پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو غوث الاعظم، مشکل کشا، حاجت روا، مواشی عطا کرنے والا، اور کھیتی باڑی میں برکت دینے والا، مانتے ہیں۔ انہوں نے حضرت پیر صاحب کے نام پر گیارہویں شروع کر دی۔ اور عورت کی بجائے گھی، دودھ، پھل فروٹ، شیرینی وغیرہ پر اکتفاء کیا یعنی مروجہ گیارہویں کا ڈھونگ کھڑا کر دیا۔ جسے حلوہ خوروں نے اپنی شکم پروری کا بہترین بہانہ سمجھ کر ایصال ثواب کے نام سے جائز قرار دیا اور اگر کوئی انہیں سمجھا جائے تو

اس سمجھانے والے پر فوراً فتویٰ جڑھ دیتے ہیں کہ یہ شخص معتزلی ہے یا وہابی ہے جو ایصال ثواب کو نہیں مانتا۔

گیارہویں کی نیاز میں دودھ اور چاولوں کو جو اہمیت حاصل ہے وہ مصری ذہن کی غمازی اور نشان دہی کا واضح ثبوت ہے یعنی مصری لوگ جس طرح انسانی وحیوانی ضرورت فلی کفالت کے لئے دریائے نیل کو قادر مانتے تھے ویسے ہی حضرت پیر صاحب" کو مواشی دہندہ اور انسانی ضروریات کا محافظ داتا ماننے والے حضرت پیر صاحب" کی گیارہویں دیتے ہیں۔

**ازالہء شبہ** اگر یہ کہا جائے کہ اہل مصر کی گیارہویں کنواری بالغہ لڑکی پر مبنی تھی۔ اور مروجہ گیارہویں میں، اس کا وہم وگمان بھی نہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ

1. اہل مصر کی گیارہویں پوری قوم وملک کی طرف سے تھی اس لئے نوجوان لڑکی کو گیارہویں کی نیاز میں دینا آسان تھا۔ مگر یہاں قوم وملک تو کیا پورے شہر و بستی کی طرف سے بھی اجتماعی طور پر نہیں بلکہ انفرادی طور پر دی جاتی ہے۔ اس لئے لڑکی کو بطور نیاز دینا امر ناممکن ہے۔

2. اہل مصر نوجوان لڑکی کو دریائے نیل میں بہا دیتے تھے۔ اور یہ امر کچھ زیادہ ار اور شرمندگی کا باعث اور موجب نہیں۔ مگر اس کے برعکس مروجہ گیارہویں میں عورت اگر بطور نیاز دی جائے تو پھر کون ایسا بے غیرت ہے جو اپنے سامنے حلوہ

خوردوں کو اپنی بیٹی سے عیاشی برداشت کرے۔

لہٰذا ان وجوہ کی بنا پر عورت کو بطور نیاز دینا بند کر دیا گیا۔

ورنہ ان کے مذہب میں عورتوں کی بطور نیاز فوت شدہ بزرگوں کی قبروں پر پیش کرنا یا چڑھاوا چڑھانا جائز اور کار ثواب ہے۔

چنانچہ ان کے ایک مستند معتمد علیہ محقق ومدقق عالم کی تقریر ہے جو اس کی کتاب میں تقریر و تحریر ہے۔ حضرت سید عبدالوہاب اکابر اولیاء کرام میں سے ہیں۔

حضرت سید احمد بدوی کبیر کے مزار پر بڑا میلہ اور ہجوم ہوتا تھا۔ ایک مجمع میں چلے آتے تھے۔ ایک تاجر کی کنیز پر نگاہ پڑی۔ فوراً نگاہ پھیر لی کہ حدیث میں ارشاد ہوا ہے

اَلنَّظَرَۃُ الْاُولٰی لَکَ وَ الثَّانِیَۃُ عَلَیْکَ

یعنی پہلی نظر کا کچھ گناہ نہیں اور دوسری کا مواخذہ ہوگا۔ خیر نگاہ تو آپ نے پھیر لی مگر وہ آپ کو پسند آئی ۔ جب مزار شریف پر حاضر ہوئے ارشاد فرمایا عبدالوہاب! وہ کنیز آپ کو پسند ہے؟ عرض کیا ہاں، اپنے شیخ سے کوئی بات چھپانا نہ چاہیے۔ ارشاد فرمایا اچھا ہم نے وہ کنیز تم کو ہبہ کی!

آپ سکوت میں ہیں کہ کنیز اس تاجر کی ہے اور حضور ہبہ فرماتے ہیں۔ معاً وہ تاجر حاضر ہوا خادم کو ارشاد ہوا۔ انہوں نے آپ کو نذر کر دی۔ ارشاد فرمایا۔

عبدالوہاب! اب دیر کا ہے کی ہے۔ فلاں حجرے میں لے جاؤ اور اپنی حاجت پوری کرو۔

اس تقریر سے صاف ظاہر ہے کہ عورت بطور نیاز و تحفہ و فاتحہ یا بغرضِ ایصال ثواب بزرگاں کو دی جا سکتی ہے۔ اس میں نہ ہی شریعت میں ممانعت ہے اور نہ ہی دنیا کی ملامت۔ کیونکہ ان کے ہاں بزرگوں کو خوش کرنا عین عبادت اور موجب رضائے مولیٰ تعالیٰ ہے۔ خصوصاً پیر شیخ عبدالقادر جیلانی ؒ کہ ان کو خوش کرنا بالکل رضائے الٰہی کا موجب مانتے ہیں۔

چنانچہ مذکورہ بالا ان کے محقق عالم کا بیان ہے کہ "حضور پر نور سید غوث الاعظم" حضور اقدس و انور سید عالم ؐ کے وارثِ کاملِ و نائب تام و آئینہ ذات ہیں...... تعظیمِ غوثیت میں عین تعظیمِ رسالت ہے اور تعظیمِ سرکارِ رسالت عین تعظیم حضرت العزت ہے جل جلالہ و صلی اللہ علیہ وسلم

برادرانِ اسلام! گیارہویں کی حقیقت اور تاریخی حیثیت آپ کے سامنے ہے۔ اب یہ آپ کا فرض ہے کہ اسے اصلی صورت میں ادا کریں یا ادھوری بہر حال آپ کو غور کرنا چاہیے کہ اسلام سے اس گیارہویں کو کیا لگاؤ ہے۔

نیز یہ بھی آپ کو معلوم ہو گیا کہ گیارہویں والے حضرت پیر صاحب جیلانی کو افضل الاولیاء مانتے ہیں بلکہ آپ کو سید الکونین ﷺ پر ترجیح دیتے ہیں کیونکہ یہ

لوگ نہ تو رسول اللہ ﷺ کا یومِ وصال گیارہویں کی طرح اہتمام سے مناتے ہیں اور نہ حضرت امامِ اعظم ابوبکرؓ کا یومِ وصال مناتے ہیں۔

اور حقیقت یہ ہے کہ حضرت پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ان ہستیوں میں سے نہیں ہیں جن کے متعلق آپؐ نے اپنی زبانِ معصوم سے خیر کی شہادت دی تھی اور فرمایا تھا خَیرُ القُرُونِ قَرنِی ثُمَّ الَّذِینَ یَلُونَھُم ثُمَّ الَّذِینَ یَلُونَھُم یعنی سب سے بہتر ہیں میرے صحابہ پھر دوسرے نمبر پر تابعین پھر تیسرے نمبر پر تبع تابعین بلکہ آپؒ پانچویں اور چھٹی صدی کے عالم باعمل بزرگ ہیں جو ۴۷۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۵۶۱ھ میں فوت ہوئے تھے۔ آپ کے عہد میں دنیائے اسلام میں ایک خلیفہ کی بجائے تین خلیفے خلافت کرتے رہے۔ دولت عباسیہ اور دولت امویہ اور دولت عبیدیہ مصر میں۔ آپ کے عہد میں رفض کا بغداد میں بھی زور رہا۔ آپ کی وفات سے چھ سال بعد ۵۶۷ھ میں سلطان صلاح الدین آیا جس سے افرنج کا زور بھی ٹوٹا اور ملکِ مصر جس پر رافضی تقریباً تین صدیوں سے قابض تھے شاہ سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کے قبضہ میں آ گیا اور بغداد میں رفض کا زور ٹوٹ گیا۔ مسلمانوں کو سعادت عظمیٰ نصیب ہوئی۔ یمن، برقہ، توزر، مصر، اسوان میں پھر سے خلیفہ عباسی مستضی باللہ کا نام خطبہ میں لیا جانے لگا۔ مگر حضرت پیر صاحب کے عہد میں رفض زوروں پر تھا اور رفض کی رسوم کثرت سے رائج ہوئی

تھیں من جملہ ان کے یوم شہادت حسین منایا جاتا تھا جس کے رد میں آپ غنیۃ الطالبین ص ۵۸۶ میں فرماتے ہیں وَلَوْ جَازَ اَنْ یُّتَّخَذَ یَوْمُ مَوْتِہٖ یَوْمَ مُصِیبَۃٍ لَکَانَ یَوْمُ الْاِثْنَیْنِ اَوْلٰی بِذٰلِکَ اِذْ قَبَضَ اللّٰہُ تَعَالٰی نَبِیَّہٗ مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَکَذٰلِکَ اَبُوْبَکْرِ الصِّدِّیْقُ رَضِیَ اللّٰہُ قُبِضَ فِیْہِ یعنی اگر یوم شہادت حسینؓ کو مصیبت کا دن منایا جائے تو یوم الاثنین (پیر کے روز) اس سے زیادہ احق ہے کیونکہ پیر کا روز نبی اکرمؐ اور امام اعظم ابوبکر صدیقؓ دونوں کی وفات کا دن ہے۔

آگے چل کر تعین وتقرر کا معیار فرماتے ہوئے لکھتے ہیں لَوْ جَازَ اَنْ یُّتَّخَذَ ھٰذَا الْیَوْمُ یَوْمَ مُصِیبَۃٍ لَا تَخِذَہُ الصَّحَابَۃُ وَالتَّابِعُوْنَ لِاَنَّھُمْ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنَّا وَاَخَصُّ بِہٖ (غنیۃ الطالبین ص ۵۸۷) یعنی اگر شہادت حسینؓ کے دن کو مصیبت کا دن منانا جائز ہوتا تو صحابہ اور تابعینؒ اس دن کو لازم و مقرر فرماتے کیونکہ وہ ان کے زیادہ قریبی تھے اور مرتبہ میں وہ ہم سے زیادہ خاص تھے

## پیرانِ پیر کا عقیدہ

الغرض خود حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اس رسم بد کی تردید فرما گئے ہیں کہ وفات پانے والی ہستی خواہ کس قدر مرتبہ میں اونچا مقام رکھتی ہو اس کے یوم وصال کو غم یا

ایصالِ ثواب کا دن مقرر کرنا جائز نہیں اور دلیل یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر کسی کے یومِ وصال کا غم ایصالِ ثواب کا دن مقرر کرنا جائز ہوتا تو سب سے اول رسول اللہؐ اور امامِ اعظم حضرت ابوبکر صدیقؓ کا یومِ وصال منایا جاتا اور صحابہؓ اس دن کو اہتمام سے مناتے۔

پس جب کہ صحابہؓ کے عہد میں نبی کریمؐ اور افضل الاولیاء امامِ اعظم ابوبکر صدیقؓ کا یومِ وصال نہیں منایا گیا تو پھر دوسرا کون بزرگ ان سے بڑھ کر ہوسکتا ہے کہ اس کے یومِ وصال کو اظہارِ غم یا ایصالِ ثواب کے طور پر منایا جائے۔ اور اگر کوئی عہد خیر القرون کے بعد از خود ایسی رسم ایجاد کرتا ہے تو وہ رسم مطابق ارشادِ نبوی مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هٰذَا مَالَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ یعنی جس نے نئی بات ہمارے اس دین میں نکالی جو اس دین میں نہیں ہے پس وہ مردود ہے اور رسم نکالنے والا بدعتی ہے۔

## ایک عام اعتراض کا جواب

دن مقرر کرنے یا کوئی خاص وقت مقرر کرنے کے متعلق عموماً یہ لوگ یہ بات پیش کرتے ہیں کہ یوں تو شادی وغیرہ کی تاریخیں بھی منع ہونی چاہئیں۔ مگر ان کو اتنی بات ذہن میں نہیں آتی کہ بدعت اس کام کو کہتے ہیں کہ جس کو شریعت نے کارِ

ثواب نہ سمجھا ہو اور اس پر ثواب کی نیت کرے اور شادی وغیرہ کی تاریخوں کو کون بیوقوف کارِ ثواب سمجھتا ہے۔ یہ تو ایک دنیوی نظام ہے۔
نیز کہتے ہیں کہ پیدائش اور موت کے دن اور وقت بھی متعین ہیں مگر یہ نہیں سوچتے کہ یہ قدرت کا قانون ہے جس میں انسانی عقل کو دخل نہیں۔ بدعت اور گمراہی تو وہ ہے جس کو از خود ایجاد کر کے اس سے ثواب و نجات کی امید رکھی جائے۔
نیز گیارہویں شریف کے ثبوت اور جواز میں آیت قرآنی وَذَكِّرْهُم بِأَيَّامِ اللهِ (یعنی گزرے ہوئے واقعات اور ایام سے نصیحت حاصل کرو) پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں اگر مقررہ دنوں کو دوبارہ یاد کرنا یا اس کی فضیلت کو دہرانا یا خصوصیت سے عبادت کرنا، کوئی شخص بدعت کہے اور اس پر حرمت کا فتویٰ لگائے تو دشمنِ قرآن ہے اور مشرک باللہ چنانچہ حدیث شریف میں بھی مذکور ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے بزرگوں کے یومِ وصال کو آیام اللہ فرمایا ہے چنانچہ کنز العمال جلد ۴ ص ۲۲۰ میں ہے إِنَّ عَاشُورَاءَ يَوْمٌ مِّنْ أَيَّامِ اللهِ (یعنی نبی کریمؐ نے فرمایا ہے کہ عاشورا کا دن ایامِ اللہ میں سے ایک دن ہے بلکہ یہ دن تمام انبیاء کے انعامات کا دن ہے اسی واسطے ایسے مقررہ دنوں کو نبیؐ نے بھی منانے کا ارشاد فرمایا ہے۔ باقی رہا گیارہویں کے تقرر کے متعلق تو اس کو بھی اسی وجہ سے منایا جاتا ہے۔ کہ اس دن میں حضرت غوث الاعظم پیران پیر محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ کے وصال کا

دن ہے اور یوم وصال کو منانا قرآن سے ثابت ہے۔ اسی واسطے حضرت پیران پیرؒ کے اسی مقرر شدہ دن یعنی یومِ وصال میں آپ کی طرف سے صدقہ خیرات دیا جاتا ہے۔

لیکن ان کے ذہن میں یہ بات نہیں آتی کہ اگر یومِ وصال کا منانا قرآن سے ثابت ہوتا تو سب سے پہلے قرآن پاک کے مخاطب حضرت نبی پاک ﷺ تھے۔ جن پر قرآن پاک نازل ہوا تھا اور پھر آپؐ کے صحابہ کرامؓ جو اہل لسان بھی تھے۔ اور نبی پاک کے بعد قرآن دان بھی تھے۔ ان سے بڑھ کر قرآن دانی کا دعویٰ کرنے والا بلا شک کذاب ہے۔ انہوں نے اس آیت قرآنیہ سے یہ مطلب سمجھ کر ضرور ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر یا کم وبیش کا یوم وصال منایا ہوتا اس کے علاوہ اور صالحین اقوامِ سابقہ کے یوم وصال بھی مناتے ہوتے پھر جناب رسالت مآب کے عہد اقدس میں جو جو صحابہ وفات پاتے رہے ان سب کے یومِ وصال مناتے پھر صحابہؓ کے عہد میں جو وفات پاتے رہے ان کے بھی یوم وصال منائے جاتے پھر ان کے بعد تابعین وتبع تابعین یومِ وصال مناتے۔ لیکن نہ نبی کریمؐ نے کسی کا یوم وصال منایا نہ آپؐ کا کسی نے یوم وصال منایا نہ کسی صحابی، تابعی، تبع تابعین نے کسی کا یوم وصال منایا نہ ان کا کسی نے یوم وصال منایا اس کی وجہ سوائے اس کے اور کوئی نہیں ہے کہ یومِ وصال منانے کا حکم اللہ تعالیٰ

نے قرآن پاک کی کسی آیت میں بیان نہیں فرمایا اور آیت قرآنیہ وَذَكِّرْهُم
بِأَيَّامِ اللهِ سے یوم وصال منانے کا حکم ثابت نہیں ہوتا
ورنہ یہ کہنا پڑے گا کہ اس آیت کا مطلب نہ تو نبی پاک کو سمجھ آیا (العیاذ باللہ)
اور نہ صحابہؓ کی سمجھ میں آیا اور نہ امام ابوحنیفہؒ۔ امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، امام زفرؒ، اما
م مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبل اور امام بخاریؒ وغیرہ وغیرہ کی سمجھ میں آیا نہ
کسی مفسر محدث فقیہ اصولی متکلم کی سمجھ میں آیا۔ اگر آیا سمجھ میں تو اس حلوا خور
گیارہویں کو جائز کہنے والے چودہویں صدی کے مولوی کو آیا۔
مگر یہ تو بہتان عظیم ہے۔ لہٰذا کہنا پڑے گا کہ اس آیت سے گیارہویں شریف کا
جواز نکالنا قرآن پاک کی تحریف کرنا ہے اور اپنی رائے سے تفسیر کرنا ہے۔ جس
کی مذمت نبی کریمؐ مَنْ فَسَّرَ الْقُرْآنَ بِالرَّايِ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ
یعنی قرآن پاک کی تفسیر جس نے اپنی رائے اور قیاس سے کرنی ہے وہ اپنا ٹھکانا
جہنم میں بنالے۔
اگر اس کا یہ مطلب ہوتا کہ عام بزرگوں کی وفات کا دن بطور ایام اللہ کے منانا
جائز ہوتا تو پھر حضور اکرمؐ کا یوم وصال منانا واجب ہونا چاہیے تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ
کی پوری مخلوق میں اللہ تعالیٰ کے بعد نبیؐ کا مرتبہ مسلم ہے۔ جو اس کا انکاری ہے وہ
کافر و ملعون ہے۔ لہٰذا گیارہویں اور یوم وصال منانا جائز کہنے والوں کے قول

کے مطابق رسول اللہ ﷺ کا دن بڑا یوم من ایام اللہ ٹھیرا اور اس کا منانا اہتمام سے ہوتا۔ ان کے بعد حضرت امام الاعظم افضل الاولیاء من الاولین والآخرین امام ابوبکر صدیقؓ کا یوم وصال منایا جانا ضروری ہوتا پھر امام عمرؓ پھر امام عثمانؓ پھر امام علیؓ پھر امام حسینؓ کا علی ہذا القیاس۔

مگر ان ہستیوں کا یوم وصال نہ منانا جن کا ذکر پاک قرآن مجید میں ہے اور جو اشرف الخلوق ہیں اور یقیناً جنتی ہیں اور پانچویں چھٹی صدی کے ایک عالم ولی کا یوم وصال منانا اور بڑے اہتمام سے اس کی گیارہویں منانا اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ حضرت پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو بغیر کسی دلیل کے نبی پاک کے بیان کردہ مشہور لہم بالخیر خیر القرون بلکہ صحابہؓ بلکہ عشرہ مبشرہ بلکہ نبی پاک ﷺ سے بھی افضل سمجھتے ہیں۔ اور ہر ذی عقل سمجھتا ہے کہ یہ صریح کفر ہے۔

نیز اس میں روافض کے ساتھ تشبہ ہے۔ کیونکہ رافضی حضرت سید شباب اہل الجنۃ امام حسینؓ کا یوم وصال مناتے ہیں اور یہ لوگ اس یقینی جنتی کے یوم وصال منانے کی بجائے پیر صاحب کا یومِ وصال مناتے ہیں

پھر جس ہستی کا یوم وصال مناتے ہیں وہ خود یوم وصال منانے سے منع کرتے ہیں چنانچہ اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے۔ کیا اس ہستی کے سامنے یہ اہمیت قرآن کی نہیں تھی۔ کیا ان کو اس کا مطلب معلوم نہیں تھا کیا نعوذ باللہ وہ جاہل تھے؟

پھر دوسرے مستند علماء بھی منع کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت شیخ عبدالحق محقق محدث دہلوی جو احناف کے مسلم امام اور شیخ ہیں فرماتے ہیں۔

مقرر کردن روز سوم وغیرہ بالتخصیص ضروری انگاشتن در شریعت ثابت نیست۔ صاحب نصاب الاحتساب آں را مکروہ نوشتہ۔ وہر روز یکہ خواہند ثواب بروح میت برسانند "یعنی خاص کرنا تیسرے یا کسی اور دن کا (مثلاً ۷، ۱۰، ۱۱، ۴۰ وغیرہ) ایصال ثواب میت کے لئے اور اس کو ضروری سمجھنا شریعت محمدیہ میں اس کا کوئی ثبوت نہیں نصاب الاحتساب (جو فقہ حنفیہ کی معتبر کتاب ہے) کے مصنف نے ان باتوں کو مکروہ لکھا ہے۔ البتہ بغیر تعین وتقرر دن کے جب چاہیں، روح میت کو ثواب پہنچائیں

پھر نیاز، فاتحہ اور ختم مروج سے متعلق بھی لکھتے ہیں این طور مخصوص نہ در زمان آنحضرت ﷺ بود نہ در زمان خلفاء بلکہ وجود آن در قرون ثلثہ کہ مشہود لہا بالخیر اند منقول نہ شدہ۔ یعنی مروجہ نیاز و فاتحہ اور ختم و ایصال کا معین طریق نہ ہی رسول اللہ کے زمانہ مبارک میں تھا نہ ہی عہد خلافت راشدہ میں بلکہ پورے خیر القرون یعنی ائمہ اربعہ کے زمانہ میں بھی اس کا رواج نہ تھا۔

حضرت خواجہ محمد معصوم نقشبندی قدس سرہ العزیز گیارہویں مکتوب میں فرماتے ہیں۔

سوال ششم ملائکہ طعام بہ روح میت روزِ سوم و دہم و گل آ دن روز رسم از کجاست؟

نذر و ما طعام دادن للہ تعالیٰ بے رسم و ریا و ثواب آں بمیت گزرانیدن بسیار خوب است و عبادت بزرگ اما تعیین وقت ,اصل معمود علیہ ظاہر نمی شود و روزِ سوم گل دادن ہمردان بدعت ست "یعنی چھٹا سوال ہے کہ تیجے اور دسویں کے دن میت کی روح کو کھلنا پہنچانا اور پھول تقسیم کرنا کہاں سے ثابت ہے۔ میرے مخدوم !محض اللہ واسطے کھانا کھلانا اور بلا پابندی رسم و رواج اور بغیر دکھاوے کے اس کا ثواب میت کو پہنچانا بہت اچھا ہے اور بڑے ثواب کی بات ہے۔ لیکن تعین وقت. کی کوئی قابل اعتماد دلیل نہیں ہے۔ اور تیجے کے دن مردوں پھولوں کی تقسیم بدعت ہے۔

حضرت امام ابو اسحاق شاطبیؒ (متوفی ۷۹۰ھ) اپنی بے نظیر کتاب "الاعتصام" میں بدعات کے متعلق فرماتے ہیں کہ

ترجمہ: اور انہیں بدعات میں سے خاص خاص عبادات کا التزام کر لینا ہے مخصوص اوقات میں در حالانکہ یہ تعین شریعت میں وارد نہ ہوئی ہو۔

یہی وجہ ہے کہ جس شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اپنے استاذ امام عبدالوہاب متقی کی سے یہ بات پوچھی کہ آیا اس برتاؤ کی جو ہمارے ملک میں پھیل رہا ہے کہ مشائخ کا عرس ان کی وفات کے دن مناتے ہیں کچھ اصل ہے؟ تو انہوں نے

جواب دیا کہ سلف کے عہد میں تو یہ کچھ نہیں تھا متاخرین کا پسندیدہ امر ہے اس میں ان کی نیتیں تھیں۔ پھر فرماتے ہیں میں نے دوبارہ سوال کیا کہ اور سب دن چھوڑ کر صرف اس دن کو کیوں مقرر کیا تو اس کے جواب میں فرمایا کہ مطلقا مہمانی تو سنت ہے۔ اب تم دن کی تعین سے قطع نظر کر دو۔

سبحان اللہ کیا بات فرما گئے ہیں صحیح شریعت کا مسئلہ بھی بیان فرما گئے ہیں کہ سلف میں تو تعین یوم نہ تھا اور نہ ہی یقین یوم شرع شریعت میں ہے اور پھر اپنے اکابر بزرگوں کو بھی بچالیا کہ تعین یوم ان کا کسی اور مصلحت سے ہوگا۔ خدا ان کی نیتوں سے واقف ہے ہم ان کے بارے میں لب کشائی نہیں کر سکتے۔ ہاں البتہ تمہیں یہ کرنا چاہیے کہ چونکہ مطلقا مہمانی کرنا سنت ہے۔ اس لئے مہمانی تو کرو مگر تعین یوم نہ کرو۔ کیونکہ اس تعین و تخصیص یوم کی وجہ سے سنت کام بدعت میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ پھر اس مسئلہ کی آپ نے نظیریں پیش کیں کہ دیکھو مصافحہ کرنا ملاقات کے وقت سنت ہے مگر خاص نماز کے بعد جو مشائخ مصافحہ کرتے ہیں اس خصوصیت کی رو سے بدعت ہو جاتا ہے مطلقا سرمہ لگانا تو سنت ہے مگر خاص محرم کی دسویں تاریخ کو مخصوص کرنا بدعت ہوگا۔

مگر شیخ صاحب کے استاذ نے یہ جواب نہیں دیا کہ چونکہ بزرگوں کا یوم وصال یوم من ایام اللہ ہے اس لئے ان ایام کا منانا قرآن شریف سے ثابت ہے۔

# استحسانِ متاخرین

اب رہا یہ مسئلہ کہ متاخرین نے جو مستحسن کہا یہ ہمارے لئے حجت ہے؟

یاد رکھیئے دلائل شرع کے صرف چار ہیں قرآن مجید، سنت رسول، اجماع امت، قیاس مجتہدین، ان چار کے علاوہ کوئی دلیل حجت نہیں۔ پس متاخرین کا استحسان عمل یا عقیدہ کے لئے دلیل نہیں بن سکتی دیکھیئے صاحب ہدایہ نے جلد اص ۱۳۱ میں فرمایا ہے

وَاسۡتَحۡسَنَ الۡبَعۡضُ الۡاِسۡتِرَاحَۃَ عَلٰی خَمۡسِ تَسۡلِیۡمَاتٍ وَ لَیۡسَ بِصَحِیۡحٍ

یعنی بعض علماء نے تراویح کی دسویں رکعت پر آرام کرنے کو مستحسن کہا ہے مگر ان کا یہ استحسان صحیح نہیں ہے

دیکھا صاحب ہدایہ نے استحسانِ بعض کو صحیح تسلیم نہیں کیا۔ اسی طرح یہاں بعض صوفیہ کا استحسان دلیل نہیں بن سکتا۔ لکل فنّ رجال

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی کرامت ہے کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ نے آپ کو اس بدعت سے محفوظ رکھا ہے جیسے حضور نبی کریمؐ اور امام اعظم ابوبکر صدیقؓ اور امام عمرؓ کو اس بدعت سے محفوظ رکھا ہے۔ وہ اس طرح کہ تاریخ وصال میں اختلاف پڑ گیا بعض کہتے ہیں کہ بروز یکشنبہ ۹ ربیع الآخر کو آپ کا انتقال ہوا چنانچہ

بڑے مشائخ سے ثقہ راویوں کی روایت سے بہجۃ الاسرار کے مصنف نے نقل کیا ہے اور یہی بات امام عبداللہ یافعی اور سیف الدین عبدالوہاب اور شیخ کامل عبدالوہاب قادری متقی مکی وغیرہ مشائخ علماء وصوفیاء کرام نے بیان کی اور بعض علماء نے کہا ہے کہ حضرت پیر شیخ ؒ کی وفات ۱۷ ربیع الآخر کو ہوئی اور ہندوستان کے مشائخ میں یہ مشہور ہے کہ آپ کا وصال ۱۱ ربیع الآخر کو ہوا ہے۔

اب آپ خود غور فرمائیں کہ ان تین اقوال کا باہم تطابق کس طرح ہو سکتا ہے۔ اسی واسطے بعض نے اتنا فرمادیا کہ آپ کی وفات ربیع الآخر میں ہوئی تھی وہ اس تردد کی وجہ سے تاریخ بتاتے ہی نہیں صرف مہینہ بتاتے ہیں۔

پھر یہ دوسرا اختلاف ہے کہ اس رد وکد میں نہ پڑیں آپ حضرت پیر شیخ کے عاشق ہیں کہ حضرت پیر شیخ کا فرمان مانتے ہوئے دن، تاریخ، مہینہ، وقت، جگہ، کیفیت اور کمیت وغیرہ قیود کو بالائے طاق رکھ کر جو چیز چاہیں خواہ عبادت زبانی ہو خواہ جانی ہو خواہ مالی ہو خواہ از قسم ماکولات ہو خواہ از قسم مشروبات خواہ از قسم ملبوسات ہو کچا رسد ہو یا پختہ ہو ایسے طور پر اللہ کی راہ میں دو کہ ساتھ والے کو بھی خبر نہ ہو مگر اس امر کو اپنے اوپر لازم بھی نہ سمجھو۔ مستحب بہر حال مستحب ہے پھر یہ بھی لحاظ رہے کہ جو نہ دے اس کو ملامت بھی نہ کرو کیونکہ فقہ کا مسئلہ ہے خوشی کے کام میں کسی کو جبر کرنے کا کوئی حق نہیں۔ پھر یہ بھی ملحوظ رہے کہ اس امر پر زور بھی نہ ہو

جیسے نوافل کا دستور ہے اور عقیدہ بھی صحیح ہو یعنی حاضر ناظر، مختار کل، عالم الغیب، قادر مطلق، اللہ تعالیٰ ہی کو سمجھے اور یہ سمجھے کہ نفع نقصان، عزت ذلت، فتح وشکست، اولاد دینا نہ دینا صرف اللہ تعالیٰ ہی کے قبضے میں ہے۔ خدا ہمارے ہر کام کی ہر وقت دیکھ بھال رکھتا ہے وہی ہر وقت ہر کسی کی پکار سنتا ہے۔ وہی داتا ہے وہی ہر کسی کی فریاد کو پہنچتا ہے۔ وہی غوث ہے وہ ہی ہر چیز میں برکت دینے والا ہے وہ اگر کچھ تکلیف پہنچا دے تو اس کے سوا کوئی نہیں جو اس تکلیف کو ہٹا دے اور اگر وہ بھلائی دے تو اس کے سوا کوئی نہیں جو اس بھلائی کو ہٹا دے۔ یہ تمام باتیں اللہ ہی کے ساتھ مخصوص ہیں سب جہان میں اسی کا تصرف ہے کوئی نائب نہیں نہ کسی کو خدا نے ذیل دار تحصیل دار بنا رکھا ہے۔ ہمارے خیرات نہ کرنے سے پیر صاحب نقصان نہیں پہنچا سکتے اور ہمارے خیرات کرنے سے مال میں برکت نہیں ڈال سکتے بلکہ ہمارے خیرات کرنے نہ کرنے کا ان کو کچھ علم ہی نہیں ہے۔

اس طرح کی خیرات تو سود مند ہے اس کا بہت بڑا ثواب ہے۔ مع ہذا اگر کوئی اپنی نفلی عبادت کا ثواب اپنے ماں، باپ، دادا، دادی، نانا، نانی، بھائی، بہن، اقارب اساتذہ، پڑوسی، دوست احباب کو پہنچائے تو یہ بہت اہم ہے اس کے ذمے ان کے حقوق بھی ہیں۔ حق داروں کو چھوڑ دینا اور دوسروں کو دینا یہ حق داروں کی حق تلفی ہے

حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ نے فرمایا ہے دن مقرر کرنے یا گیارھویں

نام رکھنے سے عوام کو اس لئے روکا جاتا ہے کہ ان کے عقائد فاسد ہوتے ہیں اور خواص کو اس لئے روکا جاتا ہے کہ ان کی وجہ سے عوام کے عقاء فاسد ہو جاتے ہیں۔ ورنہ مباحات اصلیہ کو غیر مباح کون کہہ سکتا ہے۔ پس ایصال ثواب اگر اس طور سے کرے جس میں فسادِ عقیدہ کا احتمال نہ ہو تو مضایقہ نہیں اس کا طریقہ یہ ہے کہ نہ دن اور تاریخ کی تخصیص کرے نہ کسی خاص چیز کی۔ اور اغنیاء اور گھر والوں کو نہ دے اور اعلان کر کے نہ دے اور کھانا وغیرہ سامنے رکھ کر کچھ نہ پڑھے اور یہ عقیدہ نہ رکھے کہ حضرت ہماری مدد فرمائیں گے اور یہ نیت نہ رکھے کہ اس عمل کی برکت سے ہمارے مال اور اولاد میں برکت اور ترقی ہوگی محض یوں سمجھے کہ انہوں نے ہمارے پر دین کا احسان کیا ہے کہ سیدھا راستہ کتابوں میں بتلا گئے ہم ان کے حق میں نفع کی دعا کرتے ہیں کہ ثواب سے ان کے درجات بلند ہوں گے۔ پس اس طرح کرنے میں حرج نہیں فقط واللہ اعلم (تتمہ جلد رابع فتاوٰی امدادیہ ص ۲۴،۲۴۱)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ العالی امداد المفتین میں لکھتے ہیں ایصال ثواب جائز ہے بشرطیکہ گیارہویں کی تخصیص نہ کرے (اص ۹۶)

پھر یہ بھی لکھا کہ اموات کو ثواب پہنچانے میں کسی سورت کی تخصیص نہیں ہے۔ جس سورت کو پڑھ کر چاہیں ثواب پہنچائیں (۶ ص ۷۷)

# شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی مدظلہ کی محققانہ تصنیفات

- کلمہ طیبہ اور نماز
- تفسیر فیض الجلیل تسہیل التنزیل
- مرآۃ القرآن
- مختصر خلاصۃ القرآن
- خیر الکلام تقبیل الابہام
- اعدل الکلام فی حکم الفاتحۃ خلف الامام
- سوانح حیات حضرت مولانا حسین علیؒ
- تفسیر بے نظیر حاشیہ بدر منیر
- خلاصۃ البیان من کلام الرحمٰن
- الصراط المستقیم فی حیات النبی الکریم
- الکلمات الصادقۃ فی حکم الزنادقۃ
- تبیین القرآن
- ندائے حق پر سہ حصص
- شفاء الصدور (عربی)
- شفاء الصدور (عربی مع اردو)
- رق منشور فی احکام الموتی والقبور
- رد منکرات فی حیات الاموات
- القول الرعی فی القمر الشرعی
- الفائض فی الدعا بعد الفرائض
- القول الاتم فی حیات عیسیٰ ابن مریم
- فتح الرحمٰن فی قیام رمضان
- مواہب رحمانی در مسائل قربانی
- عقد العقیان فی عنق جواہر القرآن
- حضرت معاویہؓ پر اعتراضات اور ان کے جوابات
- معراج النبی ﷺ حقائق کی روشنی میں
- طلاق دینے کا شرعی طریقہ
- الطیب الکلام فی نکاح یوسفؑ
- رفع عیسیٰؑ
- خاتم النبیین ﷺ
- عورتوں کا سر کے بال کٹوانا

# رق منشور

فی

# احکام الموتیٰ والقبور

مؤلفہ

شیخ الحدیث والتفسیر حضرۃ مولانا

علامہ مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی رحمۃ اللہ علیہ

سابق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (انڈیا)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

# گھر میں موت ہو جانے کا بیان

مسئلہ ۱: جب آدمی مرنے لگے تو اس کو چیت لٹا دو اور اس کے سر کو اونچا کر کے منہ قبلہ کی طرف کر دیں اور اس کے پاس بیٹھ کر کلمہ پڑھیں تاکہ سُن کر وہ خود بھی کلمہ پڑھنے لگے اور اُس کو کلمہ پڑھنے کا حکم نہ دو کیونکہ وہ وقت بڑا مشکل ہے کیا معلوم اُس کے مُنہ سے کیا نکل جائے (شرح تنویر ص ۸۹۰)

مسئلہ ۲: جب وہ ایک دفعہ کلمہ پڑھ لے تو چُپ ہو رہو۔ یہ کوشش نہ کرو کہ برابر کلمہ جاری رہے اور پڑھتے پڑھتے دم نکلے کیونکہ مطلب تو فقط اتنا ہے کہ سب سے آخری بات جو اُس کے منہ سے نکلے وہ کلمہ ہونا چاہیے اس کی ضرورت نہیں کہ دم ٹوٹنے تک کلمہ برابر جاری رہے۔ ہاں اگر کلمہ پڑھنے کے بعد پھر دُنیا کی بات چیت کرے تو پھر کلمہ پڑھنے لگو جب وُہ پڑھ لے تو چُپ ہو رہو (شرح تنویر م)

مسئلہ ۳: جب سانس اکھڑ جائے اور جلدی جلدی چلنے لگے اور ٹانگیں ڈھیلی پڑ جائیں کہ کھڑی نہ ہو سکیں اور ناک ٹیڑھی ہو جائے اور کن پٹیاں بیٹھ جائیں تو سمجھو کہ اس کی موت آگئی اُس وقت کلمہ پڑھنا شروع کرو۔

(فتاوٰے ہندیہ ص۱۵۷ جلد اوّل)

مسئلہ ۴: میت کے پاس سورۂ یاسین پڑھنا مستحب ہے اس سے موت کی سختی کم ہو جاتی ہے۔

(ہندیہ)

مسئلہ ۵: اُس وقت کوئی ایسی بات نہ کرو جس سے اُس کا دل دُنیا کی طرف مائل ہو جائے کیونکہ یہ وقت دُنیا سے جدائی اور اللہ تعالٰی کی درگاہ میں حاضری کا وقت ہے ایسے کام کرو ایسی باتیں کرو کہ دُنیا سے دل پھر کر اللہ کی طرف مائل ہو جائے کہ مُردہ کی خیر خواہی اسی میں ہے ایسے وقت بال بچوں کو سامنے لانا یا اور کوئی جس سے اُس کو زیادہ محبت تھی اسے سامنے لانا، ایسی

باتیں کرنا کہ اُس کا دل ان کی طرف متوجہ ہو جائے۔ اور ان کی محبت اس کے دل میں سما جائے بڑی بُری بات ہے۔

مسئلہ نمبر ۶:۔ مرتے وقت اُس کے مُنہ سے خدانخواستہ کفر کی کوئی بات نکلے تو اُس کا خیال نہ کرو نہ اُس کا چرچا کرو۔ بلکہ یہ سمجھو کہ موت کی سختی سے عقل ٹھکانے نہیں رہی اسی وجہ سے ایسا ہُوا۔ اور عقل جاتے رہنے کے وقت جو کچھ ہو معاف ہے اور اللہ تعالیٰ سے اس کی بخشش کی دُعا کرتے رہو۔

مسئلہ نمبر ۷:۔ جب مرجائے تو سب عضو درست کر دو اور کسی کپڑے سے اس کا منہ اس ترکیب سے باندھ دو کہ کپڑا ٹھوڑی کے نیچے سے نکال کر اُس کے دونوں سرے سر پر لے جاؤ اور گرہ لگا دو تاکہ مُنہ پھیل نہ جائے اور آنکھیں بند کر دو۔ اور پیر کے دونوں انگوٹھے ملا کے باندھ دو تاکہ ٹانگیں پھیلنے نہ پائیں پھر کوئی چادر اوڑھا دو اور نہلانے اور کفنانے میں جہاں تک ہوسکے جلدی کرو۔ (فتاوٰے ہندیہ ص۱۰۰ ج۱)

مسئلہ نمبر ۸:۔ منہ وغیرہ بند کرتے وقت یہ دُعا پڑھو: بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ (ج۱ ص۱۰۱)

مسئلہ نمبر ۹:۔ مرجانے کے بعد اُس کے پاس لوبان وغیرہ کچھ خوشبو سلگا دی جائے اور حیض و نفاس والی عورت اور جس کو نہانے کی ضرورت ہو اُس کے پاس نہ رہے۔ (شرح تنویر ص۸۹۳ ج۱)

مسئلہ نمبر ۱۰:۔ مرجانے کے بعد جب تک اُس کو غسل نہ دیا جائے اُس کے پاس قرآن مجید پڑھنا مکروہ ہے۔ (شرح تنویر ص۸۹۳ ج۱)

## کفنانے کا بیان

جب آدمی مرجائے تو ایک چوڑی پٹی لے کر اور ٹھوڑی کے نیچے کو نکال کر سر پر لاکر گرہ دیدو اور آنکھیں بند کر دو۔ اور پیروں کے انگوٹھے ملا کر دھجی سے باندھ دو اور ہاتھ داہنے بائیں رکھو۔ سینے پر نہ رکھیں اور لوگوں کو مرنے کی خبر کر دو اور دفن میں بہت جلدی کرو۔

سب سے پہلے قبر کا بندوبست کرو۔ اور کفن دفن کے لیے سامان ذیل کی فراہمی کر لو جس کو اپنے اپنے موقع پر صرف کرو۔ دو گھڑے، ایک لوٹا، غسل کا تختہ۔ لوبان۔ روئی۔ گل خیرو۔ کافور۔ تختہ یا لکڑی بہلائے پاٹ قبر بقدر پیمائش قبر۔ ایک بوریا بقدر قبر۔ کفن۔

کفن کی ترکیب مرد کے لیے یہ ہے کہ میت کے قد کے برابر ایک لکڑی لو اور اس میں ایک نشان کندھے کے مقابل لگا دو۔ اور ایک تاگا سینہ کے مقابل رکھ کر جسم کی گولائی میں گھماؤ کر دونو سرے اس تاگے کے دونو طرف کی پسلیوں پہ پہنچ جائیں اور اس کو وہاں سے توڑ کر رکھ لو۔ پھر ایک کپڑا لو جس کا عرض اسی تاگے کے برابر یا قریب برابر کے ہو۔ اگر عرض اسقدر نہ ہو تو اس میں جوڑ لگا کر پورا کر لو۔ اور اس لکڑی کے برابر ایک چادر پھاڑ کر اس کو ازار کہتے ہیں۔ اسی طرح دوسری چادر پھاڑو جو عرض میں تو اسی قدر ہو۔ البتہ طول میں ازار سے چار گرہ زیادہ ہو (اس کو لفافہ کہتے ہیں)، پھر ایک کپڑا لو جس کا عرض بقدر چوڑائی جسم میت کے ہو اور لکڑی کے نشان سے اخیر تک جس قدر طول ہو اس کا دگنا پھاڑ لو اور دونو سرے کپڑے کے ملا کر آدھا چاک کھولو کہ سر کی طرف سے گلے میں آ جائے (اس کو قمیص یا کفنی کہتے ہیں) عورت کے لیے یہ کپڑے تو ہیں ہی اس کے علاوہ دو اور ہیں ایک سینہ بند۔ دوسرا سربند جسے اوڑھنی کہتے ہیں۔ سینہ بند زیر بغل سے گھٹنے تک اور تاگے مذکور سے بقدر چوڑا۔ سربند نصف ازار سے تین گرہ زیادہ لمبا اور بارہ گرہ چوڑا۔ یہ کفن ہوا۔ اور کفن مسنون اسی قدر ہے اور بعض چیزیں کفن کے متعلقات سے ہیں جن کی تفصیل ذیل میں ہے۔

تہبند بدن کی موٹائی سے تین گرہ زیادہ۔ بڑے آدمی کے لیے سوا گز طول کافی ہے اور عرض زیر ناف سے پنڈلی تک چودہ گرہ عرض کافی ہے۔ یہ دو ہونے چاہییں۔

دستانہ یہ چھ گرہ طول اور تین گرہ عرض ہو بقدر پنجہ دست بنا لیں۔ یہ بھی دو عدد ہوں۔ جا نماز عورت کے گہوارہ کی جو بڑی عورت کے لیے ساڑھے تین گز طول اور دو گز عرض کافی ہو۔

تنبیہ: کفن اور اس کے متعلقات کا بندوبست بھی گھر والے غیرہ کے ساتھ کر دیں۔

## تنبیہ

اب مناسب ہے کہ ہر شخص کے کفن کو یکجائی جمع کر کے لکھ دیا جائے تاکہ آسانی ہو۔

| نام پارچہ | طول | عرض | اندازہ پیمائش | کیفیت |
|---|---|---|---|---|
| ازار | اڑھائی گز | سوا تا ڈیڑھ گز | سر سے پاؤں تک | ۱۴، ۱۵، یا ۱۶ گرہ عرض کپڑے کا ہو تو ڈیڑھ پاٹ |
| لفافہ | پونے تین گز | " | ازار سے چار گرہ زائد | |
| کفنی | اڑھائی تا پونے تین گز | " | کندھے سے آدھی پنڈلی تک | ۱۴ گرہ یا ایک گز کے عرض کی تیار ہوتی ہے۔ دو برابر حصے کر کے اور چاک کھول کر گلے میں ڈالتے ہیں۔ |
| سینہ بند | دو گز | سوا گرہ | زیر بغل پنڈلی تک | |
| سر بند | ڈیڑھ گز | بارہ گرہ | جہاں تک آجائے | سر کے بالوں کے دو حصے کر کے اور اس میں لپیٹ کر دائیں بائیں جانب سینہ پر رکھ دیتے ہیں۔ |

**تنبیہ:** تخمیناً مرد کے کفن مسنون میں ایک گز عرض کا کپڑا دس گز صرف ہوتا ہے اور عورت کے لیے مع چادر گہوارہ پڑ ۲۱ گز اور سر بند اور دستانہ اس سے جُدا ہیں۔ بچہ کا کفن مناسب حالِ سابق۔

# غسل اور کفنانے کا طریقہ

ایک گھڑے میں دو مٹھی بیری کے پتے ڈال کر پانی جوش دے لو اور اُس کے دو گھڑے بنا لو اور ایک گڑھا شمالاً جنوباً لمبا کھود دو (یہ ضروری نہیں بلکہ اگر کوئی ایسا موقع ہو کہ پانی کسی نالی وغیرہ کے ذریعہ سے بہہ جائے تو اُس کے قریب تختہ رکھ لینا کافی ہے) اور اُس پر تختہ اسی رُخ پر بچھا کر تین یا پانچ یا سات دفعہ لوبان کی دھونی دے لو۔ اور مُردے کو اس پر لٹا دو اور کُرتہ انگرکھا وغیرہ کو چاک کر کے نکال لو اور تہ بند ستر پر ڈال کر استعمالی پاجامہ اندر ہی اندر اُتار لو اور پیٹ پر آہستہ آہستہ ہاتھ پھیرو۔ نجاست خارج ہو یا نہ ہو۔ دونوں صورتوں میں دستانہ پہنے ہوئے مٹی کے تین یا پانچ ڈھیلوں سے استنجا کرو پھر پانی سے پاک کرو پھر سر اور ڈاڑھی کو گل خیرو یا صابون سے دھو دو۔ پھر بارادہ وضو اول میت کا مُنہ دھوئیں۔ پھر روئی کا پھایا تر کر کے ہونٹوں اور دانتوں پر پھیر کر پھینک دو۔ اسی طرح تین دفعہ کرو۔ اور اسی صورت سے تین دفعہ ناک اور رخساروں پر پھیرو۔ پھر منہ، ناک اور کان میں روئی اٹکا دو کہ پانی اندر نہ جائے پھر کہنیوں سمیت دونوں ہاتھ دھوو۔ پھر سر کا مسح کرو پھر دونوں پاؤں دھوو پھر سارے بدن پر پانی بہا دو۔ پھر بائیں کروٹ لٹا کر پانی بہاؤ۔ پھر داہنی کروٹ پر ایسا ہی کرو۔ پھر دوسرا دستانہ پہن کر بدن کو صاف کر دو اور تہ بند دوسرا بدل دو۔ پھر چارپائی بچھا کر اول اس پر لفافہ پھر اس پر ازار پھر اس پر نیچے کا حصہ کفنی کا بچھا کر باقی حصہ بالائی کو سمیٹ کر سرہانے کی طرف رکھ دو۔ پھر میت کو تختہ سے بآسانی اُٹھا کر اُس پر لٹا دو۔ اور کفنی کے حصہ کو سر کی طرف الٹ دو کہ گلے میں آ جائے اور پیروں کی طرف بڑھا دو اور تہ بند نکال دو۔ اور کافور سر اور داڑھی اور سجدہ کی جگہوں پر (پیشانی، ناک، دونوں ہتھیلی، دونوں گھٹنیاں، دونوں پنجوں) پر مل دو۔ پھر ازار کا بایاں پلہ لوٹ دو۔ اور لفافہ کو ایسا ہی کرو۔ اور ایک کترنے کر سرہانے اور پائنتی چادر کے گوشے چُن کر باندھ دو۔

سینہ بند سے عورت کی چھاتیاں لپیٹ دو۔ سر بند کا ذکر نقشہ میں ہو گیا۔ عورت کے گہوارے پر چادر ڈالی جاتی ہے۔ یہ پورا کفن ہے۔

تنبیہ:- بعض کپڑے لوگوں نے کفن کے ساتھ ضروری سمجھ رکھے ہیں حالانکہ وہ کفن مسنون سے خارج ہیں۔ میت کے ترکہ سے ان کا خریدنا جائز نہیں وہ یہ ہیں: جائے نماز طول سوا گز عرض چودہ گرہ۔ پٹکا طول ڈیڑھ گز، عرض چودہ گرہ۔ یہ قبر میں میت کو اتارنے کے لیے ہوتا ہے۔ بچھونا طول اڑھائی گز، عرض سوا گز۔ یہ چارپائی پر بچھانے کے لیے ہوتا ہے۔ دامنی طول دو گز، عرض سوا گز۔ بقدر استطاعت چار سے سات تک محتاجین کو دیتے ہیں جو محض عورت کے لیے مخصوص ہیں۔ چادر کلاں۔ مرد کے جنازہ پر طول تین گز، عرض پونے دو گز جو چارپائی کو ڈھانک لیتی ہے البتہ عورت کے لیے ضروری ہے مگر یہ کفن سے خارج۔ اس لیے اس کا ہم رنگ کفن ہونا ضروری نہیں۔ پردہ کے لیے کوئی سا کپڑا ہو کافی ہے۔

تنبیہ:- اگر جائے نماز وغیرہ کی ضرورت کبھی خیال میں آئے تو گھر کے کپڑے کام آ سکتے ہیں۔ ترکہ میت سے ضروری نہیں۔ یا کوئی عزیز اپنے مال سے خرید دے۔

مسئلہ:- سامان غسل و کفن میں سے اگر کوئی چیز اپنے گھر میں موجود ہو اور پاک صاف ہو تو اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں۔

مسئلہ:- کپڑا کفن کا اسی حیثیت کا ہونا چاہیے جیسا مردہ اکثر زندگی میں استعمال کرتا تھا۔ تکلفات فضول ہیں۔

مسئلہ:- جو بچہ علامت زندگی کی ظاہر ہو کر مر گیا تو اس کا نام اور غسل اور نماز سب ہو گی اور اگر کوئی علامت نہ پائی گئی تو غسل دے کر اور ایک کپڑے میں لپیٹ کر بدون نماز دفن کر دیں گے۔ اس کے بعد بقاعدۂ معروف نماز پڑھیں اور دفن کر دیں۔

# مختلف مسائل

اگر مُردہ نہانے کی حاجت میں یا حیض و نفاس میں مرجائے تو اس طرح سے منہ اور ناک میں پانی پہنچانا ضروری ہے تاکہ طہارت مکمل حاصل ہوجائے (شرح التنویر ص۹۵)

اور ناک اور منہ میں اور کانوں میں روئی بھردو تاکہ وضو کراتے اور نہلاتے وقت پانی اندر نہ جانے پائے۔ (فتاویٰ ہندیہ ص۱۵۱)

جب وضو کرا چکو تو سر کو گل خیرو سے یا کسی اور چیز سے جس سے سر صاف ہوجائے جیسے بیسن یا کھلی سے مَل کر دھوئے اور صاف کرکے پھر مُردے کو بائیں کروٹ پر لٹا کر بیری کے پتے ڈال کر پکایا ہوا پانی نیم گرم تین بار سر سے پیر تک ڈالے۔ یہاں تک کہ بائیں کروٹ تک پہنچ جائے۔ پھر داہنی کروٹ پر لٹائے اور اسی طرح سر سے پیر تک تین مرتبہ اتنا پانی ڈالے کہ داہنی کروٹ تک پہنچ جائے۔ اس کے بعد مُردے کو اپنے بدن کی ٹیک لگا کر ذرا بٹھلائے اور اس کے پیٹ کو آہستہ آہستہ ملے اور دبائے۔ اگر کچھ پاخانہ نکلے تو اس کو پونچھ کر دھو ڈالے اور وضو اور غسل میں اس کے نکلنے سے کچھ نقصان نہیں اب نہ دھراؤ۔ اس کے بعد پھر اس کو بائیں کروٹ پر لٹائے اور کافور پڑا ہوا پانی سر سے پیر تک تین بار ڈالے پھر سارا بدن کسی کپڑے سے پونچھ کر کفنا دو۔ ( ″ )

اگر ایک ہی دفعہ سارے بدن کو دھو ڈالے تب بھی فرض ادا ہوگیا لیکن سنت طریقہ نہلانے کا وہی ہے جو اوپر بیان ہوچکا ہے (فتاویٰ ہندیہ ص۱۵۱)

اگر بیری کے پتے ڈال کر پکایا ہوا پانی نہ ہو تو یہی سادہ نیم گرم پانی کافی ہے (شرح البدایہ ص۱۹۰)

اور بہت تیز گرم پانی سے مُردے کو نہ نہلائے)

مسئلہ: جب مردہ کفن پر رکھو تو سر پر عطر لگا دو اور اگر مُردہ مرد ہو تو داڑھی پر بھی عطر لگا دو پھر ماتھے، ناک، دونوں ہتھیلیوں، دونوں گھٹنوں اور دونوں پاؤں پر کافور مل دو (شرح البدایہ ص۱۹۱)

بعضے بعضے کفن پر عطر لگاتے ہیں اور عطر کی پھریری کان میں رکھ دیتے ہیں یہ سب جہالت ہے جتنا شرع میں آیا ہے اس سے زائد مت کرو۔ (بہشتی زیور ص۴۶ ج۲)

مسئلہ:- بالوں میں کنگھی نہ کرو، نہ ناخن کاٹو، نہ کہیں کے بال کاٹو، نہ ہاتھ پاؤں غیرہ پر کسی جگہ مہندی لگاؤ۔ (شرح البدایہ ص۱۷۱)

مسئلہ:- اگر نہلانے میں کوئی عیب دیکھے تو کسی کو نہ کہے اگر خدانخواستہ مرنے سے اس کا چہرہ بگڑ گیا اور کالا ہو گیا تو یہ بھی نہ کہے اور بالکل اُس کا چرچا نہ کرے کہ یہ سب ناجائز ہے ہاں! اگر کھلم کھلا کوئی گناہ کرتا ہو جیسے ناچتا ہو یا گانے بجانے کا پیشہ کرتا ہو یا شہوت بتی ہو تو ایسی باتیں کہہ دینا درست ہیں تاکہ اور لوگ ایسی باتوں سے بچیں اور توبہ کریں اور اگر کوئی اچھی بات دیکھے جیسے چہرے پر نورانیت اور رونق کا ہونا۔ تو اس کا ظاہر کرنا مستحب ہے:۔ (ردالمختار ص۱۶)

مسئلہ:- بہتر یہ ہے کہ جس کا رشتہ دار زیادہ قریب ہو وہ نہلائے۔ اور اگر وہ نہ نہلا سکے تو کوئی دیندار نیک آدمی نہلائے۔ (ردالمختار ص۱۶)

مسئلہ:- عورت کا خاوند مر گیا ہو تو اس کا نہلانا کفنانا تو اس کا نہلانا اس کی بیوی کو جائز ہے۔ اور اگر بیوی مر جائے تو خاوند کو جائز نہیں کہ اسکے بدن کو ہاتھ لگائے البتہ دیکھ سکتا ہے اور کپڑے کے اوپر سے ہاتھ لگا سکتا ہے اس کو کوئی دیندار عورت نہلائے بشرطیکہ حیض و نفاس سے نہ ہو ورنہ مکروہ اور منع ہے۔ (شرح التنویر ص۹۰)

مسئلہ:- اگر مرد مر گیا اور مردوں میں سے کوئی نہلانے والا نہیں ہے تو بیوی کے علاوہ کوئی عورت اس کو نہلا نہیں سکتی اگرچہ محرم ہی ہو۔ اگر بیوی بھی نہ ہو تو غسل نہ تیمم کرا دو لیکن اسکے بدن کو ہاتھ نہ لگے بلکہ اپنے ہاتھ میں پہلے دستانے پہن لے تب تیمم کرائے۔ (فتاویٰ ہندیہ ص۱۶۰)

مرد کو تین کپڑوں میں کفنانا سنت ہے۔ ایک ازار ایک کرتہ ایک چادر۔ اور عورت کو پانچ کپڑوں میں کفنانا سنت ہے۔ ایک ازار دوسرا کرتہ تیسرا سربند چوتھا سینہ بند پانچواں چادر۔ ازار سر سے پاؤں تک ہو اور چادر اس سے ایک ہاتھ بڑی ہو اور کرتہ گلے سے لیکر پاؤں تک ہے۔ دو بیٹھن نہ اس میں کلی ہوں نہ آستین۔ اور سربند تین ہاتھ لمبا ہو اور سینہ بند چھاتی سے لے کر رانوں تک چوڑا اور اتنا لمبا ہو کہ بندھ جائے۔ (فتاویٰ ہندیہ ص۱۲۱، ردالمختار ص۹۱، ۹۰)

مسئلہ: سینہ بند چھاتیوں سے لیکر ناف تک ہو تب بھی درست ہے لیکن ران تک ہونا زیادہ اچھا ہے۔ (رد المحتار ص۹۰۱)

مسئلہ: اگر کوئی پانچ کپڑوں میں نہ کفنائے بلکہ فقط تین کپڑے کفن میں دیئے ازار، چادر، سر بند تو بھی درست ہے اور تین کپڑوں سے کم کفن عورت کا مکروہ اور بُرا ہے ہاں اگر مجبوری ہو تو دینا بھی درست ہے اور مرد کے کفن میں اگر صرف چادر اور ازار ہی ہوں اور کرتہ نہ ہو تب بھی کچھ حرج نہیں اور بغیر مجبوری کے ایک ہی کپڑے میں کفنانا مکروہ ہے۔

مسئلہ: لڑکے کو مرد کی طرح تین کپڑوں میں کفنائیں اور لڑکی کو عورت کی طرح پانچ کپڑوں میں۔

مسئلہ: جو بچہ ماں کے پیٹ سے مرا ہوا ہی پیدا ہوا اس کو بھی اسی طرح نہلائیں جیسے اوپر ذکر ہوا لیکن قاعدہ کے موافق کفن نہ دو بلکہ کسی ایک کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دو اور اس کا نام بھی کچھ نہ کچھ رکھ دینا چاہیئے لیکن اس کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔ (شرح تنویر ص۹۲۸)

مسئلہ: سینہ بند کو اگر سر بند کے بعد ازار لپیٹنے سے پہلے ہی باندھ دیا تو بھی جائز ہے۔ اور اگر سب کفنوں سے اوپر سے باندھے تو بھی درست ہے۔ (رد المحتار ص۹۰۲)

مسئلہ: جو چادر جنازہ کے اوپر یعنی چارپائی پر ڈالی جاتی ہے وہ کفن میں شامل نہیں ہے کفن فقط اتنا ہی ہے جو ہم نے بیان کیا۔

مسئلہ: میت کے دونوں ہاتھ پاسوں میں رکھ دیں، سینے پر نہ رکھیں کہ سینہ پر کافر رکھتے ہیں۔ (رد المحتار ص۹۲۳)

مسئلہ: میت کو عمامہ باندھنا مکروہ ہے (مجتبیٰ، المحیط، زاہدی، رد المحتار ص۹۳۶، مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص۳۴، مشکوٰۃ ص۱۴۳ میں بحوالہ مسلم و بخاری۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کفن میں عمامہ نہ تھا۔ اور مصنف ابن ابی شیبہ ص۸۹ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میت کو پگڑی نہ باندھی جائے اسی طرح امام شعبی سے بھی نقل فرمایا۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اپنی بھائی کو کفن دینے لگو تو اچھا کفن دو (مشکوٰۃ) اور کفن اچھا یہ ہے کہ پورا ہو اور لطیف و سفید ہو بغیر اسراف کے پس اچھے سے مراد یہ نہیں کہ جو اسراف والے کفن دیتے ہیں از راہ ناموری اور تکبر کے کیونکہ یہ سخت حرام ہے۔ اور نیا کپڑا اور دھویا ہوا کپڑا دونوں برابر ہیں اور تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اسراف کرنے والوں نے جو اختیار کیا ہے کہ کپڑے بہت بھاری قیمت کے کفن میں دیتے ہیں وہ شرع میں منع ہے واسطے ضائع ہونے مال کے (زنا ہرق)

حضرت امام علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کفن میں بہت مہنگا کپڑا نہ لگاؤ کیونکہ وہ بہت جلد چھینا جاتا ہے یعنی بہت جلد پرانا اور خراب ہو جاتا ہے پس کیا حاجت ہے نفیس اور بھاری قیمت کی۔ (مشکوٰۃ)

غرضیکہ کفن میں اسراف کرنا منع ہے اور اوسط درجہ کا مستحب اور بہتر ہے۔

پھر کفن کا کپڑا سفید رنگ کا ہو حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم خود بھی سفید کپڑے پہنو کہ تمہارے کپڑوں میں سے یہ بہترین ہیں اور اپنے مردوں کو بھی سفید ہی کپڑوں میں کفناؤ۔ (مشکوٰۃ ص۱۴۳)

مسئلہ: کفن میں یا قبر میں عہد نامہ یا اپنے پیر کا شجرہ یا کوئی اور دعا رکھنا درست نہیں اسی طرح کفن یا سینہ پر کافور یا روشنائی سے کلمہ وغیرہ کوئی دعا لکھنا درست نہیں ہے نہ یہ حدیث میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے نہ کسی مجتہد سے ثابت ہے (ردالمحتار ص۶۶۹)

مسئلہ: جس شہر میں کوئی مرے وہیں اس کا گور و کفن کیا جائے دوسری جگہ لیجانا بہتر نہیں ہے البتہ اگر کوئی جگہ کوس آدھ کوس دور ہو وہاں لے جانے میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔ (مراقی الفلاح و طحطاوی ص۳۵۸)

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اپنی بھائی کو کفن دینے لگو تو اچھا کفن دو (مشکوٰۃ) اور
کفن اچھا یہ ہے کہ پورا ہو اور لطیف و سفید ہو بغیر اسراف کے پس اچھے سے مراد یہ نہیں کہ جو
اسراف والے کفن دیتے ہیں از راہ ناموری اور تکبر کے کیونکہ یہ سخت حرام ہے۔ اور نیا کپڑا اور دھویا
ہوا کپڑا دونوں برابر ہیں اور تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اسراف کرنے والوں نے جو اختیار
کیا ہے کہ کپڑے بہت بھاری قیمت کے کفن میں دیتے ہیں وہ شرع میں منع ہے واسطے
ضائع ہونے مال کے (زنناهرق)
حضرت امام علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ
کفن میں بہت مہنگا کپڑا نہ لگاؤ کیونکہ وہ بہت جلد چھینا جاتا ہے یعنی بہت جلد پرانا اور خراب
ہو جاتا ہے پس کیا حاجت ہے نفیس اور بھاری قیمت کی۔ (مشکوٰۃ۔)
غرضیکہ کفن میں اسراف کرنا منع ہے اور اوسط درجہ کا مستحب اور بہتر ہے۔
پھر کفن کا کپڑا سفید رنگ کا ہو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے
کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم خود بھی سفید کپڑے پہنو کہ تمہارے کپڑوں میں سے
یہ بہترین ہیں اور اپنے مُردوں کو بھی سفید ہی کپڑوں میں کفناؤ۔ (مشکوٰۃ ص۱۴۳)

مسئلہ: کفن میں یا قبر میں عہد نامہ یا اپنے پیر کا شجرہ یا کوئی اور دُعا رکھنا درست نہیں
اسی طرح کفن یا سینہ پر کافور یا روشنائی سے کلمہ وغیرہ کوئی دُعا لکھنا درست نہیں ہے۔ نہ یہ
حدیث میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے نہ کسی مجتہد سے ثابت ہے (ردالمحتار ص۶۹۶، ۶۹۹)

مسئلہ: جس شہر میں کوئی مرے وہیں اس کا گور و کفن کیا جائے دوسری جگہ لیجانا
بہتر نہیں ہے البتہ اگر کوئی جگہ کوس آدھ کوس دور ہو وہاں لے جانے میں کوئی حرج
بھی نہیں ہے۔ (مراقی الفلاح و طحطاوی ص۳۵۸)

# کفن پر لکھنا

رد المحتار ص۲۳۷ میں ہے۔

قد افتی ابن الصلاح بانہ لا یجوز ان یکتب علی الکفن یاسین والکھف ونحوھما خوفاً من صدید المیت ط

ابن صلاح نے فتوے دیا ہے کہ بالکل جائز نہیں کہ کفن پر سورۃ یاسین وسورۃ کہف اور اس قسم کی کوئی اور چیز لکھی جائے کیونکہ میت کے پھٹنے سے اس کی پیپ لگنے کا خوف ہو

نہایہ میں ہے

لا یکتب علی الکفن بالمداد ولا علی الکاغذ لان فیہ اھانتہ والکاغذ۔ لیس من جنس الاکفان ولا یصنع علی المیت شیئاً لیس من الاکفان۔

یعنے کفن پر سیاہی سیاہی وغیرہ سے نہ لکھا جائے اور نہ ہی کاغذ پر لکھ کر کفن کے ساتھ رکھا جائے کیونکہ اس میں توہین ہے نیز کاغذ کفن کی جنس سے نہیں اس لیے وہ کفن میں نہیں رکھ سکتے۔

بعض نے اس طرح لکھنا جائز کہا ہے جس سے حروف ظاہر نہ ہوں لیکن بات حق یہ ہے کہ خیر القرون میں یہ طریقہ نہ تھا۔ لہٰذا اگر نیکی سمجھ کے لکھیں گے تو احداث فی الدین ہونے کی وجہ سے بدعت ہے ورنہ لغو اور فضول اور مومنوں کی صفت ہے وَهُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ

اب رہا زاد اللبیب کا ص۲۳ میں کفایہ سے نقل کرنا۔ کہ کسی نے بیٹے کو وصیت کی کہ مجھے مرنے کے بعد نہلا کر میرے ماتھے اور سینہ پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھ دینا پھر بیٹے نے ایسا ہی کیا بیٹے کو باپ خواب میں ملا اور کہا کہ میرے پاس قبر عذاب کے فرشتے آئے تو میرے سینے پر اور پیشانی پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا ہوا دیکھ کر کہنے لگے آمِنْتَ مِنَ العذاب (تو عذاب سے بچ گیا) سو یہ واقعہ خواب کا ہے اور یہ مسلم امر ہے کہ خواب حجت نہیں ہوتی۔ نیز عذاب کا یہ مقام نہیں جو عام سمجھا جاتا ہے عذاب عالم برزخ میں ہوتا ہے نیز ان کے کلام میں تعارض ہے کیونکہ ادھر کہتے ہیں کہ روشنائی سے تو نہ لکھے اس طرح لکھے کہ حروف ظاہر

نہ ہوں اور دوسری طرف لکھتے ہیں۔ وانہ ما یکتب بالمدا و بالتراب۔ یعنی ڈھیلے یا مٹی سے لکھ سکتے ہیں۔ کیا مٹی اور ڈھیلے کے ساتھ لکھنے سے حروف ظاہر نہیں ہوتے؟ یا پھر سیاہی کی ممانعت میں کوئی خاص اثر ہے نیز اگر کافر کے کفن پر بسم اللہ لکھ دی جائے تو فرشتے ہٹ جائیں گے؟ نہیں! ہرگز نہیں! کفن پر سارا قرآن لکھ دیا جائے پھر بھی خدا جس کو عذاب دینے کا حکم دے گا۔ فرشتے ضرور اس کو عذاب دیں گے کیونکہ لا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۔ فرشتے خدا کے حکم کی کبھی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کرتے ہیں جس کا خدا امر کرتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ عبداللہ بن اُبی منافق کا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازہ بھی پڑھا اور اس کے منہ میں لب مبارک بھی ڈالی۔ (مشکوٰۃ ص۱۴۳)

اور دیگر اپنے تن مبارک سے کرتہ مبارک اُتار کر اس کے بدن کے ساتھ لگایا اور اسی کرتہ کے ساتھ قبر میں دفن کر دیا مگر یہ سب باتیں اس کو عذاب سے نہ بچا سکیں۔ کیا آج کل ہم گنہگاروں کا کفن پر لکھ دینا آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کے کرتے سے بڑھ گیا؟

# نمازِ جنازہ۔

نمازِ جنازہ درحقیقت اس میّت کے لیے دُعا ہے ارحم الراحمین سے (رد المحتار ص۱۴۲)

میت کی نماز جنازہ فرض کفایہ ہے اگر ایک دو آدمی بھی پڑھ لیں تو سب کے ذمّہ سے فرض ساقط ہو گیا اور اگر کسی نے بھی نہیں پڑھی تو سب گنہگار ہوں گے۔ (رد المحتار ص۱۴۳)

جنازہ کی نماز صحیح ہونے کے لیے شرط ہے میّت کا مسلمان ہونا، میّت کا پاک ہونا، اس کے کفن کا پاک ہونا۔ ستر کا ڈھکا ہوا ہونا، میّت کا نماز پڑھنے والے کے سامنے رکھا ہوا ہونا اور نماز پڑھنے والے کا باوضو ہونا، پاک کپڑے ہونا، جگہ پاک ہونا، قبلہ رُخ کھڑے ہونا، ستر عورت اور نیت دل کی، ہاں وقت اس کے لیے شرط نہیں، نیز اس کے لیے نماز نہ ملنے کے خیال سے تیمم کرنا جائز ہے۔ مثلاً نماز جنازہ ہو رہی ہو اور وضو کرنے میں یہ خیال ہو کہ نماز ختم ہو جائے گی تو تیمم کر لے۔ بخلاف اور نمازوں کے کہ ان میں اگر وقت کے چلے جانے کا خوف ہو تو تیمم

جائز نہیں۔ بحوالہ بحرالرائق صفحہ ۱۹۹ اور ردالمحتار صفحہ ۲۳۰، جلد ۱)

آجکل بعضے آدمی جنازے کی نماز جوتا پہنے ہوئے پڑھتے ہیں ان کے لیے یہ امر ضروری ہے کہ وہ جگہ جس پر کھڑے ہوئے ہوں اور جوتے دونوں پاک ہوں اور اگر جوتا پیر سے نکال دیا جائے اور اس پر کھڑے ہوں تو صرف جوتے کا پاک ہونا ضروری ہے۔ اکثر لوگ اس کا خیال نہیں کرتے اور ان کی نماز نہیں ہوتی۔ (بہشتی زیور صفحہ ۲۳)

میت اگر کافر یا مرتد حقیقۃً یا حکماً ہو تو اس کی نماز جنازہ صحیح نہ ہوگی۔ مسلمان اگرچہ فاسق ہو یا ایسا بدعتی جس کی بدعت کفر تک نہ پہنچتی ہو اس کی نماز جنازہ پڑھنا صحیح ہے اگر البتہ جس نے اپنے باپ یا ماں کو قتل کیا ہو اور اس کی سزا میں وہ مارا جائے تو اس کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے زجراً، اور جو خودکشی کرے اس کی نماز جنازہ درست ہے۔

میت جس جگہ رکھی ہو وہ اگر پاک نہیں مگر میت پاک پلنگ یا تخت پر ہے تو نماز درست ہے۔ میت اگر نماز پڑھنے والوں کے سامنے نہ ہو پیچھے ہو یا میت وہاں حاضر نہ ہو تو نماز درست نہیں جیسے آج کل غائبانہ نماز جنازہ پڑھتے ہیں اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کے سوا کسی کا نماز جنازہ غائبانہ نہیں پڑھا اور صحابہ کرام کے عہد میں بھی غائبانہ نماز جنازہ نہیں ہوتی تھی اور نجاشی کا واقعہ میں لکھا ہے کہ معجزہ کے طور پر اس کی چارپائی حبشہ سے اٹھا کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھ دی گئی تھی حتیٰ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے خود اس چارپائی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ تو یہ معجزہ تھا اور آپ کی خصوصیت تھی (ردالمحتار صفحہ ۹۲)

اگر میت کو لوگ اپنے ہاتھوں پر اٹھائے ہوں یا کسی گاڑی یا جانور پر ہو اسی حالت میں اس کی نماز پڑھی جائے تو صحیح نہ ہوگی۔

نماز جنازہ میں دو چیزیں فرض ہیں ایک یہ کہ چار مرتبہ اللہ اکبر کہنا یہاں ہر تکبیر ایک رکعت کے قائم مقام سمجھی جاتی ہے دوسرے قیام یعنی کھڑے ہو کر نماز جنازہ پڑھنا جس طرح فرض و واجب نمازوں میں قیام فرض ہے اور بغیر عذر کے اس کا چھوڑنا جائز نہیں نماز جنازہ میں تین چیزیں سنت ہیں (۱) اللہ کی حمد کرنا (۲) نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنا (۳) میت کے لیے دعا کرنا۔ جماعت اس میں شرط نہیں پس اگر

ایک شخص بھی جنازہ کی نماز پڑھ لے تو فرض ادا ہو جائے گا خواہ وہ عورت ہو یا مرد، بالغ ہو یا نابالغ ——— (بحوالہ بحر ص ۱۹۹ ج ۲)

ہاں! یہ الگ بات ہے کہ یہاں جماعت کی ضرورت زیادہ ہے اس لیے کہ یہ دعا ہے میت کے لیے اور چند مسلمانوں کا جمع ہو کر بارگاہِ الٰہی میں کسی کے لیے دعا کرنا ایک عجیب خاصیت رکھتا ہے نزولِ رحمت اور قبولیت کے لیے ——— (بہشتی زیور ص ۸۱۹)

## نمازِ جنازہ پڑھنے کا طریقہ

نمازِ جنازہ پڑھنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ میت کو سامنے اس طرح رکھا جائے کہ سر اور پاؤں ہمارے علاقہ میں شمالاً جنوباً ہوں۔ پھر امام اس کے سینے کے مقابل قبلہ رُخ کھڑا ہو جائے اور جنازہ پڑھنے والے باقی تمام لوگ صف باندھ کر امام کے پیچھے کھڑے ہو جائیں۔ اگر آدمی زیادہ ہوں تو تین یا پانچ یا سات صفیں بنانا بہتر ہے۔ جب صفیں درست ہو جائیں تو نمازِ جنازہ کی نیت اس طرح کریں کہ "میں محض خدا تعالیٰ کے لیے اس جنازے کی نماز اس امام کے پیچھے پڑھتا ہوں۔" پھر امام زور سے اور مقتدی آہستہ سے اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہیں اور دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھا کر ناف کے نیچے باندھیں پھر امام اور مقتدی آہستہ آہستہ ثناء پڑھیں: سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ وَ تَبَارَکَ اسْمُکَ وَتَعَالٰی جَدُّکَ وَلَا اِلٰهَ غَیْرُکَ۔

اور یہ جو وَتَعَالٰی جَدُّکَ کے بعد وَجَلَّ ثَنَاؤُکَ کا کلمہ نمازِ جنازہ میں پڑھنا لوگوں میں مشہور ہے اس کا ذکر مجتہدین مقلدین متقدمین و متاخرین نے نہیں فرمایا اور صحاح ستہ و دیگر کتب احادیث مشہورہ میں بھی مذکور نہیں۔ البتہ غنیۃ المصلی میں لکھا ہے کہ کوئی پڑھے تو روکا نہ جائے اور جو نہیں پڑھتا اس کو حکم نہ دیا جائے۔ مگر صاحب غنیہ نے بھی اس لفظ کو جنازہ کے ساتھ مخصوص نہیں فرمایا مطلق نماز کے طریقہ میں اپنے مقام پر لکھا ہے۔ اور کبیری میں کتاب الدعاء للابن ابی شیبہ و ابن مردویہ کا حوالہ دیا اور ابن شجاع کی کتاب الفردوس کا جس کو محدثین نے آوذہ موضوعات کہا۔ اس لیے احتیاط اسی میں ہے کہ نہ تو نمازِ جنازہ میں وَجَلَّ ثَنَاؤُکَ پڑھا جائے اور نہ ہی کسی دوسری نماز میں۔

ثناء پڑھنے کے بعد بغیر ہاتھ اُٹھائے امام باآوازِ بلند تکبیر کہے اور مقتدی آہستہ سے۔ پھر دونوں درود جو نماز کے قعدہ اخیرہ میں پڑھے جاتے ہیں، امام

اور مقتدی سب آہستہ آہستہ پڑھیں۔ پھر دوسری کی طرح بغیر ہاتھ اُٹھائے تیسری تکبیر کہیں۔ پھر حسبِ حال امام اور مقتدی میت کے لیے آہستہ آہستہ دعا پڑھیں:

○ بالغ مرد یا عورت کا جنازہ ہو تو یہ دُعا پڑھیں:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِحَیِّنَا وَمَیِّتِنَا وَشَاھِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِیْرِنَا وَکَبِیْرِنَا وَذَکَرِنَا وَاُنْثَانَا، اَللّٰھُمَّ مَنْ اَحْیَیْتَہٗ مِنَّا فَاَحْیِہٖ عَلَی الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّیْتَہٗ مِنَّا فَتَوَفَّہٗ عَلَی الْاِیْمَانِ۔

○ اور بعض حدیثوں میں یہ دُعا بھی آئی ہے:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَہٗ وَارْحَمْہُ وَعَافِہٖ وَاعْفُ عَنْہُ وَاَکْرِمْ نُزُلَہٗ وَوَسِّعْ مُدْخَلَہٗ وَاغْسِلْہُ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ وَنَقِّہٖ مِنَ الْخَطَایَا کَمَا یُنَقَّی الثَّوْبُ الْاَبْیَضُ مِنَ الدَّنَسِ وَاَبْدِلْہُ دَارًا خَیْرًا مِّنْ دَارِہٖ وَاَھْلًا خَیْرًا مِّنْ اَھْلِہٖ وَزَوْجًا خَیْرًا مِّنْ زَوْجِہٖ وَاَدْخِلْہُ الْجَنَّۃَ وَاَعِذْہُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ النَّارِ۔

○ اور بعض حدیثوں میں یہ دُعا بھی آئی ہے:

اَللّٰھُمَّ اِنَّہٗ فِیْ ذِمَّتِکَ وَحَبْلِ جِوَارِکَ فَقِہٖ مِنْ فِتْنَۃِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ النَّارِ وَاَنْتَ اَھْلُ الْوَفَاءِ وَالْحَقِّ، اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَہٗ وَارْحَمْہُ اِنَّکَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۔

○ اور یہ لفظ بھی آئے ہیں:

اَللّٰھُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَہٗ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَہٗ

○ اور ایک روایت میں اس جگہ یہ لفظ ہیں:

اَللّٰھُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَہٗ وَلَا تُضِلَّنَا بَعْدَہٗ (مشکوٰۃ ص ۱۳٦)

(مظاہر حق ص ۵۰ ج ۲، بحرالرائق ص ۱۸۳ ج ۲، فتح القدیر ص ۴۵۹ ج ۱، حزب النبی ص ۱۰۹)

○ اور اگر جنازہ نابالغ لڑکے کا ہو تو یہ دُعا پڑھے:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ لَنَا فَرَطًا وَّاجْعَلْہُ لَنَا اَجْرًا وَّذُخْرًا وَّاجْعَلْہُ لَنَا شَافِعًا وَّمُشَفَّعًا۔

○ اور اگر جنازہ نابالغ لڑکی کا ہو تو یہ دُعا پڑھے:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْھَا لَنَا فَرَطًا وَّاجْعَلْھَا لَنَا اَجْرًا وَّذُخْرًا وَّاجْعَلْھَا لَنَا شَافِعَۃً وَّمُشَفَّعَۃً۔

اس کے بعد امام زور سے اور مقتدی آہستہ سے چوتھی تکبیر کہیں اور پھر امام زور سے اور مقتدی آہستہ سے پہلے داہنی طرف اور پھر بائیں طرف سلام پھیریں۔

نماز سے فارغ ہوتے ہی جنازے کو اٹھا کر لے چلیں اب جنازے کا یہاں رکھنا اور دعا کرنا اور محض ایصال ثواب کے لیے کلموں تسبیحوں تکبیروں قرآن مجید کے ختموں کے جمع کرنے کی خاطر دیر لگانا منع ہے حضرت نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جلدی کرو جنازہ کے ساتھ۔

کیونکہ اگر وہ میت نیک ہے تو اس کے حق میں تمہاری یہی بھلائی ہے کہ اس کو بھلائی کی طرف جلدی پہنچاؤ اور اگر وہ میت بدبخت یعنی بد ہے تو اس کو اپنی گردن سے جلدی جا رکھو اور جنازہ سے فارغ ہو کر پھر تماشی صورت میں دعا مانگنا اور دوسرے امور میں لگ کر جنازہ کے اٹھانے میں دیر لگانا نہ نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو نہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے نہ تابعینؒ اور نہ تبع تابعینؒ سے اور نہ کسی مجتہد سے منقول ہے نہ مجتہدینؒ کے شاگردوںؒ اور ان کے مذہب کے ناقلوںؒ سے منقول ہے بلکہ ان سے اس دعا کی کراہت باصراحت منقول ہے چنانچہ (۱) امام ابوبکر بن حامد معاصر ابو الحفص الکبیر نے محیط میں صاف لکھا ہے۔

إِنَّ الدُّعَاءَ بَعْدَ صَلٰوةِ الْجَنَازَةِ مَكْرُوْهٌ یعنی نماز جنازہ کے بعد دعا مکروہ ہے

(۲) امام شمس الائمہ حلوانی حنفیؒ اور مفتی بخارا قاضی شیخ الاسلام علامہ سغدی حنفی فرماتے ہیں کہ لَا يَقُوْمُ الرَّجُلُ بِالدُّعَاءِ بَعْدَ صَلٰوةِ الْجَنَازَةِ ــــــــــ (قنیہ ص۵۶)

ترجمہ: نماز جنازہ کے بعد دعا کے لیے کوئی آدمی نہ ٹھہرے۔

(۴) امام طاہر بن احمد بخاری حنفیؒ نے لکھا لَا يَقُوْمُ بِالدُّعَاءِ وَقِرَاءَةِ الْقُرْآنِ لِاَجْلِ الْمَيِّتِ بَعْدَ صَلٰوةِ الْجَنَازَةِ وَقَبْلَهَا۔

یعنی جنازہ کی نماز سے پہلے اور پیچھے میت کے لیے قرآن پڑھ کر دعا نہ کریں

(خلاصۃ الفتاوی ص۱۲۵ جلد اول)

(۵) علامہ سراج الدین حنفیؒ نے لکھا "إِذَا فَرَغَ مِنَ الصَّلٰوةِ لَا يَقُوْمُ بِالدُّعَاءِ

(فتاویٰ سراجیہ ص۲۳)

ترجمہ:۔ جب نماز جنازہ سے فارغ ہو جائے تو دعا کے لیے نہ ٹھہرے۔

(۶) امام حافظ الدین محمد بن شہاب کردری حنفیؒ نے کہا۔

لَا يَقُوْمُ بِالدُّعَاءِ بَعْدَ صَلٰوةِ الْجَنَازَةِ لِاَنَّهٗ دَعَا مَرَّةً (بزازیہ ص۲۹۳)

نماز جنازہ کے بعد دعا کے لیے نہ ٹھہرے کیونکہ (جنازہ کے اندر) ایک بار دعا کر چکا۔

(۷) امام شمس الدین محمد خراسانی کوہستانی حنفیؒ نے کہا کہ لَا يَقُوْمُ دَاعِيًا لَهٗ (جامع الرموز ص۱۲۵)

ترجمہ:۔ اور میت کے حق میں دعا مانگنے کے لیے نہ ٹھہرے۔

(۸) اور علامہ ابو حنیفہ ثانی ابن نجیم حنفیؒ نے کہا کہ لَا يَدْعُوْا بَعْدَ التَّسْلِيْمِ (بحر الرائق ص۱۸۳)

یعنی سلام پھیر چکنے کے بعد دعا نہ کرے۔

(۹) اور مفتی محمد نصیر الدین حنفیؒ نے لکھا کہ " و بعد ایستادہ نہ ماند برائے دعا (فتاویٰ برہنہ ص۳۶)

یعنی نماز جنازہ کے بعد دعا کے لیے نہ ٹھہرے۔

(۱۰) اور مصنفؒ مجموعہ خانی نے ص۱۱ میں لکھا ہے " و دعا نخواند و فتویٰ بریں قول است "

یعنی نماز جنازہ کے بعد دعا نہ پڑھے اور فتویٰ اسی قول پر ہے۔

(۱۱) حضرت ملا علی قاریؒ نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص۲۹ میں لکھا "

وَلَا يَدْعُوْا لِلْمَيِّتِ بَعْدَ صَلٰوةِ الْجَنَازَةِ لِاَنَّهٗ يُشْبِهُ الزِّيَادَةَ فِيْ صَلٰوةِ الْجَنَازَةِ

یعنی نماز جنازہ کے بعد میت کے لیے دعا نہ کرے کیونکہ یہ نماز جنازہ میں زیادتی کے مشابہ ہے

(۱۲) مفتی سعد اللہ صاحب حنفیؒ لکھتے ہیں۔

خالی از کراہت نیست زیرا کہ اکثر فقہاء بوجہ زیادہ بودن بر امر مسنون منع میکنند

(فتاویٰ سعدیہ ص۱۳۰)

یعنی جنازہ کی نماز کے بعد دعا مانگنا کراہت سے خالی نہیں کیونکہ اکثر فقہاء اسی لیے منع کرتے ہیں کہ

امر مسنون پر زیادتی ہو جاتی ہے۔

(۱۳) مولانا نواب قطب الدین صاحبؒ نے مظاہر حق ص۵۵ میں لکھا ہے اور نہ دعا کرے میت کے لیے بعد

نماز جنازہ کے اس لیے کہ یہ مشابہ ہوتا ہے ساتھ زیادتی کے نماز جنازہ میں۔

(۱۴) مجالس الابرار ک‍ ۳۲ میں ملا احمد رومی نے فرمایا:
وَبَعْدَ الرَّابِعَةِ التَّسْلِيمُ وَلَيْسَ بَعْدَهَا دُعَاءٌ سِوَى السَّلَامِ
یعنی چوتھی تکبیر کے بعد سلام کہنا ہے اور اس چوتھی تکبیر کے بعد سلام کے بعد کوئی دعا نہیں۔ نہ سلام سے پہلے نہ سلام کے بعد۔

(۱۵) ملتقی الابحر صفحہ ۱۸۲ میں ہے۔
وَيُسَلِّمُ عَقِبَهَا بِلَا دُعَاءٍ بَعْدَ التَّسْلِيمَتَيْنِ
یعنی چوتھی تکبیر کے بعد دو سلام کہے جن کے بعد کوئی دعا نہیں۔

(۱۶) قاضی خان صفحہ ۹۲ میں ہے
وَيُسَلِّمُ بَعْدَ التَّكْبِيرَةِ الرَّابِعَةِ وَلَا يَقُوْلُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً۔ یعنی چوتھی تکبیر کے بعد دو سلام کہے اور ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ وغیرہ دعا نہ پڑھے

(۱۷) فتح المعین صفحہ ۳۵۲ میں ہے۔
وَتَسْلِيمَتَيْنِ بَعْدَ الرَّابِعَةِ وَلَيْسَ الدُّعَاءُ بَعْدَ التَّكْبِيرَةِ الرَّابِعَةِ سِوَى السَّلَامِ یعنی چوتھی تکبیر کے بعد دو سلام کہے اور اس چوتھی تکبیر کے بعد سوائے سلام کے کوئی دعا نہیں یعنی نہ سلام سے پہلے اور نہ سلام کے بعد۔

(۱۸) ملتقی الانہر صفحہ ۱۸۲ میں ہے وَيُسَلِّمُ عَقِبَهَا أَيْ بَعْدَ التَّكْبِيرَةِ الرَّابِعَةِ بِلَا دُعَاءٍ سِوَى السَّلَامِ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ۔
یعنی ظاہر روایۃ میں چوتھی تکبیر کے بعد سوائے سلام کے کوئی دعا نہیں۔

(۱۹) رد المحتار صفحہ ۲۲۲ میں ہے۔ وَيُسَلِّمُ بِلَا دُعَاءٍ هُوَ ظَاهِرُ الْمَذْهَبِ
یعنی اور چوتھی تکبیر کے بعد بغیر دعا کے سلام پھیرے یہی ظاہر مذہب ہے۔

(۲۰) فتاوٰی غرائب قلمی میں ہے۔ لَا دُعَاءَ بَعْدَ الرَّابِعَةِ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ
ظاہر الروایۃ میں چوتھی تکبیر کے بعد کوئی دعا نہیں (نہ سلام سے پہلے نہ بعد)

(۲۱) وصایا احمد وصیت نامہ امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ صفحہ ۹ میں ہے
بعد از جنازہ نماز توقف برائے دعا سنت سنیہ نیست یعنی نماز جنازہ کے بعد دعا کیلئے

ٹھیرنا یہ کوئی سنت نہیں ہے۔

(۲۲) مشکوٰۃ شریف ص۱۴۳ شرح میں ہے یُکْرَہُ الدُّعَاءُ بَعْدَ صَلٰوۃِ الْجَنَازَۃِ بِخِلَافِ الْمَکْتُوْبَاتِ نمازِ جنازہ کے بعد دُعا تو مکروہ ہے بخلاف پنجگانہ فرض نمازوں کے کہ ان کی بعد دُعا مستحب ہے

(۲۳) نفع المفتی والسائل ص۱۴۳ (۲۴) صلوٰۃ مسعودی ص۲۵۸ (۲۵) مدخل ص۲۲ (۲۶) المضمرات (۲۷) برجندی ص۱۸۰ حاشیہ مختصر وقایہ (۲۸) زاد اللبیب ص۵۳ (۲۹) قلمی قنیہ ص۵۳ میں (۳۰) درمختار ص۱۲۱ (۳۱) برہان شرح مواہب الرحمٰن ص۱۵۲ و مجموعہ خوانی ص۱۰۹ وغیرہ کتب فقہ میں اسی طرح ہے۔

(۳۲) مختار الفتاویٰ قلمی ص۹۷ میں ہے کہ اِذَا فَرَغَ مِنَ الصَّلٰوۃِ لَا یَقُوْمُ بِالدُّعَاءِ جب نمازِ جنازہ سے فارغ ہوجائے تو دُعا کے لیے نہ ٹھیرے۔

(۳۳) بحر العلم فی شرح عین العلم ص۲۱۶ میں ہے "اور نمازِ جنازہ کی نماز کے بعد کھڑا ہونا پس خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے کہ نہ قیام کیا جائے بعد نماز کے دُعا کے لیے اور جامع الرموز میں ہے اور قیام نہ کرے در حالیکہ دُعا کرنے والا ہے۔

(۳۴) مصباح الہدایہ قلمی ص۲۵ میں ہے بعد از تکبیر رابع سلام در راست و چپ بگوید و در آں حال دو دست بکشاید و بعد از سلام بقراءت قرآن و ہیچ دُعا مشغول نشود کہ مسنون نیست"....

مضمرات۔ از طحاوی آوردہ است کہ بعد از سلام راست و چپ امام چیزے خواندنی نیست"۔ یعنی چوتھی تکبیر کے بعد دائیں بائیں سلام کہے اور اسی حال میں دونوں ہاتھ کھول دے اور بعد سلام کے قرآن پڑھنے اور کسی دُعا کے مانگنے میں نہ لگ جائے کیونکہ یہ مسنون نہیں۔

مضمرات نے طحاوی سے روایت کی ہے کہ امام کے دائیں بائیں سلام کے بعد کوئی چیز مانگنی یا پڑھنی جائز نہیں ہے۔

(۳۵) زاد الآخرۃ قلمی ص۹۱ میں ہے "فصل شانزدہم در کراہیت خواندن دعا بعد از جنازہ۔ در کنز و ذخیرہ می آرد کہ خواندن دعا بعد از جنازہ مکروہ است زیرا کہ مشابہ بزیادتی میشود نماز گزاردن بر جنازہ اتم کلام است۔ فصل نمبر ۱۶۔ جنازہ کے بعد دُعا مانگنے کی کراہیت میں۔ کنز اور ذخیرہ میں لائے ہیں کہ جنازہ کے بعد دُعا مانگنا مکروہ ہے۔ کیونکہ مشابہ بزیادتی کے ہوجاتا ہے جنازہ پر نماز پڑھنی اتم اور مکمل کلام ہے۔

(۳۷) اسی زاد الآخرۃ کے حاشیہ پر ص۳۳ میں لکھا ہے

لَا یَجُوْزُ قِرَاءَۃُ الْفَاتِحَۃِ قَبْلَ الدَّفْنِ لِاَنَّ رُوْحَہٗ بِالْمَلَائِکَۃِ مَشْغُوْلٌ فِیْ اَمْرِ رَبِّہٖ۔ (نقل ملتقط ناصری)

یعنی دفن سے پہلے فاتحہ کا پڑھنا جائز نہیں کیونکہ اس کی روح فرشتوں کے ساتھ مشغول ہے اپنے رب کے امر میں۔

(۳۸) درہم الکیس ص۶۱ میں ہے لَا یَدْعُوْا بَعْدَ (التسلیم) وص۶۴ وَلَا یَدْعُوْا بَعْدَ السَّلَامِ۔ یعنی بعد سلام کے دعا نہ کرے۔

(۳۹) جواہر النفیس ص۲۲ میں ہے لَا یَدْعُوْا بَعْدَ سَلَامٍ وَعَلَیْہِ الْفَتْوٰی کَذَا فِیْ مَجْمُوْعِ الْفِقْہِ۔ سلام کے بعد۔ بعد نماز جنازہ کے دعا نہ مانگے اور اسی پر فتویٰ ہے مجموع الفقہ میں اسی طرح ہے۔

(۴۰) جواہر النفیس ص۲۲ کے حاشیہ میں ہے لَا یَقُوْمُ الرَّجُلُ بِالدُّعَاءِ بَعْدَ صَلٰوۃِ الْجَنَازَۃِ خلاصہ، سراجیہ تاتارخانی۔ آدمی نماز جنازہ کے بعد دعا کے لیے نہ ٹھیرے بحوالہ خلاصہ سراجیہ و تاتارخانی

(۴۱) حمایۃ الفقہ ص۱۳۹ میں ہے۔ کُرِہَ صَلٰوۃُ الْجَنَازَۃِ فِیْ مَسْجِدِ جَمَاعَۃٍ وَکَذَا الْقِیَامُ بَعْدَھَا بِالدُّعَاءِ لِاَنَّہٗ یُشْبِہُ الزِّیَادَۃَ فِیْھَا۔ نماز جنازہ مسجد جماعت میں مکروہ ہے اور اسی طرح نماز جنازہ کے بعد دعا کے لیے ٹھیرنا بھی مکروہ ہے کیونکہ یہ نماز جنازہ میں اضافہ کر دینے کے مشابہ ہے۔

(۴۲) حاشیہ شرح الیاس ص۲۲۸ میں ہے وَلَا یَقُوْمُ بِالدُّعَاءِ بَعْدَ صَلٰوۃِ الْجَنَازَۃِ

ترجمہ:۔ اور نہ ٹھیرے نماز جنازہ کے بعد دعا کے لیے۔

(۴۳) وجیز الصراط ص۲۴ میں ہے ” در بعض کتب نوشتہ کہ بعد از نماز جنازہ نشستہ یا ایستادہ دعا خواندن مکروہ است کما فی مسائل مہمہ کہ بعد از نماز جنازہ بزودی او را دفن کنند و دعا وغیرہ کردن تاخیر در دفن مے آید۔

ترجمہ: بعض کتابوں میں آیا ہے کہ نماز جنازہ کے بعد بیٹھا یا کھڑا ہو کر دعا کرنے کے لیے مکروہ ہے جیسا کہ مسائل مہمہ میں ہے کہ نماز جنازہ کے بعد جلد از جلد اس کو دفن کریں اور

دُعا وغیرہ کرنے سے دفن میں دیر ہوتی ہے۔

(۴۴) احسن الفتاوٰی کے صفحہ ۱۱۰ میں بحوالہ فوائد بہیہ صفحہ ۱۵۲ لکھا کہ امام ابوبکر بن حامد فرماتے ہیں کہ اِنَّ الدُّعَاءَ بَعْدَ صَلٰوۃِ الْجَنَازَۃِ مَکْرُوْہٌ یعنی نماز جنازہ کے بعد دُعا مانگنا مکروہ ہے۔

(۴۵) پکی روٹی صفحہ ۵۰ میں ہے۔

"وقت سلام پھیرنے کہتے آکھے - وقت ہور دُعا کھلو کے نا پڑھے کیونکہ ہور دُعا پڑھنی بدعت ہے بعد نماز جنازہ دے"

(۴۶) وجیز کردری (۴۷) کشف الغطاء - (۴۸) کافی شرح وافی (۴۹) مجموع الفقہ (۵۰) تحفۃ المحتاج شرح منہاج (۵۱) تجنیس (۵۲) زاد اللبیب (۵۳) وغیرہ کتب فقہ میں مرقوم ہے

(۵۴) مفتی سعداللہ صاحب نے حاشیہ ما لابد منہ صفحہ ۵۲ میں لکھا ہے "بعد سلام برائے دعا ایستادن ہم نشاید بلکہ در حمل جنازہ مشغول شوند" یعنی جنازہ کے سلام کے بعد دُعا کے لیے کھڑا بھی نہ ہونا چاہیے بلکہ جنازہ اٹھانے لگ جائیں۔

(۵۵) انواع بارک اللہ صفحہ ۲۵۸ میں بزبان پنجابی یہ اشعار ہیں۔

دوجی بعد درود پڑھیے تیجی بعد دُعا | چوتھی بعد سلام کہیئے وقت دُعا نہ کا
بعد فراغ نماز جنازے فِی الحال دُعا نہ کریئے | نال شتابی چا کر میت کول قبر دے دھریئے

(۵۶) محیط برہانی قلمی ورق ۲۳۰ میں ہے لایقوم الرجل بالدعاء بعد صلٰوۃ الجنازۃ لانہ دعا مرۃ لان اکثرھا صلٰوۃ الجنازۃ الدعاء چونکہ نماز جنازہ میں ایک مرتبہ دعا مانگ چکا ہے اس لیے اب نماز جنازہ کے بعد دعا کے لیے نہ ٹھہرے الخ

## کتب مذہب شافعی

میں بھی اسی طرح ہے چنانچہ فتاوٰی زکریا انصاری صفحہ ۱۰۶ میں ہے۔

سُئِلَ مِنَ الْفَاتِحَۃِ بَعْدَ الْفَرَاغِ مِنَ الصَّلٰوۃِ عَلَیْہِ وَجَنَازَتُہٗ مَوْضُوْعَۃٌ حَتّٰی یَفْرُغَ مِنَ الْقِرَاءَۃِ هَلْ هُوَ حَسَنٌ اَمْ لَا؟ لِمُعَارَضَتِہٖ سُنَّۃَ الْاِسْرَاعِ وَاِذَا قُلْتُمْ بِھٰذَا فَہَلْ لَنَا هُنَا عَنْہُ ثَوَابٌ اَمْ لَا؟ فَاَجَابَ بِاَنَّ الْاَوْلٰی وَالْاَحْسَنَ الْاِسْرَاعُ بِالْجَنَازَۃِ وَالْقِرَاءَۃُ فِیْ ھٰذَا الْمَحَلِّ خِلَافُ الْاَوْلٰی وَ الْاِثْمُ عَنْہُ مُنْتَفٍ

یعنی حضرت زکریا انصاری شافعیؒ سے نماز جنازہ کے متصل بعد فاتحہ پڑھنے کا سوال کیا گیا جب کہ جنازہ سامنے رکھا رہے یہاں تک فاتحہ پڑھنے سے فارغ ہو جائیں کیا یہ طریقہ اچھا ہے یا نہیں کیونکہ جنازہ میں جلدی کرنا مسنون ہے یہ طریقہ تو اس کے خلاف ہے اور اگر آپ اس طریقہ کے غیر مستحب ہونے کے قائل ہیں تو پھر یہ بتائیں کہ جو شخص ایسا کرنے سے منع کرے وہ خدا کے ہاں ثواب کا مستحق ہے یا نہ ؟ تو جناب زکریا انصاری شافعیؒ نے اس سوال کا جواب یوں دیا۔ کہ جنازہ کو جلد لے جانا ہی اولیٰ و احسن ہے اس موقعہ پر قراءت کرنا خلافِ اولیٰ ہے اور اس سے منع کرنے والا ثواب کا مستحق ہے

## کتب مذہب مالکی رح

میں بھی اسی طرح ہے چنانچہ ابن امیر الحاج نے المدخل صفحہ ۲۵۱ میں فرمایا۔

لٰكِنْ بَقِيَ شَيْءٌ لَمْ يَتَقَدَّمْ ذِكْرُهُ فَتَعَيَّنَ التَّنْبِيْهُ عَلَيْهِ وَذٰلِكَ اَنَّ بَعْضَ مَا يَعْتَنُوْنَ بِهٖ مِنَ الْمَوْتٰى يَتْرُكُوْنَ بَعْدَ اَنْ يُّصَلّٰى عَلَيْهِ وَيَقِفُوْنَ عِنْدَهٗ يَدْعُوْنَ وَيُطِيْلُوْنَ الدُّعَاءَ...... وَالسُّنَّةُ التَّعْجِيْلُ بِالْمَيِّتِ وَفِعْلُهُمْ بِضِدِّ ذٰلِكَ فَلْيَحْذَرْ مِنْ هٰذَا وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ۔

یعنی اس تمام بحث کے بعد ابھی ایک چیز باقی رہ گئی ہے جس پر تنبیہ کرنا ضروری اور وہ یہ ہے کہ بعض لوگ مُردوں کے ساتھ حد سے بڑھ کر اہتمام کرتے ہیں وہ انہیں جنازہ کے بعد رکھ چھوڑتے ہیں اور اس کے پاس کھڑے ہو کر دُعا مانگتے ہیں اور بڑی لمبی چوڑی دعائیں کرتے ہیں۔ حالانکہ اس جگہ سُنت طریقہ یہ ہے کہ میت کو قبرستان پہنچانے میں جلدی کی جائے اور ان لوگوں کا یہ فعل اس سنت طریقہ کے خلاف ہے اس لیے ان لوگوں کو اس کام سے بچنا ضروری ہے۔ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ۔

# کتب مذہب حنبلیؒ

میں بھی اسی طرح ہے چنانچہ مختصر تذکرہ صلا عبدالوہاب الحنبلی میں ہے۔

قَالَ اَبُوْعَبْدِ اللّٰهِ الْحَكِيْمُ التِّرْمِذِيُّ وَاِنَّهُ اسْتُحِبَّ الْوُقُوْفُ لِلدُّعَاءِ لِلْمَيِّتِ بَعْدَ الدَّفْنِ مَعَ اَنَّهُمْ دَعَوْا لَهُ بِالصَّلٰوةِ عَلَيْهِ هُوَ كَوُقُوْفِ الْعَسْكَرِ بِبَابِ الْمَلِكِ يَشْفَعُوْنَ لَهُ وَاَمَّا الْوُقُوْفُ عَلَى الْقَبْرِ لِسُؤَالِ التَّثْبِيْتِ فَهُوَ ثَمَرَةُ دُعَاءِ الْعَسْكَرِ فِي الصَّلٰوةِ عَلَيْهِ۔

یعنی حکیم ابوعبداللہ ترمذی فرماتے ہیں بے شک دفن کے بعد میت کے لیے دعا کرنا مستحب ہے، حالانکہ اس سے پہلے نماز جنازہ میں جماعت مسلمین کے ساتھ دعا مانگ چکے ہیں (یعنی جب ایک بار میت کے لیے دعا مانگ چکے ہیں تو دوسری بار قبر پر دعا مانگنے کی کیا ضرورت ہے) تو فرماتے ہیں کہ جنازہ میں جو دعا جماعت مسلمین نے مانگی تھی اس کی مثال ایسی ہے کہ بادشاہ کے دروازے پر مسلمانوں کا لشکر شفاعت کے لیے کھڑا تھا اور قبر پر کھڑا ہونا اس کی ثابت قدمی کے لیے دعا کرنا ہے جو نماز جنازہ میں مسلمین کے لشکر کی دعا کا ثمرہ ہے۔ سیوطیؒ کی شرح الصدور صلا میں بھی یونہی ہے

اس عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ میت کے لیے صرف دو مقام پر دعا مانگی جاتی ہے۔ ایک جنازہ کے اندر کی دعا، اور دوسری قبر پر تدفین کے بعد جو دعا مانگی جاتی ہے اور ان دو دعاؤں کے مابین کوئی دعا نہیں ہے۔

مغنی لابن قدامہ صلا میں ہے

رُوِيَ عَنْ مُجَاهِدٍ اَنَّهُ قَالَ اِذَا صَلَّيْتَ فَلَا تَبْرَحْ مُصَلَّاكَ حَتّٰى تُرْفَعَ قَالَ وَرَاَيْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ رض لَا يَبْرَحُ عَنْ مُصَلَّاهُ اِذَا صَلّٰى عَلٰى جَنَازَةٍ حَتّٰى يَرَاهَا عَلٰى اَيْدِي الرِّجَالِ۔ قَالَ الْاَوْزَاعِيُّ لَا تَنْقَضُّ الصُّفُوْفُ حَتّٰى تُرْفَعَ الْجَنَازَةُ۔

یعنی حضرت مجاہد رحمۃ اللہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب تو نماز جنازہ پڑھ چکے

تو جب تک جنازہ نہ اُٹھا لیا جائے تب تک اپنی نماز کی جگہ سے نہ ہٹ۔ فرمایا کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ جب وہ نماز پڑھ چکتے تھے تو وہ اپنی جائے نماز سے نہ ہٹتے تھے یہاں تک کہ دیکھ لیتے جنازہ مردوں کے ہاتھوں پر
حضرت امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب تک جنازہ نہ اُٹھا لیا جائے صفیں نہ توڑی جائیں۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ نماز جنازہ کے بعد جنازہ اُٹھانے سے پہلے دُعا نہیں
اور نماز جنازہ کے بعد دُعا مانگنا زمانۂ حال کے اہلسنت و جماعت کہلانے والے اہل بدعت حضرات اور

## شیعہ حضرات

کا متفق علیہ عمل ہے چنانچہ ان کی نہایت معتمد و مستند کتاب تحفۃ العوام ص۲۱۶ میں لکھا ہے۔

"اور سنت ہے کہ بعد فراغ نماز (جنازہ) کے کہے رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ اور سنت ہے کہ سب اسی جگہ ٹھہریں جب تک جنازہ اُٹھا دیں خصوصاً امام پیش نماز۔"

مگر جب ہم سنت طریقہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں معاملہ اس کے برعکس نظر آتا ہے چنانچہ شرح سفر السعادت ص۲۶۶ میں ہے

"چون (نبی) کریم صلے اللہ علیہ وسلم نماز بر میت گذاردے باوے ہمراہ شدے و پیادہ با مدفن وے رفتے و فرمودے شتاب کنید در بردن۔"

ترجمہ:۔ جب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم میت پر نماز جنازہ ادا کر چکتے تو فوراً ہی آپ جنازہ کے ساتھ ہو لیتے اور دفن کی جگہ تک پا پیادہ چلتے اور فرماتے کہ جلدی لے چلو۔ اور علامہ ابن قیمؒ نے بھی زاد المعاد ج۱ ص میں اسی طرح ذکر فرمایا

یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے مبارک معمول سے کئی مسائل مستنبط فرمائے ہیں من جملہ ان مسائل کے ایک مسئلہ تو یہی ہے کہ نماز جنازہ سے فارغ ہوتے ہی فوراً اُسے وہاں سے اُٹھا لیا جائے چنانچہ تحفہ رحمانی شرح خلاصہ کیدانی ص۲۸۸

میں لکھا ہے۔

بَعْدَ الْفَرَاغِ مِنَ الصَّلٰوۃِ یُعَجِّلُ رَفْعُہٗ لِلدَّفْنِ۔

یعنی نماز جنازہ سے فارغ ہوتے ہی میت کی چارپائی اٹھانے میں دفن کرنے کیلئے جلدی کی جائے۔

(۲) فتاوٰی سعدیہ صـ۱۳ کافی کے حوالہ سے لکھا ہے۔

فَاِذَا فَرَغُوْا فَعَلَیْھِمْ اَنْ یَّمْشُوْا خَلْفَ الْجَنَازَۃِ اِلٰی اَنْ یَّنْتَھُوْا اِلَی الْقَبْرِ

یعنی نماز جنازہ سے فارغ ہوتے ہی ان پر لازم ہے کہ جنازہ کے پیچھے چلیں یہاں تک کہ قبر تک پہنچ جائیں۔

(۳) تجہیز الجنازہ صـ۵۶ میں ہے۔

فَاِذَا فَرَغُوْا مِنَ الصَّلٰوۃِ رَفَعُوْہُ وَحَمَلُوْہُ

یعنی نماز جنازہ سے فارغ ہوتے ہی میت کو اٹھا لے چلیں۔

(۴) خلاصۃ الفقہ قلم میں ہے۔

"بعدہٗ سلام دہد و مردم حاضر را رخصت کند"

یعنی چوتھی تکبیر کے بعد سلام کہے اور حاضرین میں سے (جو واپس جانا چاہتے ہوں) انہیں رخصت دیدے۔

منجملہ ان مسائل کے ایک مسئلہ یہ بھی مستنبط فرمایا ہے کہ جو شخص دوسری یا تیسری تکبیر ہو چکنے کے بعد امام کے ساتھ ملے تو آئندہ تکبیر کی انتظار کرے جب امام تکبیر کہے گا تب نماز جنازہ میں تکبیر کہہ کر شریک ہو اور جو تکبیریں رہ گئی ہوں وہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد کہہ لے مگر ان تکبیروں کے سوا ثنا، درود اور دعا کچھ نہ پڑھے کیونکہ اگر وہ ثنا، درود اور دعا پڑھنے میں لگ گیا اور جنازہ اٹھا لیا گیا تو اس کی نماز جنازہ فاسد ہو جائے گی کیونکہ میت کا سامنے رکھا ہوا موجود ہونا نماز جنازہ کی صحت کی شرط ہے جیسے پہلے پڑھ چکے ہو۔

فتح القدیر صـ۴۶۲ میں ہے۔

ثُمَّ الْمَسْبُوْقُ يَقْضِيْ مَا فَاتَهُ مِنَ التَّكْبِيْرَاتِ بَعْدَ سَلَامِ الْإِمَامِ نَسَقًا بِغَيْرِ دُعَاءٍ لِأَنَّهُ لَوْ قَضَاهُ بِهِ تُرْفَعُ الْجَنَازَةُ فَتَبْطُلُ الصَّلٰوةُ۔

یعنی پھر مسبوق فوت شدہ تکبیروں کو امام کے سلام کے بعد مسلسل قضا کرے بغیر دعا کے کیونکہ اگر دعا سمیت قضاء کرے گا تو جنازہ اٹھا لیا جائیگا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔

(۲) فتاویٰ سمرقندی قلمی میں ہے۔

"باید کہ بعد از سلام آرد از ان پیش کہ جنازہ بردارند و بدعوات مشغول بود"

یعنی مسبوق کو سلام کے بعد صرف تکبیریں کہنی چاہئیں جنازہ اٹھایا جانے سے پہلے اور دعاؤں میں مشغول نہ ہو تاکہ اس کی نماز تباہ (فاسد) نہ ہو اور چاہیے کہ امام ابو حنیفہ و امام محمد رحمہما اللہ کے قول پر عمل کرے تاکہ بالاتفاق نماز ہو جائے۔

(۳) فتاویٰ غرائبیہ قلمی میں ہے۔

فِي الْقَضَاءِ هَلْ يَأْتِيْ بِالْأَذْكَارِ فِي التَّكْبِيْرَاتِ الْفَائِتَةِ ذَكَرَ الْحَسَنُ فِي الْمُجَرَّدِ اِنْ كَانَ يَأْمَنُ رَفْعَ الْجَنَازَةِ يَأْتِيْ وَاِلَّا لَا بَلْ يَأْتِيْ يُتَابِعُ بَيْنَ التَّكْبِيْرَاتِ وَلَوْ لَمْ يَفْرُغْ حَتّٰى وَضَعُوْهَا عَلَى الْأَكْتَافِ بَطَلَتْ صَلٰوتُهُ۔

یعنی فتاووں میں ہے کہ کیا مسبوق فوت شدہ تکبیروں کی قضا میں اذکار مسنونہ بجالائے یا نہ؟ تو اس کا جواب ہے حضرت حسنؒ نے المجرد میں ذکر کیا ہے کہ اگر جنازہ کے اٹھائے جانے کا خطرہ نہیں ہے تو پڑھ لے ورنہ نہ پڑھے بلکہ پے در پے تکبیر کہہ دے اور اگر تکبیروں سے فارغ نہیں ہوا حتیٰ کہ جنازہ اٹھا لیا گیا تو اس مسبوق کی نماز باطل ہو جائے گی۔

الجوہر النفیس قلمی میں ہے۔

اِنْ كَانَ حَفِظَهُ لِأَجْلِ خَتْمِ الْقُرْاٰنِ اَوْ لِرُؤْيَةِ الْغَائِبِ وَنَحْوِهِ لَا يَجُوْزُ بَلْ اَتْبَعَهُ وَ بَلْ عِدَّةٌ لِأَنَّ سُرْعَةَ الدَّفْنِ مِنَ الْوَاجِبَاتِ

یعنی اگر میت کو قرآن ختم کرنے کے لیے یا کسی غائب آدمی کے لیے روکے یا اس طرح کسی اور

وجہ سے تو یہ ناجائز ہے بلکہ زیادہ قبیح اور بدعت ہے کیونکہ جلدی کرنا دفن میں واجب ہے بحرالرائق ص۱۹۱ میں ہے

لَوْجُهِّزَ الْمَيِّتُ صَبِيْحَةَ يَوْمِ الْجُمُعَةِ يُكْرَهُ تَاخِيْرُ الصَّلٰوةِ وَدَفْنُهٗ لِيُصَلِّيَ عَلَيْهِ الْجَمْعُ الْعَظِيْمُ بَعْدَ صَلٰوةِ الْجُمُعَةِ وَلَوْ خَافُوْا فَوْتَ الْجُمُعَةِ بِسَبَبِ الدَّفْنِ يُؤَخَّرُ الدَّفْنُ ۔

یعنے اگر جمعہ کے روز صبح کے وقت میت کی تجہیز ہو چکے تو اس پر نماز جنازہ اور دفن کو اس لیے مؤخر کرنا تاکہ نماز جمعہ کے بعد ایک بڑی جماعت اس پر نماز جنازہ پڑھیگی سو یہ مکروہ ہے البتہ دفن کی وجہ سے اگر نماز جمعہ کے فوت ہو جانے کا خطرہ ہو تب دفن میں تاخیر کی جاسکتی ہے جنازہ گاہ میں جو پہنچ جائے تو اس کی خاطر اتنی تاخیر بھی منع ہے کہ اس میں وضو کرے سوا ولی و حاکم کے۔ بلکہ بے وضو آدمی تیمم کرے تاکہ نماز جنازہ میں شامل ہو سکے۔

اگر وقت مکروہ میں جنازہ آگیا ہے تو اسی وقت پڑھ لو دیکھو مجالس الابرار ص۳۴۰ تجہیز الجنازہ ص۷ پڑھو۔ دیکھو مجلس الابرار ص۳۴۶ وکبیری ص۵۵ و برہنہ ص۲۵۸۔

## نماز جنازہ میں شرکت نہ کرنا

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص جنازے کے ساتھ جائے اور اس کی نماز پڑھے اور پھر دفن تک اس کے ساتھ رہے اس کو دو قیراط ثواب ملے گا اور جو صرف نماز پڑھ کر لوٹ آئے اس کو ایک قیراط ثواب ملے گا (مشکوٰۃ ص۱۴۴) پس جنازے کے ساتھ جا کر نماز میں شریک نہ ہونا اور جماعت سے علیحدہ رہنا ایک غیر مستحسن امر اور شان اسلام سے بعید ہے۔ واللہ اعلم (دلیل الخیرات ص۹۲)

سوال:۔ لوگ جنازے کے ساتھ تو جاتے ہیں مگر جب نماز ہوتی ہے تو بہت سے اشخاص نماز میں شریک نہیں ہوتے اور کہتے ہیں کہ جنازہ کی نماز فرض کفایہ ہی تو ہے اور جب کچھ لوگوں نے پڑھ لی تو سب کا فرض ساقط ہو جاتا ہے کیا ان کا یہ عمل درست ہے۔

جواب:۔ بے شک جنازے کی نماز فرض کفایہ ہے اور کچھ لوگوں کے پڑھ لینے سے اور مسلمانوں

فرض ساقط ہو جاتا ہے لیکن اس خیال سے نماز سے علیحدہ رہنا مناسب نہیں کیونکہ ان کے ذمہ اپنے مُردہ بھائی کے حقوق میں سے اس کے جنازہ کی نماز پڑھنے کا حق بھی تو ہے اور نمازِ جنازہ میں کثرتِ نمازیوں کی مستحسن ہے۔ اگر محض فرض نماز ساقط ہو جانے کا خیال ہو تو پھر اس کے ساتھ جانے اور دفن کرنے کا فرض بھی تو اُن کے ذمّے سے اس وجہ سے ساقط ہو گیا کہ اوروں نے جنازہ لے جا کر دفن کر دیا۔

## چند شبہات کے جوابات

سوال:۔ ابراہیم ہجری کہتے ہیں کہ ابن ابی اوفیٰ چوتھی تکبیر کے بعد کھڑے دُعا کرتے رہے اور فرمایا کہ جنازوں پر رسول اللہ اسی طرح کرتے تھے۔

معلوم ہوا کہ دُعا بعد الجنازہ درست ہے۔

جواب:۔ یہ دلیل شافعیوں کی طرف سے حنفیہ پر پیش کی جاتی ہے اس دُعا کے بارے میں جو چوتھی تکبیر کے بعد سلام سے پہلے پڑھی جائے۔ شافعی جائز کہتے ہیں اور حنفی منع کرتے ہیں مگر سلام کے بعد دُعا مانگنا جس میں گفتگو ہماری تمہاری ہے اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی مذاہبِ اربعہ میں سے کسی مذہب میں اس کا ثبوت ملتا ہے بلکہ سب مذہبوں میں منع ہے اس کی تشریح زاد المعاد ص ۱۴۲ اور السنن الکبریٰ للبیہقی ص ۴۲ و ابن ماجہ ص ۱۰۹ و مسند حمیدی ص ۳۱۳ وغیرہ میں موجود ہے اور بیہقی نے تو باب بایں عنوان منعقد کیا ہے "باب ما روی فی الاستغفار والدعاء بین التکبیرۃ الرابعۃ والسلام"۔

پھر حنفیہ کی طرف سے اس کا جواب دیا جاتا ہے کہ ابراہیم ہجری کو ابن معین، ابو حاتم وغیرہ ائمہ حدیث نے ضعیف کہا ہے (زاد المعاد ص ۱۴۲ و میزان الاعتدال ص ۶۵)

سوال:۔ فتح القدیر میں ہے کہ نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ کی شہادت کی خبر سُن کر فَصَلّٰی عَلَیْهِ وَدَعَا وَقَالَ اِسْتَغْفِرُوْا لَهٗ اس پر نمازِ جنازہ پڑھی اور اس کے لئے دُعا فرمائی اور صحابہ کرامؓ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حکم دیا کہ اس کے لیے مغفرت کی دُعا کریں۔

جواب:۔ یہ بھی غائبانہ نمازِ جنازہ کے جواز پر شافعیہ کی دلیل ہے فتح القدیر میں اس کی تمہید

کی کہ یہ حدیث مُرسل ہے قابلِ حجت نہیں ہے نیز اس کا راوی واقدی ہے جو کذّاب ہے۔

نیز یہاں نمازِ جنازہ مراد ہی نہیں دیکھو کبیری ص۴۲۹ و فتح القدیر ص۵۶ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے منبر پر تشریف رکھتے ہوئے میدانِ جنگ کا نظارہ فرمایا اور حضرت زید و جعفرؓ کی خبرِ شہادت یکے بعد دیگرے دی اور اسی حال میں منبر پر بیٹھے ہوئے ان کے لیئے یکے بعد دیگرے دُعا فرمائی اور صحابہ کرامؓ کو بھی دُعا کی تلقین فرمائی۔ کیا اسکو کوئی سمجھ سکتا ہے کہ یہ نمازِ جنازہ تھی؟ ہرگز نہیں! بلکہ یہاں صلّٰے علیہ بمعنی دَعَا لَہٗ ہے اور دَعَا لَہٗ بذریعہ واؤ عطف تفسیری کر دیا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے مدارج النبوۃ ص۳۶۴ میں فرمایا ہے کہ حضرتؐ بردے دُعائے خیر کرد و یاراں را فرمود کہ برائے وے طلبِ آمرزش کنید۔ یعنی حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیدؓ کے لیے دعائے خیر فرمائی اور اصحابؓ کو فرمایا کہ وہ بھی اسکے لیے دُعائے مغفرت فرمائیں۔

سوال:- نمازِ جنازہ کے بعد دعا سے جن فقہاء نے روکا ہے ان کی مراد ہے دعائے طویل سے روکنا کیونکہ اس کی وجہ سے دفن میں تاخیر ہوگی جو تعجیل مسنون کے خلاف ہے۔

جواب:- اول تو فقہاء کے کلام میں دعائے طویل کی قید نہیں۔ دوسرے ممکن ہے یہ وجہ بھی ان کو ملحوظ ہو یعنی کراہت کی دو نو وجہیں جمع ہو سکتی ہیں۔ اول اجتماع و اہتمام دوسرے لزومِ تاخیر۔ اور اسباب میں تزاحم نہیں ہوتا۔ پس اجتماع و اہتمام کے ساتھ مختصر دعا بھی مکروہ ہے کیونکہ کراہت کی ایک وجہ یعنی عدمِ ثبوت اجتماع و اہتمام) اس میں بھی موجود ہے۔ (دلیل الخیرات ص۳۸)

سوال:- قبرستان سے نکل کر دروازہ قبرستان پر یا راستہ میں دُعا کے لیئے اجتماع و اہتمام کرتے ہیں۔ پھر میّت کے مکان پر سب لوگ دُعا کے لیے جمع ہوتے ہیں اس کا کیا حکم ہے؟

جواب:- ان دونوں موقعوں پر اور ان کے بعد تمام مواقع پر دُعا کے لیے اجتماع و اہتمام کرنا اور پھر اسے لازم یا مستحب سمجھنا مکروہ و بدعت ہے کیونکہ شریعت حقّہ سے اس کا ثبوت نہیں البتہ ہر شخص کو بجائے خود اجازت ہے کہ وہ میت کے لیے جس قدر چاہے اور جس وقت چاہے

بغیر التزام مالایلزم فرداً فرداً دعا کرے استغفار کرے قراءۃ قرآن وغیرہ کا ثواب پہنچائے

سوال :- صحیح بخاری میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بیان میں مروی ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات ہوگئی اور ان کو غسل کے لیے لٹایا تو لوگوں نے ان کی نعش مبارک کو گھیر لیا اور ان کے لیے دعا اور ان کی ثنا وصفت اور سوال نزول رحمت کرتے رہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جنازہ کی نماز سے پہلے بھی میت کے لیے اجتماع و اہتمام کے ساتھ دعا مغفرت کرنا جائز ہے اور فعل صحابہ کرام سے ثابت ہے۔

جواب :- اس روایت میں اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ لوگ دعا کے لیے اجتماع و اہتمام سے جمع ہوئے تھے بلکہ علامہ عینیؒ نے تصریح کر دی ہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب کہ حضرت عمرؓ کو غسل کے لیے لٹایا تھا اور اس سے صاف واضح ہے کہ اس وقت وہی لوگ تھے جو غسل کے ضروریات کو انجام دینے والے تھے اور غسل کی انجام دہی کے لئے ہی حاضر ہوئے تھے اور ایسے وقت عموماً ہر شخص کے دل میں ایک خاص کیفیت اور رقت طاری ہوتی ہے اور وہ بے اختیار یا باختیار میت کے لیے دعائے مغفرت کرتا جاتا ہے اور کوئی اہتمام و اجتماع کا قصد نہیں کرتا۔

سوال :- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کہ جعفرؓ و زید بن حارثہؓ کے قتل کی خبر آئی مسجد میں بیٹھے تھے اور لوگ آتے تھے اور تعزیت کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہل میت کو مسجد میں اس غرض سے بیٹھنا کہ لوگ تعزیت کے لیے آئیں جائز ہے۔ صاحب بحر الرائق نے بقالی سے نقل کیا۔

جواب :- رد المحتار ص ۶۶۴ میں ہے

يُجَابُ عَنْهُ بِأَنْ جُلُوْسَهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَكُنْ مَقْصُوْدًا لِلتَّعْزِيَةِ

یعنی اس استدلال کا یہ جواب دیا جائے گا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا بیٹھنا اتفاقیہ تھا بطور تعزیت نہ تھا۔ لوگوں کی تعزیت کرنے سے یہ سمجھ کر بعض نے استدلال کر لیا کہ تعزیت کے لیے بیٹھے تھے۔

بحر الرائق ص ۱۹۲ میں مجتبی سے نقل ہے کہ اہل میت کو مسجد میں اس غرض سے بیٹھنا کہ لوگ

تعزیت کے لیے آئیں مکروہ ہے اسی طرح شرح منیہ ص۵۶۲ و فتح القدیر ص۴۲ج۲ میں کراہت کا ذکر ہے اور گھر میں بیٹھنے کو بھی بلفظ لا بأس ذکر کیا۔ علامہ شامی نے فرمایا کہ گھر میں بیٹھنا بھی خلاف اولیٰ ہے اور لفظ لا بأس کے یہی حقیقی معنے ہیں اور وہی یہاں پر مراد ہیں (زاد اللبیب ص۱۵)

## سلام پست آواز سے

سلام کو مخفی کہنا بہتر ہے اور جہر مباح ہے مناسب ہے کہ پہلے سلام کو ذرا جہر سے کہے اور دوسرا مخفی (فتاویٰ برہنہ ص۲۵۹) میں ہے "سلام و جندو آواز بلند نہ کنند" مجموعہ خانی ص۱۰۹ میں ہے کہ "و چوں ہر دو جانب سلام گوید ساکن گوید و بلند نہ گوید یعنے جب دونوں طرف سلام کہے آہستہ کہے اونچا نہ کہے۔

جواہر النفیس ص۴۳ میں ہے وَفِي الكَافِي لَا يَرْفعُ الصوتَ بالتَّسْلِيْمِ کافی میں ہے کہ جنازہ میں سلام کے ساتھ آواز اونچی نہ کرے۔

جامع الرموز ص۱۲۵ میں ہے وَيُسَلِّمُ عَنْ يمينه و شماله غير رافع صوتَهُ

یعنے دائیں بائیں دونو جانب بغیر آواز بلند کیے سلام پھیرے۔

مراقی الفلاح ص۱۱۱ میں ہے لَا ينبغي ان يُرْفَعَ صوتَهُ بالتسليم فيها جنازہ میں سلام کے ساتھ بلند آواز نہ کرنی چاہیئے۔

بحر الرائق ص۱۸۴ج۲ میں ہے کہ ظاہر روایت میں سلام کو بلند یا پست کہنے کا ذکر نہیں۔ حسن بن زیاد نے کہا سلام اونچا نہ کہے۔ کیونکہ اونچی آواز آگاہ کرنے کے لیے ہوتی ہے اور جنازہ میں چوتھی تکبیر کے بعد فوراً سلام کہا جاتا ہے اس لیے سلام اونچا کہنے کی ضرورت نہیں لیکن ہمارے زمانے میں اس کے خلاف عمل ہوتا ہے کہ لوگ اونچا سلام کہتے ہیں اور جواہر الفتاوی میں ہے کہ صرف ایک جانب جہراً کہے۔ اسی طرح تجہیز الجنازہ ص۲۶ زاد اللبیب ص۹۰ غایۃ الاوطار ص۴۱۴ عین العلم ص۲۶۱ میں ہے۔ رسالہ تجہیز و تکفین ص۱۲ میں ہے دہنی طرف سلام بآواز بلند کہے سنن الکبریٰ للبیہقی ص۴۳ج۴ میں ہے كان ابن عمر اذا صلّى على جنازة سلّم حتّى يسمع من يليه یعنی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جب جنازہ پڑھاتے تو سلام کہتے اتنا اونچا کہ صرف ان کے پاس

والے سُن سکتے تھے۔ اسی طرح حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ بھی جنازہ کا سلام بہت اونچا نہ کہتے۔ تدرے جہر سے کہتے انه یسلم تسلیمًا خفیفًا (سنن کبریٰ للبیہقی والمذہبیۃ الجوہری الکلام المورزون صـ۳۲، جامع الرموز صـ۱۲۵ میں سُنَّ خَفْضُ الثَّانِيَةِ دوسری طرف کے سلام کو پست کہنا سنت ہے۔

## سلام میں نیّت

ظہیریہ میں ہے کہ لَا يَنْوِي الْإِمَامُ الْمَيِّتَ فِي تَسْلِيمَتَيِ الْجَنَازَةِ بَلْ يَنْوِي مَنْ عَنْ يَمِينِهِ وَيَسَارِهِ۔

یعنی جنازہ کے دونوں سلاموں میں امام میت کی نیت نہ کرے بلکہ ان کی نیت کرے جو اس کی دائیں بائیں ہیں (زاد اللبیب صـ۹۹)

فتاوٰے عالمگیری صـ۱۰۵ میں بحوالہ السراج الوہاج وقاضی خاں وظہیریہ صـ۹۲ لکھا ہے

وَلَا يَنْوِي الْمَيِّتَ فِي التَّسْلِيمَتَيْنِ بَلْ يَنْوِي بِالْأُولَى مَنْ عَنْ يَمِينِهِ وَبِالثَّانِيَةِ مَنْ عَنْ يَسَارِهِ۔ اس کا معنی بھی مذکورہ بالا عبارت کی طرح ہے۔

جوہرہ نیرہ کے حوالے سے طحطاوی نے شرح مراقی الفلاح صـ۳۵۴ میں لکھا ہے کہ بحرالرائق صـ۱۸۳ میں لکھا ہے کہ ظاہر بات یہی ہے کہ دونوں سلاموں میں میت کی نیت نہ کرے لِأَنَّ الْمَيِّتَ لَا يُخَاطَبُ بِالسَّلَامِ لِأَنَّهُ لَيْسَ أَهْلًا لِلْخِطَابِ۔ کیونکہ میت سلام کا مخاطب نہیں بن سکتا کیونکہ میت خطاب کا اہل نہیں ہے۔

اور تبیین و فتح القدیر و اکمال الدرایہ شرح مختصر وقایہ میں میت کو سلام کہنے کو ترجیح دی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ المقصود منه الدعاء لا الخطاب (طحطاوی صـ۳۵۴) اس سلام سے مقصد دعا ہے نہ اس کو خطاب کرنا جیسے زیارت قبور کے وقت نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سلام کرنا سکھایا ہے کہ ۔ یوں کہا کرو السَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا أَهْلَ الْقُبُوْرِ اس کی بھی مقصود دعا کرنا ہے اہل قبور کے حق میں نہ ان سے مخاطب ہونا کیونکہ خطاب کے اہل نہیں ہے اور جیسے اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ میں خطاب کا صیغہ بولا جاتا ہے

مگر اصل مقصد نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو سُنانا مقصود نہیں ہوتا (مرقاۃ ص ۳۲۱ ج ۲)

نیز سب عُلماء کا اتفاق ہے کہ سلام دونوں طرف پھیرتے وقت انبیاء کی نیت بھی نہ کرے جیسے مُلّا علی قاری نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۳۲۶ ج ۲ میں لکھا عند التسلیم المخروج عن صلوٰۃ لا ینوی الانبیاء باتفاق العلماء۔

## میت کا چہرہ دیکھنا

مشکوٰۃ ص ۱۴۲ میں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ وفات پا چکے تھے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے آپ کو بوسہ دیا تھا۔ اسی طرح امام اوّل ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بعد وفات النبی صلے اللہ علیہ وسلم آپ کو بوسہ دیا۔ تو شاید میت کا چہرہ دیکھنا بھی جائز ثابت ہوگیا مگر یہ جو رسم بن گئی ہے کہ نماز جنازہ پڑھ چکنے کے بعد میت کو اس لیے رکھے رکھتے ہیں تاکہ لوگ اس کا چہرہ دیکھ لیں چونکہ اس موقعہ پر چہرہ دیکھنے کو جنازہ کے دفن میں تاخیر ہوتی ہے اس لیے یہ بھی ممنوع ہے۔ لوگوں کو چاہیئے کہ اس عمل کو ترک کر دیں۔ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ہے کہ کفن دے چکنے کے بعد چہرہ میت کا نہ دیکھیں بہر حال جنازہ کی نماز سے فارغ ہوتے ہی میت کو اُٹھا کر قبر کی طرف لے جائیں۔

سوال:۔ جب جنازہ لے کر چلتے ہیں تو جنازے کے آگے (یا پیچھے) کچھ لوگ باآواز بلند کلمہ شریف پکار کر پڑھتے جاتے ہیں اور بعض جگہ ایک آدمی باآواز بلند کہتا ہے "کلمۂ شہادت" پھر میت کے ہمراہ جانے والے کلمۂ شہادت باآواز بلند یا پست پڑھتے جاتے ہیں۔ قبرستان تک ایسا کرتے ہیں۔

جواب:۔ جنازہ کے ساتھ کلمہ یا اور کچھ بلند آواز سے پڑھنا مکروہ اور بدعت ہے۔

جوہرنیرہ ص — میں ہے وعلی متبعی الجنازۃ الصمت ویکرہ لہم رفع الصوت بالذکر والقراءۃ یعنی جنازے کے پیچھے جانے والوں کو خاموش رہنا ضروری ہے اور آواز بلند ذکر کرنا یا قراءت کرنا یا قراءت کرنا ان کے لیے مکروہ ہے (مسائل عالمگیری ص ۱۹۱)

سوال:۔ قرآن پاک میں دُعا مانگنے کا حکم ہے اور ہر میت کے لیے دُعا مانگنے کا حکم حدیث

اور ہر میت کے لیے بھی دعا مانگنے کا حکم حدیث میں آیا ہے۔ مگر وہ کہنا ماموربہ کا حکم شرع کی مخالفت ہے۔

جواب الزامی:۔ قرآن پاک میں دعا مانگنے کا حکم ہے اور نماز میں دعا مانگنے کا حکم حدیثوں میں آیا ہے پس پہلے قعدہ کے بعد درود پڑھنے اور دعا مانگنے سے کیوں منع کرتے ہو جب کہ احادیث میں ممانعت وارد نہیں :اسی طرح اذان کے اخیر میں مؤذن صرف لا الٰہ الا اللہ کہتا ہے محمد رسول اللہ نہیں کہتا کیا ممانعت وارد ہے؟ حی علی الفلاح کے بعد حی علی خیر العمل اور السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ نہیں کہتا کیا ممانعت وارد ہے؟ اسی طرح عید کی نماز سے پہلے آپ اذان اور اقامت نہیں کہتے حالانکہ پانچوں نمازوں کے لیے اذان اور اقامت کہی جاتی ہے اور کسی حدیث میں عید کی نماز سے پہلے اذان و اقامت کہنے سے ممانعت نہیں آئی۔ اسی طرح نماز جنازہ سے پہلے اذان و اقامت نہیں کہتے حالانکہ ممانعت کہیں وارد نہیں۔ رفع یدین سوائے تکبیر تحریمہ نہیں کرتے۔ ممانعت دکھاؤ۔ آمین بالجہر نہیں کرتے ممانعت دکھاؤ۔

جواب نمبر ۱:۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے فرمایا۔

کہ اتباع وحی باید کرد کہ بسا امرے عموم کہ در حد ذات فضیلت دارد اما خصوص مقامے وارد نہ شدہ درست نباشد فالزیادۃ فی مثلہ نقصان فی الحقیقۃ کما لو زاد فی الاذان بعد التہلیل محمد رسول اللہ۔ یعنی وحی کی پیروی کرنی چاہیے کیونکہ کئی ایسے عام حکم ہیں کہ بذات خود فضیلت رکھتے ہیں لیکن خاص جگہ وہ حکم وارد نہیں ہوا اس کا کرنا اس جگہ درست نہیں ہوتا تو ایسی جگہ زیادتی کرنا دراصل نقصان ہے جیسے اذان میں لا الٰہ الا اللہ کے بعد محمد رسول اللہ بڑھائے۔

جواب نمبر ۲:۔ فقہاء کرام سب اس دعا سے منع کرتے ہیں اگر یہ دعا جائز ہوتی تو وہ منع کیوں کرتے۔

جواب نمبر ۳:۔ اتباع سنت جیسے کام کرنے میں ہوتی ہے ایسے ہی کام کے ترک میں بھی ہوتی ہے۔ رقات صفحہ ۳۹ والتابعۃ کما تکون فی الفعل تکون فی الترک ایضاً۔ زاد المعاد صفحہ ۱۲۵ میں ہے فعلہ وترکہ سُنَّۃٌ وترکہ سُنَّۃٌ کما ان فعلہ سنۃٌ۔

مجالس الابرار ص۱۳۵ میں ہے ان فعل ما فعلہ علیہ السلام سنۃ کذالک ترک ماترکہ سنۃ کما ما ترکہ علیہ السلام مع وجود المقتضے وعدم المانع سنۃ ایضًا مثل الاذان فی الجمعۃ وترکہ فی العیدین کلاہما سنۃ"۔ جو کام آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے اس کا کرنا سنت ہے ایسے ہی جو آپ نے سبب کے ہوتے ہوئے اور مانع نہ ہوتے ہوئے ترک کیا ہے اس کا ترک کرنا سنت ہے جیساکہ جمعہ کی اذان کہنا سنت ہے اور عیدین کی اذان نہ کہنا سنت ہے اسی طرح لمعات اور مظاہر حق وغیرہ کتب میں مصرح ہے اسی واسطے ہدایہ ص۱۵۳ میں ہے لا یتنفل فی المصلے قبل صلوٰۃ العید لان النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام لم یفعلہ مع حرصہ علی الصلوٰۃ۔

یعنی نماز عید سے پہلے عید گاہ میں نفل نماز نہ پڑھے کیونکہ نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ نماز نفل نہیں پڑھی باوجودیکہ آپ نماز کے بڑے حریص تھے۔ اسی طرح کئی نظائر ہدایہ میں موجود ہیں۔

سوال ا۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اذا صلیتم علی الجنازۃ فاخلصوا لہ الدعاء۔ یعنی جب تم جنازہ کی نماز پڑھ چکو تو اس کے بعد متصل مُردے کے لئے خلوص سے دُعا کرو۔

جواب نمبر ا۔ یہ حدیث ابن ماجہ ص۱۰۹ میں باب الدعا فی صلوٰۃ الجنازۃ میں ذکر ہے یعنی اس باب میں وہ حدیثیں ہیں جن میں نماز جنازہ کے اندر دُعا مانگنے کا ذکر آتا ہے ان حدیثوں میں سے پہلی وہی ہے جو سوال میں درج ہے اور چونکہ اس حدیث میں صرف یہ ذکر ہے کہ خلوص سے دُعا مانگو۔ لیکن یہ معلوم نہیں کہ وہ کون سی دُعا ہے اس لیے دوسری حدیث اس کے بعد متصل ذکر کی۔ کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اذا صلے علے جنازۃ یقول اللّٰھم اغفر لحینا ومیتنا (الی آخرہ) یعنی جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جنازہ پر نماز پڑھتے تو یہ دُعا پڑھتے اللّٰھم اغفر لحینا ومیتنا۔

اس سے معلوم ہوا کہ پہلی حدیث کے یہ معنے ہیں۔ جب تم میت پر جنازہ کی نماز پڑھنے لگو تو اس میں جو دُعا (اللّٰھم اغفر لحینا ومیتنا۔ الی آخرہ) مانگو تو مُردے کے لئے خلوص سے دُعا مانگا کرو ورنہ باب کے ترجمہ کی حدیث باب کے ساتھ مطابقت نہیں رہے گی اور یہ محاورہ کے بھی

کے بھی مطابق ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
إِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ
اس کے یہ معنے نہیں کہ جب تو قرآن پڑھ چکے اس کے بعد اعوذ باللہ پڑھا کرو۔ بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جب تو قرآن شریف پڑھنے لگے تو پہلے اعوذ باللہ پڑھ لیا کرو۔ اسی طرح۔ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ۔ یعنے تم جب طلاق دینے لگو تو عدت کا خیال رکھ کے طلاق دو۔ یہ معنے نہیں کہ جب تم ایک دفعہ طلاق دے چکو تو اس کے بعد متصل دوسری طلاق دینا بھی تم پر فرض ہے اسی طرح اذا قتلتم فاحسنوا القتل یعنے تم جہاد میں جب کافروں کو قتل کرنے لگو تو شرعی قانون کے مطابق احسن طریقے سے قتل کرو۔ مثلہ وغیرہ نہ کرو۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ جب تم نے اس کافر کو ایک دفعہ قتل کر دیا تو دوبارہ پھر اس کو قتل کرو۔ اسی طرح یہاں بھی یہی مطلب ہے کہ جنازہ کے اندر کی دعا بڑے خلوص سے مانگو کیونکہ جنازہ خود دعا ہے (رد المحتار ص ۲۱)

نیز یہ مطلب ہمارا گھڑا ہوا نہیں ہے بلکہ صاحب مشکوٰۃ ص ۱۴۶ میں بھی یہ حدیث اسی باب میں لایا ہے اور اس کے بعد متصل دوسری حدیث لایا جس میں اس دعا کی تشریح ہے یعنی خلوص سے جو دعا مانگی جائے وہ یہ ہے اللھم اغفر لحیّنا الی آخرہ۔

سنن الکبریٰ ص ۲۵ میں بھی یہی روایت الدعاء فی صلوٰۃ الجنازۃ کے عنوان کے تحت آئی ہے اور سنن ابی داؤد ص ۱۰۳ میں باب الدعاء للمیت کے تحت یہ حدیث ذکر کی اور پھر اسی باب میں وہ حدیثیں لایا جن میں ان دعاؤں کا ذکر ہے جو جنازہ کے اندر پڑھی جاتی ہیں جن میں سے ایک دعا اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا الی آخرہ بھی ہے۔

مجالس الابرار ص ۲۴۳ میں ہے۔
قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَى الْجَنَازَةِ فَأَخْلِصُوْا لَهُ الدُّعَاءَ۔ ہذا الحدیث من حسان المصابیح رواہ ابوھریرۃؓ وذکر فیہ الصلوٰۃ علی المیت مع اخلاص الدعاء فیہا۔ یعنے اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نماز جنازہ کے اندر کی دعا خلوص سے مانگیں۔

سنن کبریٰ ص ۔ والمدونۃ الکبریٰ ص ۱۵۸ میں ہے عن زید بن اسلم ان رسول اللہ صلے اللہ

علیہ وسلم قال فی الصلوٰۃ علی المیت اخلصوا لہ الدعاء - یعنی زید بن سلم فرماتے ہیں کہ فاخلصوا لہ الدعاء فرمایا ہے سو اس دعا کے متعلق فرمایا ہے جو میت پر نماز جنازہ کے اندر مانگی جاتی ہے۔ نیز المدونۃ الکبریٰ صفحہ ۱۸۹ میں ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ تم اپنے بھائی کے لئے شفاعت کی غرض سے آئے ہو۔ فاجتہدوا لہ الدعاء اس لیے اب تم اس کے حق میں خلوص کے ساتھ دعا کرنا ثم استقبل القبلۃ۔ یہ کہہ کر قبلہ رُخ ہو کر نماز جنازہ پڑھتے تھے۔

مصنف ابن ابی شیبہ صفحہ ۱۱۱ میں کیفیت نماز جنازہ کا ذکر کرتے ہوئے سعید بن المسیب تابعیؒ فرماتے ہیں۔ درود شریف کے بعد (تکبیر کہہ) ثم یخلص الدعا للمیت بڑے خلوص کے ساتھ میت کے واسطے دعا کرے۔۔۔۔ ثم یسلم فی نفسہ پھر آہستہ سے سلام کہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ فاخلصوا لہ الدعا میں الدعا سے وہی دعا مراد ہے جو نماز جنازہ کے اندر پڑھی جاتی ہے۔

فتاوٰے سعدیہ صفحہ ۱۳۰ میں ہے

آنچہ در سنن ابی داؤد ایں حدیث منقول است اذا صلیتم علی المیت فاخلصوا لہ الدعاء مراد ازیں دعائے است کہ قبل از تکبیر چہارم می خوانند زیرا کہ نفرمودہ است اذا فرغتم من الصلوٰۃ؟

یعنے ابو داؤد کی حدیث میں فاخلصوا لہ الدعاء سے وہ دعا مراد ہے جو چوتھی تکبیر سے پہلے پڑھتے ہیں کیونکہ آپ نے اذا فرغتم من الصلوٰۃ نہیں فرمایا۔

**سوال:** حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جنازہ کی نماز ہو چکنے کے بعد پہنچے اور فرمایا۔ **إن سبقتمونی بالصلوٰۃ فلا تسبقونی بالدعاء** یعنے اگر نماز جنازہ تم مجھ سے پہلے پڑھ چکے ہو تو (خدارا) دعا مانگنے میں تو مجھ سے پہل نہ کرو (یعنے دعا میں تو مجھے شریک ہونے دو) اس سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ کے بعد متصل اجتماعی دعا مانگنے کا دستور عہد صحابہؓ میں تھا

**جواب:** اس روایت میں دعا کے لفظ سے جنازہ کی نماز کے متصل بعد والی دعا سمجھنا صحیح نہیں کیونکہ جواہر الاخبار والآثار صفحہ ۱۱۶ میں ہے فلما فرغنا من دفنہ جاء رجل فقال یا رسول اللہ انی لم ادرک الصلوٰۃ افاصلی علی القبر قال لا ولکن قم علی قبر اخیک۔

یعنے جب ہم دفن میت سے فارغ ہوئے تو ایک آدمی نے آکر کہا یا رسول اللہ! میں نماز جنازہ نہیں پا سکا۔ کیا میں اب قبر پر نماز پڑھ سکتا ہوں؟ آپؐ نے فرمایا نہیں۔ ہاں اپنے بھائی کی قبر پر کھڑے ہو کر (دعا کر لو)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مُراد دُعا سے وہ دعا ہے جو بعد از دفن میت کی قبر پر اجتماعی طور مانگی جاتی ہے۔

فتح المعین میں ہے عن عبداللہ بن سلام لما فاتتہ الصلوٰۃ علےٰ عمر رضی اللہ عنہ قال ان سُبِقتُ بالصلوٰۃ فلم اُسبَق بالدُّعاء۔

یعنے جب عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو جناب خلیفہ دوم امام عمر رضی اللہ عنہ کے جنازہ کی نماز نہ ملی تو فرمایا کہ اگر نماز میرے سامنے سے پہلے ہو چکی ہے تو دُعا کی بندش نہیں۔ میں اکیلے دُعا کروں گا۔ (ترجمہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی در رسالہ النہی الحاجز عن تکرار الجنازہ)

اس سے معلوم ہوا کہ ان کی دعا صحابہ کی معیت میں نہ تھی۔ اسی طرح عبداللہ بن عمرؓ کا مطلب بھی یہی تھا کہ اگر میں نماز جنازہ سے رہ گیا ہوں تو دعا کی بندش نہیں اکیلے دُعا کروں گا اس قدر کہ تم اس سے آگے نہیں نکل سکتے۔

سوال:- مفتاح الصلوٰۃ صـ۱۱۳ میں ہے۔ چوں از نماز فارغ شوند مستحب است کہ امام یا صالح دیگر فاتحہ بقرہ تا مفلحون طرف سر جنازہ و خاتمہ بقرہ یعنی آمن الرسول طرف پائیں بخواند کہ در حدیث وارد است و در بعضے احادیث بعد از دفن واقع است ہر دو وقت کہ میسر شود مجوز است۔

جواب:- فتاویٰ سعدیہ صـ۱۳۰ میں ہے آنچہ در مفتاح الصلوٰۃ می گوید کہ چوں از نماز فارغ شود مستحب است الی آخرہ فی الواقع حدیث بعد از دفن در حصن حصین موجود است یعنی بقرہ کی ابتداء و انتہا پڑھنا دفن میت کے بعد حدیث سے ثابت ہے نہ پہلے۔ اور پہلے پڑھنے کا کہنا کہ حدیث میں ہے وہم ہے۔

حصن حصین، سنن المصطفےٰ، سنن الکبری للبیہقی، طبرانی، شعب الایمان للبیہقی، شرح الصدور للسیوطی میں تصریح ہے کہ فاتحہ کی ابتداء و انتہا دفن کے بعد پڑھیں۔

نیز مفتاح الصلوٰۃ میں دعا بعد الجنازہ بہیئت اجتماعیہ کہاں ہے اس میں تو ایک آدمی کا پڑھنا ثابت ہے اور وہ بھی البقرہ کی ابتداء وانتہاء۔ دلیل دعویٰ کے موافق نہیں۔

سوال:۔ مجموعہ خانی میں ہے بعد تکبیر چہارم سلام بگوید و باید کہ ہر دو جانب بگوید دُعا بخواند و فتویٰ ہم بریں قول است۔

یعنے چوتھی تکبیر کے بعد سلام دونوں طرف پھیرے اور دعا پڑھے اور اسی پر فتوےٰ ہے

جواب:۔ محمدؐ کے کتب خانہ میں دو قلمی نسخے مجموعہ خانی کے دو مختلف ہاتھوں کے لکھے ہوئے ہیں۔ ان دونوں میں " دعا نخواند " ہے کا فرکوٹ ضلع پشاور میں ایک کتب خانہ میں مجموعہ خانی ہے اس میں بھی "نخواند" ہے اور مطبوعہ نسخہ میں " بخواند " غلط چھپ گیا۔ (الکلام الموزون)

سوال:۔ محمد بن فضل فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ کے بعد متصل دعا مانگنے میں کچھ حرج نہیں۔ (لا بأس بہ)

جواب:۔ تمام فقہاء دعا بعد از جنازہ کو ناجائز، مکروہ، مکروہ تحریمی، بدعت کہتے ہیں صرف ایک فقیہ محمد بن فضل جو لا باس بہ کہتے ہیں، فرض، واجب، سنت، مستحب یہ بھی نہیں کہتے۔ اور لا بأس بہ کے متعلق فقہاء کے کا قول ملاحظہ ہو۔

حاشیہ حموی بر الاشباہ والنظائر ص۱۹۳ میں ہے " لا بأس " اے یستعمل لما ترکہ اولیٰ وما ترکہ اولیٰ مرجعہ الی کراہۃ التنزیہ۔ یعنی لا بأس بہ کا لفظ اس عمل پر استعمال ہوتا ہے جس کا ترک کرنا اولیٰ اور بہتر ہو۔ اور انجام کار اس کا کراہت تنزیہی ہے۔

رد المختار ص۲۶۲ میں ہے لا باس دلیل علی ان المستحب غیرہ " لا باس، اس امر کی دلیل ہے کہ اس کا غیر مستحب ہے۔ اس کا مآل بھی کراہت تنزیہی ہے جیسے تکملہ بحر الرائق ص۱۸۰ میں ہے المکروہ ضد المندوب والمحبوب ط

کبیری ص۶۶۴ میں ہے " لا بأس " عند عدم القرینۃ یدل علی خلاف الاولیٰ۔

یعنے قرینہ نہ ہو تو " لا باس " دلیل ہے خلاف اولیٰ کی پھر ص۲۴۵ میں کہا انہ لا یاثم بفعلہ و ترکہ اولیٰ یعنے ایسے فعل کرنے سے گنہگار تو نہیں ہوتا مگر اس کا ترک کرنا اولیٰ

"یشیر الی انہ لا یوجر علیہ لکنہ لا یاثم بہ"
ہے۔ اسی طرح ہدایہ صفحہ ۱۲۴ میں ہے "لا باس بہ" یشیر الی انہ لا یوجر علیہ لکنہ لا یاثم بہ، یعنی "لا باس" کے لفظ میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس کام پر اجر نہ ملیگا لیکن گنہگار بھی نہ ہوگا۔

منحۃ الخالق حاشیہ بحر الرائق صفحہ ۳۰۶ ج ۲ میں ہے "لا باس بہ" میں اس بات پر دلیل ہے کہ اس کا غیر مستحب ہے اسی طرح حاشیہ جامع صغیر میں بھی ہے لہ صفحہ ۱۲۴)۔
فتاوٰے سعدیہ صفحہ ۱۳۰ میں ہے "چہ اصل استعمال لا باس بجائے کراہت تنزیہی ست" آگے لکھا ہے "بعضے می گویند "لا باس بہ" و کلمہ لا باس بہ اکثر در کراہت تنزیہی مستعمل میشود"
فتح القدیر صفحہ ۴۶۵ میں ہے "لا باس" اکثر استعمالہ فی المباح وما ترکہ اولیٰ۔
یعنے لا باس کا اکثر استعمال مباح میں اور اس چیز میں ہوتا ہے جس کا ترک اولیٰ ہو۔
معلوم ہوا کہ محمد بن فضل بھی دعا بعد جنازہ کو ناپسند کرتا ہے۔

## جنازہ اُٹھانے کا طریقہ۔

ہدایہ صفحہ ۱۶۲ میں ہے کہ جنازہ اٹھانے کا طریقہ یہ ہے کہ جنازہ کا اگلا حصہ اپنے دائیں کندھے پر رکھے جو کہ میت کا دایاں بنتا ہے اور چارپائی کا بایاں (بنایہ بر ہدایہ ملہ) اس کے بعد اپنے دائیں کندھے پر جنازہ کا پچھلا حصہ رکھے۔ پھر جنازہ کا اگلا حصہ اپنے بائیں کندھے پر رکھے جو کہ میت کا بایاں بنتا ہے اور چارپائی کا دایاں۔ پھر جنازہ کا پچھلا حصہ اپنے بائیں کندھے پر رکھے۔
اس سے معلوم ہو گیا کہ یہ ضروری نہیں کہ میت کے پیر قبلہ سے ہٹے ہوئے ہوں ورنہ تو اس جگہ فقہاء استثناء فرما دیتے بلکہ کبیری صفحہ ۵۷۳ میں بحوالہ محیط لکھا ہے کہ ہمارے ہاں کا عرف یہ ہے کہ بوقت جان کنی مرنے والے کی ٹانگیں قبلہ رخ کر کے چت لٹاتے ہیں کہ اس طرح روح بآسانی نکلتی ہے۔
شامی صفحہ ۵۹۵ میں ہے۔ کہ ماوراء النہر میں ہمارے مشایخ نے اس کو مختار فرمایا ہے۔
عالمگیری صفحہ ۱۶۲ ج ۱ میں بحوالہ مضمرات تصریح کی ہے کہ جنازہ لے جاتے وقت میت کا سر

اگلی طرف رکھنا چاہیئے یعنی جس طرف جارہے ہیں۔ فتاویٰ سراجیہ صفحہ ۲۳ قاضی خاں صفحہ ۹۰
فتح القدیر مع کفایہ و عنایہ صفحہ ۹۵/۲ شرح وقایہ صفحہ ۲۵۶/۱ میں بھی اسی طرح ہے۔

میت کی چارپائی چار آدمی اٹھائیں یہی سنت ہے البتہ اگر میت چھوٹا بچہ ہو تو
ایک آدمی بھی اسے اپنے ہاتھوں پر اٹھا سکتا ہے (بحرالرائق صفحہ ۱۹۱/۲)

عورت کی چارپائی غیر محرم مرد بھی اٹھا سکتے ہیں۔ البتہ منہ نہیں دیکھ سکتے (فتاویٰ ہندیہ صفحہ ۲۳۳)

میت کی چارپائی ہاتھوں سے اٹھا کر کندھوں پر رکھنا چاہیئے مثل مال و اسباب کے شانوں
پر لادنا مکروہ ہے۔ اسی طرح بلا عذر اس کا کسی جانور یا گاڑی وغیرہ پر رکھ کر لے جانا مکروہ
ہے اگر عذر ہو تو بلا کراہت جائز ہے مثلاً قبرستان بہت دور ہے (مراقی الفلاح صفحہ ۳۰۳)

جنازہ کا تیز قدم لے جانا مسنون ہے مگر نہ اسقدر کہ نعش کو حرکت و اضطراب ہونے
لگے (رد المحتار صفحہ ۵۹۹/۱ و بحرالرائق صفحہ ۱۹۱/۲)

جو لوگ جنازے کے ہمراہ جائیں ان کو قبل اس کے کہ جنازہ شانوں سے اُتارا جائے بیٹھنا
مکروہ ہے ہاں! اگر کوئی ضرورت بیٹھنے کی پیش آئے تو کچھ مضائقہ نہیں (بحرالرائق صفحہ ۱۹۱/۲)

جو لوگ جنازہ کے ساتھ نہ ہوں بلکہ کہیں بیٹھے ہوتے ہوں ان کو جنازہ دیکھ کر کھڑا ہونا
چاہیئے (مراقی الفلاح) صفحہ ۳۵۴

جو لوگ جنازہ کے ہمراہ ہوں اُن کو جنازہ کے پیچھے چلنا مستحب ہے اگرچہ جنازے کے
آگے بھی چلنا جائز ہے اگر سب لوگ جنازے کے آگے ہو جائیں تو مکروہ ہے۔
اسی طرح جنازے کے آگے کسی سواری پر چلنا بھی مکروہ ہے (بحرالرائق صفحہ ۱۹۲/۲)

جنازے کے ہمراہ پا پیادہ چلنا مستحب ہے اور اگر کسی سواری پر ہو تو جنازہ کے پیچھے چلے۔

جنازہ کے ہمراہ جو لوگ ہوں ان کو کوئی دعا یا ذکر بلند آواز سے پڑھنا مکروہ ہے۔
فتاویٰ قاضیخاں صفحہ ۹۳ میں ہے وَیُکْرَہُ رَفْعُ الصَّوْتِ بِالذِّکْرِ جنازہ کے ساتھ
بلند ذکر کرنا مکروہ ہے اور خلاصۃ الفتاویٰ صفحہ ۲۲۵ میں ہے وَیُکْرَہُ رَفْعُ الصَّوْتِ بِالذِّکْرِ
وَیَذْکُرُ فِیْ نَفْسِہٖ جنازہ کے ساتھ بلند ذکر کرنا مکروہ ہے ہاں! دل میں ذکر کیا جاسکتا
ہے۔ فتاویٰ سراجیہ صفحہ ۲۳ میں ہے وَیُکْرَہُ النِّیَاحَۃُ وَرَفْعُ الصَّوْتِ بِالذِّکْرِ خلف

اَلْجَنَازَۃِ وَقَوْلُھُمْ کُلُّ حَیٍّ یَمُوْتُ وَنَحْوُ ذَالِکَ بِدْعَۃٌ، جنازے کے پیچھے پیچھے نوحہ کرنا اور بآواز بلند ذکر کرنا اور کل حی یموت (ہر زندہ مریگا) اور اس جیسے الفاظ کہنا بدعت ہے۔

بحر الرائق ص ۱۹۹ میں ہے وَیَنْبَغِیْ لِمَنْ تَبِعَ الْجَنَازَۃَ اَنْ یُّطِیْلَ الصَّمْتَ وَیُکْرَہُ رَفْعُ الصَّوْتِ بِالذِّکْرِ وَقِرَاءَۃِ الْقُرْاٰنِ وَغَیْرِھَا فِی الْجَنَازَۃِ وَالْکَرَاھَۃُ فِیْھَا کَرَاھَۃُ تَحْرِیْمٍ جنازہ کے پیچھے پیچھے چلنے والوں کے لیے مناسب ہے کہ خاموش رہیں لمبی دیر اور ذکر اور قرآن پڑھنا اور اس کے ماسوا دوسری باتیں بآواز بلند کرنا مکروہ تحریمی ہیں اور ص ۵۶ میں ہے۔ کَانَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَکْرَھُوْنَ الصَّوْتَ عِنْدَ ثَلٰثٍ اَلْجَنَائِزِ وَالْقِتَالِ وَالذِّکْرِ۔ آنحضور کے اصحاب تین اوقات میں آواز بلند کرنا مکروہ سمجھتے تھے۔ ایک جنازہ کے ساتھ، دوسرا جہاد میں۔ تیسرا ذکر میں۔

ابن کثیر نے اپنی تفسیر ص ۳۱۶ میں زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت لکھی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الصَّمْتَ عِنْدَ ثَلَاثٍ عِنْدَ تِلَاوَۃِ الْقُرْاٰنِ وَعِنْدَ الزَّحْفِ وَعِنْدَ الْجَنَائِزِ اللہ تعالٰی تین وقتوں میں خاموشی کو پسند کرتا ہے تلاوت قرآن کیوقت میدان جنگ کے دوران اور جنازوں کے پاس۔

فتح القدیر ص ۴۷۱ میں ہے ویکرہ لمن تبعھا رفع الصوت بالذکر والقراءۃ ویذکر فی نفسہٖ۔

اور فتح المعین ص ۳۵۱ میں ہے لا یرفع الصوت بالذکر ولا بقراءۃ القرآن خلف الجنازۃ مخالفۃً لاھل الکتاب یعنے جنازہ کے پیچھے چلتے وقت ذکر اور قراءۃ قرآن کے ساتھ آواز بلند نہ کرے واسطے مخالفت اہل کتاب کے ساتھ۔

حاشیہ مالابدمنہ ص ۵۲ میں ہے کہ آواز بذکر بلند کردن مکروہ است کہ ایں فعل اہل کتاب است

نصاب الاحتساب ص ۱۱۲ میں ہے جنازہ اٹھانے کے وقت واسطے ذکر کے آواز بلند کرنا مکروہ ہے۔ اور ابراہیم رحمۃ اللہ سے مروی ہے کہ جنازہ کے ساتھ چلتے وقت لوگوں سے یہ کہنا

کہ استغفروا لہ، غفر اللہ لکم مکروہ ہے یعنی تم لوگ واسطے میت کے بخشش چاہو تم کو بھی اللہ بخشش دیگا۔

رسالہ تجہیز و تکفین صفحہ میں ہے جنازے کے ساتھ چلنے والے اپنے دلوں میں گناہوں سے توبہ کرتے ہوئے چلیں۔ دنیا کی باتیں کرتے، ہنستے ہوئے نہ چلیں۔ بلکہ بالکل خاموش رہیں بے ضرورت بات نہ کریں۔ جنازہ کے ساتھ چلتے ہوئے کلمہ یا درود شریف یا قرآن شریف یا کوئی اور ذکر الٰہی پکار کر پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ جیسے کہ عادت عوام الناس کی اس زمانہ میں ہے۔ بیشتر اس مسئلہ سے غافل اور بے خبر ہیں اس لیے کہ علماء کو چاہیئے کہ عوام الناس کو باز رکھیں لیکن اگر چاہیں تو دل میں پڑھیں۔

اسی طرح درمختار، شامی، غایۃ الاوطار، نور الایضاح، مراقی الفلاح، طحطاوی، محیط، زاد اللبیب، عالمگیری، جامع الرموز، تجہیز الجنازہ، مسائل موتیٰ، تاتارخانیہ، فتاویٰ القرویہ، جوہرہ، فتاوائے برہنہ، انکار علی البدع والحوادث، حلیۃ الناجی، مضمرات، واقعات المفتین، صغیری، کبیری، شرح الیاس، حمایۃ الفقہ، کتاب الاذکار للنووی، تحفۃ النصائح، انواع بارک اللہ، غنیۃ الطالبین وغیرہ کتب میں تصریح ہے کہ جنازہ کے پیچھے بلند ذکر مکروہ و بدعت ہے خواہ کلمہ شہادت ہو یا اللہ اکبر یا قرآن خوانی یا نعت خوانی یا درود شریف یا کوئی اور ذکر۔

## میّت کی قبر

میت کی قبر کم سے کم اس کے نصف قد کے برابر گہری کھودی جائے اور قد سے زیادہ نہ ہونی چاہیئے اور موافق اس کے قد کے لمبی ہو، اور بغلی قبر (لحد) بہ نسبت صندوقی (شق) کے بہتر ہے۔ ہاں اگر زمین بہت نرم ہو کہ بغلی کھودنے میں قبر کے بیٹھ جانے کا اندیشہ ہو تو پھر بغلی قبر نہ کھودی جائے۔ (رد المحتار ص۵۹۹ ج۱ و بحر الرائق ص۱۹۳)

یہ بھی جائز ہے کہ اگر بغلی قبر نہ کھد سکے تو میت کو کسی صندوق میں رکھ کر دفن کر دیں خواہ صندوق لکڑی کا ہو یا پتھر یا لوہے کا۔ مگر بہتر یہ ہے کہ اس صندوق میں مٹی بچھا دی جائے۔ (بحر الرائق ص۱۹۳)

جب قبر تیار ہو چکے تو میت کو قبلہ کی طرف سے قبر میں اُتار دیں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ جنازہ قبر سے قبلہ کی جانب رکھا جائے اور اُتارنے والے قبلہ رو کھڑے ہو کر میت کو اٹھا کر قبر میں رکھ دیں۔ (بحر الرائق صـ۱۹۳ ج۲ ورد المحتار صـ۵۹۹)

قبر میں اتارنے والوں کا طاق یا جُفت ہونا مسنون نہیں۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو آپ کی قبر مقدس میں چار آدمیوں نے اُتارا تھا (رد المحتار صـ۶۰۰ بحر الرائق صـ۱۹۳ ج۲)

قبر میں رکھتے وقت بِسْمِ اللّٰہِ وَ عَلٰی مِلَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ کہنا مستحب ہے (ردالمحتار صـ۱۲۵ ج۱)

میت کو قبر میں رکھ کر داہنے پہلو پر اس کو قبلہ رو کر دینا مسنون ہے (بحر الرائق صـ۱۹۴ ج۲)

قبر میں رکھ دینے کے بعد کفن کی وہ گرہ جو کفن کے کھل جانے کے خوف سے دیگئی تھی کھول دی جائے۔ (بحر الرائق صـ۱۹۴ ج۲ عالمگیری صـ۱۶۳ ج۱ ورد المحتار صـ۶۰۰)

اسکے بعد کچی اینٹوں یا نرکل سے بند کر دیں پختہ اینٹوں یا لکڑی کے تختوں سے بند کرنا مکروہ ہے ہاں جہاں زمین بہت نرم ہو کہ قبر کے بیٹھ جانے کا خوف ہو تو پختہ اینٹ یا لکڑی کے تختے رکھ دینا یا صندوق میں رکھنا بھی جائز ہے (بحر الرائق صـ۱۹۴ ج۲ ورد المحتار صـ۶۰۰)

عورت کو قبر میں رکھتے وقت پردہ کر کے رکھنا مستحب ہے اور اگر میت کے بدن کے ظاہر ہو جانے کا خوف ہو تو پھر پردہ کرنا واجب ہے (رد المحتار صـ۶۰۰)

مردوں کے دفن کے وقت قبر پر پردہ نہ کرنا چاہیئے ہاں اگر عذر ہو مثلاً پانی برس رہا ہو یا برف گِر رہی ہو یا دھوپ سخت ہو تو پھر جائز ہے (بحر الرائق صـ۱۹۴ ج۲ ورد المحتار صـ۶۰۰)

جب میت کو قبر میں رکھ چکیں تو جس قدر مٹی اس کی قبر سے نکلی ہو وہ سب اس پر ڈال دیں اسکے زیادہ مٹی ڈالنا مکروہ ہے جب کہ بہت زیادہ ہو کہ قبر ایک بالشت سے بہت زیادہ اونچی ہو جائے اور اگر تھوڑی سی ہو تو پھر مکروہ نہیں (مراقی الفلاح صـ۳۵۶) کتاب الآثار للامام محمد)

امام بیہقی نے سنن الکبری صفحہ ۳ میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے متعلق فرمایا۔ ثُمَّ رُفِعَ قَبْرُهُمَا مِنَ الْاَرْضِ نَحْوًا مِّنْ شِبْرٍ یعنی آپ کی قبر مبارک ایک بالشت کے قریب زمین سے اونچی تھی۔ اسی لیے حضرت امام نووی شرح صحیح مسلم صـ۳۱۲ ج۱ میں فرماتے

ہیں اِنَّ السُّنَّةَ ان القبر لا یرفع علی الْاَرْضِ رَفعًا کَثِیْرًا ...... بَلْ یُرْفَعُ نَحْوَ شِبْرٍ یعنی سنت یہی ہے کہ قبر زمین سے بہت اونچی نہ ہو بلکہ صرف ایک بالشت کا اندازہ اونچی ہو۔

عالمگیری صفحہ ۱ میں ہے وَیُسَنَّمُ الْقَبْرُ قَدْرَ الشِّبْرِ یعنے قبر کو اونٹ کی کوہان کی طرح صرف ایک بالشت کا اندازہ اونچا بنایا جائے۔

خلاصۃ الفتاوےٰ صفحہ ۲۲۱ میں ہے وَان یکون القبر مسنما مرتفعا من الارض قدر شبر۔ یعنے قبر کوہان کی طرح ہو اور بالشت کا اندازہ زمین سے بلند۔ قاضیخان صفحہ ۹۳ میں اسی طرح ہے۔ بحر الرائق صفحہ ۱۹۴ میں ہے ویکرہ ان یزاد علی التراب الذی اخرج من القبر لان الزیادۃ علیہ بمنزلۃ البناء۔ جتنی مٹی قبر سے نکلی ہے اس سے زیادہ مٹی قبر پر ڈالنا مکروہ ہے۔ کیونکہ یہ بنیاد ڈالنے کے قائمقام ہو جاتا ہے قبر پر۔

کتاب الآثار لابی یوسف صفحہ ۸۰ میں ہے عن ابی حنیفۃ عن حماد عن ابراھیم قال کان یستحب ان یرفع القبر عن الارض حتی یعرف انہ قبر لکیلا [illegible] یعنی قبر زمین سے صرف اتنی اونچی ہو کہ پہچان ہو سکے کہ یہ قبر ہے تاکہ کوئی اس کو پامال نہ کرے کتاب الآثار محمد صفحہ ۴۴ میں ہے قال محمد وبہ ناخذ ولا [illegible] ان یزاد علی ما خرج منہ یعنی امام محمد نے فرمایا ہمارا بھی یہی فتویٰ ہے اور ہم جائز نہیں سمجھتے کہ قبر پر اس مٹی سے زیادہ ڈالا جائے جو قبر سے نکلی ہے پھر فرمایا وھو قول ابی حنیفۃ یعنی امام ابوحنیفہؒ کا بھی یہی قول ہے۔

اور کیوں نہ ہو جب حضرت امام علی کرم اللہ وجہہٗ نے حضرت ابوالہیاج اسدیؒ (فوجی افسر) کو فرمایا کیا میں تجھے اس کام کے لیے نہ بھیجوں جس کام کے لیے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے بھیجا تھا اور وہ کام یہ ہے کہ "اَنْ لَا تَدَعَ تِمْثَالًا اِلَّا طَمَسْتَهٗ وَلَا قَبْرًا مُشْرِفًا اِلَّا سَوَّيْتَهٗ" (مشکوٰۃ صفحہ ۱۴۸ مسلم صفحہ ۳۱۲) کوئی تصویر مٹائے بغیر نہ چھوڑنا اور کوئی اونچی قبر برابر کیئے بغیر نہ چھوڑنا اور برابر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ای سَوَّيْتَهٗ بالقبور المعتادۃ (الجوہر النقی صفحہ ۳) ان قبروں کو اُن قبروں کو برابر کر دیا جائے جن کا شرع شریف کی عادت سے ثبوت ہو چکا ہے۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ نکلی ہوئی مٹی سے زیادہ مٹی ڈالنا بھی قبر پر منع ہے تو پختہ قبر بنانا

کیسے جائز ہوگا۔

قبر میں مٹی ڈالتے وقت مستحب ہے کہ سرہانے کی طرف سے ابتدا کی جائے اور ہر شخص اپنے دونوں ہاتھوں میں مٹی بھر کر قبر میں ڈال دے اور پہلی مرتبہ پڑھے مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ اور دوسری مرتبہ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ اور تیسری بار وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى

(ردالمحتار ص۶۰۱)

قبر کا مربع بنانا مکروہ ہے۔ مستحب یہ ہے کہ اٹھی ہوئی مثل کوہان شتر کے بنائی جائے اس کی بلندی ایک بالشت یا اس سے کچھ زیادہ ہونا چاہیئے۔ (عالمگیری ص۱۰۱ بحرالرائق ص۱۹۳) بعد مٹی ڈال چکنے اور کوہان شتر کی طرح بالشت کا اندازہ بلند کر چکنے کے قبر پہ پانی چھڑک دینا مستحب ہے۔ (ردالمحتار ص۶۰۱ و عالمگیری ص۱۰۱)

قبر پہ گچ کرنا اور یا اس پر مٹی لگانا یا لیپ کرنا منع ہے۔ مکروہ ہے (ردالمحتار ص۶۰۱)

ابن ماجہ ص۱۱۲ میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نہی رسول اللہ صلعم عن تقصیص القبور یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کو پختہ اور گچ کرنے سے منع فرمایا ہے۔

کتاب الآثار للامام محمد ص۴۵ میں ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن تربیع القبور وتجصیصہا۔ قال محمد وبہ ناخذ وہو قول ابی حنیفۃ۔

یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کو چارکونہ بنانے اور چونہ گچ پختہ بنانے سے منع فرمایا ہے محمد کہتا ہے کہ یہی ہمارا مذہب ہے اور یہی ہمارے استاذ امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے

کبیری ص۵۹۹ میں ہے ویکرہ تجصیص القبر وتطیینہ وبہ قالت الائمۃ الثلاثۃ۔

یعنی قبر کو پختہ سیونا گچ بنانا اور اس کی لپائی کرنا مکروہ ہے اور یہی تینوں کا مذہب ہے

قاضی خان ص۹۲ میں ہے ولا یجصص القبر لما روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ نہی عن التجصیص والتقضیض وعن البناء فوق القبر یعنی قبر کو پختہ نہ بنایا جائے کیونکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کو پختہ بنانے اور چاندی کے پانی سے جڑاؤ کرنے اور قبر پہ عمارت بنانے سے منع کیا ہے۔

فتح القدیر ص میں ہے۔ ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم نہی عن تربیع القبور وتجصیصھا نبی پاک نے قبروں کو چوکس بنانے اور پختہ بنانے سے منع فرمایا ہے اسی طرح عالمگیری ص۱۶۶ میں ہے۔

قبر پہ پکی اینٹ لگانا بھی منع ہے۔ کتاب الآثار (امام محمد ص۱۲۱) اسی طرح ہدایہ شرح وقایہ، کنز، بدائع صنائع، قاضی خاں، خلاصۃ الفتاوے، مستخلص، کبیری، صغیری، مختصرقدوری۔ کتب فقہ میں موجود ہے۔

قبر پہ کوئی چیز یادداشت کے لیے لکھنا منع ہے (بحوالہ نسائی ص۲۸۵، ابن ماجہ ص۱۱۳ وترمذی ص۱۳۰) میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے قبریں پختہ بنانے اور ان پر لکھنے اور بناء کرنے اور ان کو روندنے سے منع فرمایا ہے نیز دیکھو مسلم ج۱ ص۳۱۲)

عَنْ جَابِرٍ قَالَ نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ تُجَصَّصَ الْقُبُوْرُ وَاَنْ یُّکْتَبَ عَلَیْھَا وَاَنْ یُّبْنٰی عَلَیْھَا وَاَنْ (تُوْطَاءَ)

کتاب الآثار ص۱۲۱ میں امام محمد نے بھی قبر پر لکھنے سے منع فرمایا اور فرمایا کہ قبر کے اندر یا اوپر پختہ اینٹ رکھنا بھی مکروہ ہے اور اس کو پختہ بنانا یا اس کی لپائی کرنا بھی مکروہ ہے اور اس کے پاس مسجد بنانا یا جھنڈا گاڑنا بھی مکروہ ہے البتہ قبر پہ پانی چھڑک دینے میں کچھ حرج نہیں اور فرمایا کہ یہی قول ہے امام ابوحنیفہؒ کا۔ ویکرہ ان یجصص او یطین او یجعل عندہ مسجدًا او علمًا او یکتب علیہ ویکرہ الاجر ان یبنی بہ او یدخل القبر ولا نری برش الماء علیہ بأسًا وھو قول ابی حنیفۃ

ابوعبداللہ حاکم نے مستدرک میں یہ حدیث لکھ کر اس کی تصحیح فرمائی پھر لکھا کہ اس حدیث پر کسی کا عمل نہیں کیونکہ مشرق ومغرب کے ائمہ مسلمین اپنی قبروں پہ لکھتے ہیں اور یہ عمل پچھلوں نے پہلوں سے لیا ہے اس پہ امام ذہبیؒ نے اپنی تلخیص میں لکھا ہے کہ یہ قبروں پہ لکھنا محدث (بدعت) ہے اور جو لکھتے آتے ہیں شاید ان کو یہ نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم کے منع کرنے کی حدیث نہ پہنچی ہو۔ (سندھی علی النسائی ص۲۸۵)

اور اس ممانعت کی علت ہے بے فائدہ مال ضائع کرنا اور بے اذن شریعت اتنی بڑی تنظیم کرنا قبروں کی (۔۔۔)

روح المعانی صفحہ ۱۲ میں ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے منع کرنے کی حدیث موجود ہے اس لیے تینوں اماموں سے قبروں پر لکھنے کی کراہت بیان کی گئی ہے خواہ اس قبر پر کسی میت کا نام لکھیں یا کوئی تختی پر جو اس کے سر کے پاس نصب کی گئی ہے لکھیں یا کسی اور چیز پر لکھیں ہر حال میں مکروہ ہے۔

مصنف عبدالرزاق صفحہ ۵۰۴ میں حضرت راشد بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر لکھنے سے منع فرمایا ہے۔ نیز مصنف عبدالرزاق صفحہ ۵۰۴ میں حضرت طاؤس سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا۔

ان خیر قبورکم التی لا تعرف۔ حضورؐ کا فرمان ہے یعنی تمام قبروں سے بہتر وہ قبر ہے جو نہ پہچانی جائے۔

قبر پر دفن کے بعد کچھ دیر تک ٹھہرنا یا دعائے مغفرت کرنا اور سر کی طرف سورۃ بقرہ کی ابتدائی آیتیں مفلحون تک اور پاؤں کی طرف سورہ بقرہ کی آخری آیتیں آمن الرسول سے آخر سورۃ تک پڑھنا مستحب ہے (مشکوٰۃ صفحہ ۱۴۹)

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کو یہ بات پسندیدہ تھی کہ دفن کے بعد قبر کے سرہانے ابتدا سورۃ بقرہ کی آیتیں اور قبر کی پائنتی میں سورۃ بقرہ کی آخری آیتیں پڑھی جائیں (شامی صفحہ ۱۰۰۱)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب دفن میت سے فارغ ہو جاتے اور اس پر کھڑے ہوتے اور فرماتے کہ اپنے بھائی کے لیے بخشش مانگو اور اس کے حق میں ثابت قدمی کی دعا کرو کیونکہ اب اس سے سوال ہو رہا ہے۔ (ابوداؤد صفحہ ۱۰۲)

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ سے فرمایا بحالت سکرات موت کے کہ جب میں مر جاؤں تو کوئی بین کرنے والی عورت اور آگ میرے جنازہ جنازے کے ساتھ نہ جائے جب مجھے تم دفن کرو اور مٹی ڈال چکو تو میری قبر کے گرد اتنی دیر

کھڑے رہنا جتنی دیر اونٹ ذبح کیا جائے۔ جب تم مجھ کو دفن کر دو تو میری قبر کے پاس اتنی دیر کھڑے رہنا جتنی دیر اونٹ ذبح کیا جائے اور اس کا گوشت تقسیم کیا جائے تاکہ مجھے تمہارے اس عمل سے انس پیدا ہو اور فرشتوں کے سوال کا جواب یقیناً دے سکوں۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۱۴۹)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد استغفروا لاخیکم سے (بعد از دفن) دعا اجتماعی کا ثبوت ہو گیا۔ لہٰذا قبر پر دفن کرنے کے بعد تھوڑی دیر ٹھیرنا اور ذکر و دعا میں مشغول رہنا مستحب ہے۔ (دلیل الخیرات، صفحہ ۵۹ لاستاذی الالمعی للوذعی بحرالہمام المفتی اعظم فی الہند محمد کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ)۔

اسی طرح جوہرہ نیرہ صفحہ ۱۱۱ و تجہیز الجنازہ و جواہر النفیس صفحہ ۱۱۲ و مصباح الصلوٰۃ غلمی فرزاد اللبیب وغیرہ بہت سی کتب فقہ میں صراحۃً ذکر ہے اور اس عمل نبوی کو آج لوگوں نے ترک کر رکھا ہے۔

اور یہ قبر پر کھڑا ہونا قرآن مجید کی آیت پاک وَلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ (اور اس منافق کی قبر پر کھڑے نہ ہوں) سے بھی مستفاد ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارک یہ تھی کہ مومنین کی قبر پر کھڑے ہو کر دعا و استغفار وغیرہ کے لیے توقف فرماتے تھے۔

البتہ جب قبر پر کھڑے ہو کر دعا مانگیں تو ہاتھ اٹھائیں یا نہ اٹھائیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ سامنے قبریں ہیں یا نہیں۔ اگر سامنے قبریں ہیں تب تو ہاتھ نہ اٹھائیں کیونکہ دیکھنے والا یہ سمجھے گا کہ یہ قبروں والوں سے مانگ رہا ہے اور اس میں (عبدۃ الاصنام یعنی) بت پرستوں کے ساتھ مشابہت ہے۔ (نور الانوار ج ۲) اور اگر سامنے قبریں نہ ہوں تو ہاتھ اٹھا سکتے ہیں اور جو حدیث فتح الباری صفحہ ۱۲۳ میں بحوالہ صحیح ابن عوانہ بروایت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ موجود ہے کہ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي قَبْرِ عَبْدِ اللّٰهِ ذِي الْبِجَادَيْنِ۔۔۔۔ فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ دَفْنِهٖ اِسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ رَافِعًا يَدَيْهِ۔ یعنے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عبداللہ ذی البجادین کی قبر پر دیکھا۔۔۔۔ پس جب آپ اس کے دفن سے

فارغ ہوئے تو قبلہ رُخ ہو کر ہاتھ اُٹھاتے ہوئے دُعا مانگی) یہ اس حالت پر محمول ہے کہ سامنے کی جہت (قبلہ) کی طرف کوئی قبر نہ ہو اور یہ بھی نہیں کہ ہمیشہ آپ قبلہ رُخ ہو کر دُعا مانگتے وقت سامنے قبر نہ ہونے کی صورت میں ہاتھ اُٹھاتے تھے کیونکہ یہ بیانِ حالِ واقعہ مخصوصہ ہے جو عبداللہ ذی البجادین کی قبر پر آپ نے اس طرح دُعا کی اور اس قسم کے واقعہ سے سنیت ثابت نہیں ہوتی اور نہ کسی فقیہ نے اِس دعا کے وقت ہاتھ اٹھانے کو سُنّت کہا ہے۔ اسی طرح استاذی حضرت علامہ مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا۔

## قبر پر اذان

ردالمحتار ص۲۳۵ میں ہے وفی الاقتصار علٰی ما ذُکِرَ مِنَ الوارد اشارۃ الٰی اَنَّہٗ لَا یُسَنُّ الاذان عند ادخال المیت فی قبرہٖ کما ھو المعتاد الاٰن وقد صرّح ابن حجرؒ فی فتاواہُ بانہٗ بدعۃٌ (اور زیارت و دعا پر اقتصار کرنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ میت کو دفن کرنے کے وقت اذان کہنا جیسا کہ آج کل عادت ہو گئی ہے مسنون نہیں ہے اور ابن حجر رحمہ اللہ نے تو اپنے فتاویٰ میں صاف فرما دیا ہے کہ قبر پر اذان کہنا بدعت ہے۔

وفی درر البحار من البدع التی شاعت فی الھند الاذان علی القبر اور کتاب درر البحار میں ہے کہ ان بدعات میں سے جو ہندوستان کے بعض شہروں میں شائع ہو گئی ہیں ایک بدعت دفن کے بعد قبر پر اذان کہنا بھی ہے۔

وفی التوشیح شرح التنقیح لمحمود البلخی لیس بشیئٍ اور محمود بلخی کی کتاب توشیح شرح تنقیح میں ہے کہ قبر پر اذان کہنا کوئی مشروع چیز نہیں۔

بدیۃ المکۃ المشرفۃ رسالہ ملحقہ بمفتاح الصلوٰۃ ص۱۱ میں فتوئے عبداللہ میر غنی حنفی مفتی مکہ معظمہ کا ہے سوال:- ھل یجوز الاذان عند القبر بعد دفن المیت فی المذھب الحنفی اَم لا بَیِّنُوا توجروا ومن اَصرّ علیہ وا عتقدہ من

السنۃ وذم تارکہ فما؟ أمصیب ام خاطئ مبتدع فبیّنوا بالصواب

الجواب:- الحمد للہ رب العلمین رب زدنی علماً ذکر فی البحر الرائق مانصہ ویکرہ عند القبر کل مالم یُعْهَدْ من السنۃ والمعهود منها لیس الا زیارتها والدعاء عندها قائماً کما کان یفعل صلے اللہ علیہ وسلم فی الخروج الی البقیع انتهی ومنہ یعلم الجواب واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم امر برقمہ المقتصر عبداللہ بن محمد میرغنی الحنفی مفتی المکۃ المکرمۃ کان اللہ لهما حامداً او مصلیاً ومسلماً صح احقر۔

یعنے میت کو دفنانے کے بعد قبر کے پاس اذان کہنا مذہب حنفی میں جائز ہے یا نہ۔؟ اور جو اس پر اصرار کرے اور اس کو سُنّت سمجھے اور اذان عند القبر کے تارک کو بُرا کہے وہ ٹھیک کہتا ہے یا خطاکار بدعتی ہے ٹھیک ٹھیک صاف کھول کر بتائیں۔

الجواب:- بحر الرائق میں نصّاً ذکر ہے کہ عند القبر تمام غیر مسنون کام مکروہ ہیں اور مسنون کام عند القبر صرف دو ہیں ایک قبر کی زیارت دوسرا قبر کے پاس کھڑے ہو کر دُعا کرنا جیسے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بقیع کی طرف نکلنے میں کرتے تھے اسی عبارت سے عند القبر اذان کا جواب معلوم ہو گیا۔

یاد رہے کہ یہ فتوےٰ مولانا نواب قطب الدین خاں صاحب حنفی دہلوی مؤلف مظاہر حق اردو شرح مشکوٰۃ شریف نے مکہ معظمہ کے مفتی مذکور سے دریافت فرمایا تھا اور وہ فرماتے ہیں کہ یہ فتویٰ مع مہر سمیت میرے پاس موجود ہے۔

اور جناب مفتی موصوف نے جو بحر الرائق کا حوالہ دیا ہے وہ بحر الرائق ص۱۹۶ ج۲ کے علاوہ عالمگیری ج۱ ، فتح القدیر ص۳ ج۲ وغیرہ کتب فقہ میں موجود ہے اور حضرت امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ نے کتاب الآثار ص۳۲ میں فرمایا کہ زیارت قبور کی اجازت صرف دُعا کے لیئے ہے ۱ میت کے حق میں دُعا مانگنا اللہ تعالےٰ سے ۲ آخرت کو یاد کرنا وھو قول ابی حنیفۃ اور یہی قول ہے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا۔

# اگر بتی سلگانا اور چراغاں کرنا

قبر پر اگر بتی سلگانا بھی منع ہے اور چراغ جلانا بھی منع ہے۔ منحۃ الخالق علی البحر الرائق ص۱۹۲ میں ہے یُکْرَہُ الْاِجْمَارُ عِنْدَ الْقَبْرِ۔ یعنے قبر کے پاس دھونی دینا منع ہے نیز حاشیہ غایہ ص۲۴۶ اور نسائی ص۲۲۲ و مشکوٰۃ ص۷۱ و ابوداؤد و طیالسی ص۲۵۷ میں ہے لَعَنَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زائرات القبور والمتخذین علیھا المساجد والسرج یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر اور قبروں کو سجدہ گاہ بنانے والوں پر اور ان پر چراغ روشن کرنے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔

اسی لیے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ (صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے) نے وصیت فرمائی تھی۔ فاذا انا مت فلا تصحبنی نائحۃ ولا نار (مسلم ص۷۶) یعنے جب میں مر جاؤں تو میرے ساتھ نہ نوحہ کرنے والی عورت جائے اور نہ میرے ساتھ آگ ہو۔ اسی طرح اسماء رضی اللہ عنہا بنت ابی بکر رضی اللہ عنہ نے وصیت فرمائی ولا تتبعونی بنار (موطا امام مالک) ص۷۸ یعنے میرے ساتھ آگ نہ لے جانا۔

امام محمد رحمہ اللہ نے کتاب الآثار ص۳۸ میں کہا کہ قبر کی طرف آخری سفر خرچ میت کا آگ نہ ہو۔ نووی نے شرح مسلم لے ص۷۶ میں فرمایا میت کے ساتھ آگ لے جانا حدیث کی رُو سے مکروہ ہے۔ کراہت کی وجہ اس کا شعار جاہلیت ہونا ہے اور ابن حبیب مالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آگ کی بدفالی اور بدشگونی کی وجہ سے مکروہ ہے۔

عالمگیری ص۱۰۰ میں ہے قبروں پر آگ جلانا جاہلیت کی رسم ہے اور مشکوٰۃ ص۲۷ میں ہے کہ نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خدا کے نزدیک وہ شخص زیادہ مبغوض ہے جو اسلام میں جاہلیت کی رسمیں تلاش کرے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ نے ارشاد الطالبین ص۲۲ میں فرمایا کہ نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم نے قبر کے پاس چراغ جلانے والوں اور سجدہ کرنے والوں پر لعنت فرمائی ہے

زاد المعاد صفحہ ۴۲ ج ۱ میں بھی ہے۔

فتاوٰے شاہ رفیع الدین صاحب صفحہ ۱۴۷ میں محرمات کا ارتکاب مثلاً چراغ جلانا۔ قبروں کو لباس پہنانا اور گانا اور باجے بجانا بُری بدعتیں ہیں اور ایسی مجالس میں جانا بھی منع ہے۔

- روح المعانی صفحہ ۲۱۹ ج ۱۵ میں وتجب ازالۃ کل قندیل وسراج علی قبر ولا یجوز وقفہ ونذرہٗ اور قبروں پر جو بھی لالٹین یا چراغ ہو اس کا ہٹانا واجب ہے اور اس کا وقف کرنا اور نذر کرنا بھی ناجائز ہے۔

حضرت مرزا مظہر جانجاناںؒ نے فرمایا متعارف رسوم جیسے عرس اور چراغاں کے ساتھ مقید نہ ہو (کلمات طیبات صفحہ ۸۹) پھر صفحہ ۹۳ میں لکھا کہ عرس اور چراغاں کی شرع میں کچھ قدر و منزلت نہیں۔

شرح سفر السعادت صفحہ ۲۷۰ میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے قبروں کو مسجد بنانے اور چراغ جلانے سے روکا اور ایسا کرنے والے پر لعنت فرمائی اور یہ حدیث سنن ابی داؤد صفحہ ۱۰۵ ج ۲ اور جامع ترمذی صفحہ ۱۳۶ میں ہے۔

فتاوٰے ستاریہ صفحہ ۹۹ ج ۱ میں ہے قبرستان میں لوبان جلانا اور اگر بتی جلانا جائز نہیں یہ جملہ امور لوگوں کے تراشیدہ اور من گھڑت ہیں ان کا ثبوت شریعت محمدیہ میں نہیں ہے۔ نیز اس میں لکھا کہ قبرستان میں آگ جلانا اور روشنی کرنا رسم مجوسی ہے اور کتاب الزواجر صفحہ ۱۲۱ میں صفحہ ۱۲۱ میں ابن حجر نے بھی اس طرح لکھا ہے۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ملا علی قاریؒ نے فرمایا کہ قبر پر چراغ جلانا اس لیے منع ہے کہ اس میں بے فائدہ مال کا ضائع کرنا ہے نیز اس چراغ جلانے سے میت کو کوئی فائدہ نہیں ہے۔ نیز اس میں دوزخ کے آثار ہیں یا اس لیے منع فرمایا تاکہ قبروں کی تعظیم سے بچاؤ رہے یہ ایسے ہے جیسے قبروں کو سجدہ گاہ بنانے سے روکا۔

تفسیر مظہری میں صفحہ ۶۵ ج ۲ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ نے فرمایا جاہل لوگ اولیا

اور شہداء کی قبروں پر جو سجدہ کرتے ہیں، ان قبروں کے ارد گرد طواف کرتے ہیں اور ان پر چراغاں کرتے ہیں اور ان پر مسجدیں بناتے ہیں اور سال کے بعد عیدوں کی طرح وہاں جمع ہوتے ہیں اور اس کا نام عرس رکھتے ہیں یہ سب ناجائز ہیں

# قبر پر تلقین کرنا

قبر پر تلقین کرنا بھی منع ہے اور بدعت ہے۔ گو نووی نے ابن الصلاح کی تقلید میں دفن کے بعد تلقین کو مستحب فرمایا ہے مگر جمہور اُمت اس کو بدعت ہونے پر متفق ہیں کیونکہ اس کے بارے تمام محدثین کا اتفاق ہے کہ کوئی حدیث ثابت نہیں صحیح حسن بلکہ ضعیف ہے، جیسے امام سیوطی رحمہ اللہ نے الحاوی للفتاوی ص۲۹۸ میں لکھا ہے نووی تبع ابن الصلاح فی استحباب التلقین بعد الدفن وجمہور الامۃ علی انہ بدعۃ اولم یثبت فیہ حدیث صحیح ولا حسن بل حدیث ضعیف باتفاق المحدثین۔

فتاوے عالمگیری میں ہے واما بعد الموت فلا تلقین عندنا فی ظاہر الروایۃ کذا فی العینی شرح الہدایۃ ومعراج الدرایۃ۔ یعنی مرنے کے بعد میت کو تلقین کرنا ہمارے مذہب میں ظاہر الروایۃ میں نہیں ہے۔ عینی شرح ہدایہ اور معراج الدرایہ میں اسی طرح ہے۔

کفایہ شرح ہدایہ میں ہے والمراد (من قولہ علیہ السلام لقنوا موتاکم) الذی قرب من الموت ہو تسمیۃ الشیٔ باسم مایؤول الیہ کقولہ تعالیٰ انی ارانی اعصر خمراً ای عنبا۔ وقولہ صلے اللہ علیہ وسلم عش ما شئت فانک میت ومن قتل قتیلاً فلہ سلبہ وقیل ہو یجری علی حقیقتہ وہو قول الشافعیؒ لانہ تعالےٰ یحییہ، خلاصہ کا یہی ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے فرمان میں جو لقنوا موتاکم آیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے فرمان میں جو لقنوا موتاکم آیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جو مرنے لگا ہو اُسے تلقین کرو۔ نہ کہ جو مر جائے تو اُسے قبر میں دفن کرکے پھر تلقین کرو۔

سبیل النجاح میں شرح مصابیح سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے

الامر فی قولہ صلے اللہ علیہ وسلم لقنوا موتاکم للندب والاستحباب والتلقین المعروض ہو ان یقال عند المحتضر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ المراد بموتاکم المحتضرون مجازا مما یؤل الیہ فینبہ علی ان یقال ذالک حتی یظہر امارات الموت۔ وقولہ صلے اللہ علیہ وسلم لقنوا موتاکم یحتمل التلقین بعد الموت حملا للفظ علی الحقیقۃ۔ وبہ قال الشافعی واصحابہ۔

ظہیریہ اور خیرۃ الفقہاء میں ہے جوّز بعض المشائخ التلقین بعد الدفن ولا آراہ یُفعل۔ یعنے بعض مشائخ نے دفن کے بعد تلقین جائز کہا ہے مگر یہ میرا عقیدہ نہیں ہے۔

سراجیہ صـ۲۳ میں ہے تلقین المیت عند اکثر مشائخنا لیس بشیٔ و عند الشافعی سنۃ۔ یعنے اکثر مشائخ کے نزدیک میت کو تلقین کرنا کوئی مشروع شیٔ نہیں ہے سراج وہاج شرح قدوری میں معراج سے نقل ہے۔ واما التلقین بعد الموت فلا یلقن عندنا فی ظاہر الروایۃ۔ مرنے کے بعد تلقین ہمارے مذہب میں ظاہر روایت میں ہے کہ نہ کی جائے۔

ذخیرۃ العقبیٰ میں ہے وقیل وقت التلقین بعد الدفن بان یقال یا فلان اذکر دینک الذی کنت علیہ رضیت باللہ ربا وبالاسلام دینا وبمحمد نبیا وبالقرآن اماما وبالکعبۃ قبلۃ۔ وقیل ان کان موتہ علی الایمان فہو مستغن عن التلقین والا فلا ینتفع بہ۔

بعض نے تو تلقین کے کلمات بھی بتائے اور بعض نے کہا کہ ایمان پر موت آئی ہو تو تلقین کی ضرورت نہیں ورنہ تو تلقین بے فائدہ ہے۔

برجندی میں ہے۔ ولا یلقن بعد الدفن عندنا وعند الشافعی یلقن وزعم بعض اصحابہ انہ مذہب اہل السنۃ۔ والاول مذہب المعتزلۃ لکنا نقول ان کان مؤمنا فلا حاجۃ الیہ وان کان کافرا فلا ینفعہ التلقین۔

یعنے ہمارے مذہب میں ہے کہ دفن کے بعد تلقین نہ کی جائے اور شافعی رح کے نزدیک تلقین کی جائے اور اس کے بعض اصحاب نے سمجھ لیا کہ تلقین کرنا اہلسنت کا مذہب ہے اور تلقین نہ کرنا معتزلہ کا مذہب ہے لیکن ہم حنفی کہتے ہیں کہ اگر میت مومن ہے تو اسے تلقین کی ضرورت ہی نہیں اگر کافر ہے تو تلقین بے سود ہے

فتاویٰ جامع الروایات میں عقائد الاسلام سے نقل کیا ہے کہ تلقین میت بعد دفن مے کنند نزدیک امام شافعی نفع نیست زیرا کہ اگر با ایمان رفتہ است خود فرشتگاں را جواب تلقین و آنچہ کہ حق است خواہد گفت وگرنہ تلقین چہ فائدہ کند کافی میں بھی اسی طرح لکھا ہے اور جامع الرموز میں جواہر سے نقل کرتے ہوئے کہا ہے وانما اختص التلقین بالمحتضر لان تلقین المیت لم یجوز عند الائمۃ الثلاثۃ وغیرہم من اصحابنا وعلیہ فتوے ائمۃ الثلاثۃ وغیرہم من اصحابنا وعلیہ فتوی ائمۃ بلخ وبخارٰی۔

یعنی تلقین صرف قریب الموت کے لیے مخصوص ہے کیونکہ میت کی تلقین ہمارے ائمہ ثلاثہ امام ابوحنیفہؒ امام ابویوسفؒ امام محمدؒ وغیرہ اصحاب حنفیہ کے نزدیک ناجائز ہے اور انہی پر بلخ وبخارٰی کے اماموں کا فتوے ہے۔

مجمع البحرین میں ہے وتلقینہ الانسان ای حال کونہ محتضرا لا بعد التکمید یعنی قال الشافعی یلقن بعد الدفن لقولہ صلے اللہ علیہ وسلم لقنوا موتاکم شہادۃ ان لا الہ الا اللہ ولنا ان الاحتضار فی وقت یتعرض فیہ الشیطان نعوذ باللہ من فساد اعتقادہ فیحتاج الی تذکرہ والمراد من قولہ لقنوا موتاکم من یقرب الی الموت مجازاً انتہی۔

تلقین صرف مرتے وقت ہوتی ہے نہ دفن کے بعد لیکن شافعیؒ حدیث کی وجہ سے دفن کے بعد تلقین کے قائل ہیں مگر ہم حنفی کہتے ہیں تلقین کی ضرورت تو اُس وقت ہوتی ہے جب شیطان کے بہلانے کا وقت ہوتا ہے اور وہ وہی وقت ہے جب انسان مرنے لگتا ہے اور حدیث کا یہی مطلب ہے۔

سید احمد طحطاویؒ نے در مختار کے حاشیہ میں لکھا ہے قال فی النہر واختلفوا فی تلقینہ بعد الموت فقیل یُلَقَّنُ لظاہر قولہ علیہ الصلوۃ والسلام لقنوا موتاکم شہادۃ ان لا الہ الا اللہ وقیل لا یلقن وہو ظاہر الروایۃ اذا المراد بموتاکم فی الحدیث من قرب من الموت۔ یعنے نہر فائق میں ہے کہ موت کے بعد تلقین کرنے میں اختلاف ہے بعض لقنوا موتاکم کے ظاہری الفاظ دیکھ کر جواز کے قائل ہیں بعض ناجائز کہتے ہیں اور یہی ظاہر روایت ہے کیونکہ حدیث میں موتی سے مراد وہ ہیں جو مرنے لگے ہوں

اور زیلعی شرح کنز میں بھی اسی طرح مرقوم ہے (تفہیم المسائل ص۱۱۹ تا ص۱۲۱)
تنویر الابصار میں ہے لا یلقن بعد تلحیدہ۔ یعنی میت کو دفنانے کے بعد تلقین نہ کی
جائے۔
صلوٰۃ مسعودی میں ہے "و بر قول علما را تلقین نہ کنند کہ آں حدیث در وقت نزاع
است و آنکہ پیغمبر علیہ السلام مر ابراہیم پسر خویش را تلقین کردہ معجزہ بود کہ آواز
فرزند خود بشنود۔ اما ما از حالِ مردگان خبر نداریم و آواز مُردہ بگوش ما نمی رسد پس
دانستیم کہ تلقین وقتِ مُردن است۔
جامع الرموز میں ہے اما تلقین المیت فلم یجز عند علمائنا الثلاثۃ و علیہ فتوے ائمہ
بلخ و بخارا ہی کما فی الجواہر (زاد اللبیب ص۳۵)
تفہیم المسائل ص۱۲۱ میں ہے کہ امام ابو حنیفہؒ و امام مالکؒ امام احمدؒ بن حنبل اور دیگر
حنفیہ کے نزدیک تلقین بعد موت ناجائز ہے۔ پھر لکھا کہ بعض علماء شافعیہؒ کا
کہنا کہ تلقین کا عدمِ جواز معتزلہ کا مذہب ہے یہ محض غلط ہے پھر فرمایا کہ ان متذکرہ
بالا اکابر کو معتزلی کہنا بہت بڑی جسارت ہے۔
بلکہ میں کہتا ہوں کہ امام شافعی کی طرف جواز تلقین کی نسبت کرنا ٹھیک نہیں
جیسے جواز متعہ کی نسبت امام مالکؒ کی طرف کرنا درست نہیں اور ارسال یدین فی
قیام الصلوٰۃ کی نسبت امام مالکؒ کی طرف کرنا غلط ہے کیونکہ امام مالک کی اپنی
کتاب موطا میں متعۃ النساء کو حرام لکھا اور باب وضع الیمنیٰ علی الیسریٰ بھی موطا
میں ہے پس سہو کاتب کہیں گے جہاں غلط نسبت کی گئی ہے یا کہیں گے کہ مالک
سے مراد امام مالکؒ نہیں دوسرا کوئی شیعہ مالکی مراد ہے۔
بعینہٖ اسی طرح جن کتابوں میں جواز تلقین کی نسبت امام شافعیؒ کی طرف کی گئی
ہے یا تو اس سے مراد کوئی شیعہ شافعی ہے یا سہو کاتب ہے۔ امام شافعیؒ جواز تلقین
کے قائل نہیں ہیں کیونکہ امام شافعی نے کتاب الاُم میں اس تلقین کا کہیں ذکر
نہیں کیا۔ بلکہ کتاب الام میں ایک باب ان الفاظ سے منعقد فرمایا۔

= باب مایقال بعد دفن المیت. اس باب میں جو مسنون طریقہ ثابت ہے وہ تو بیان کیا مگر مروجہ تلقین کا وہاں نام و نشان نہیں۔ البتہ یہ مروجہ تلقین کا ثبوت کتب شیعہ میں ہے۔

## شیعہ کتب

چنانچہ توضیح المسائل ص۱۱۷ تا ص۱۱۸ تلقین میت کا باقاعدہ طریقہ بیان کیا اسی طرح من لایحضرہ الفقیہ ص۔ و تحفۃ العوام وغیرہ کتب میں تلقین کا مسئلہ مصرح ہے۔

رہی وہ حدیث جو غنیۃ الطالبین ص۹۵ میں ابو امامہ سے مروی ہے۔ سو اس کے متعلق امام سیوطی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ تمام محدثین کا اس کے ضعف پر اتفاق ہے اور محمد بن طاہر فتنی رحمہ اللہ نے تذکرۃ الموضوعات ص۲۱۵ میں فرمایا حدیث تلقین المیت بعد الدفن ضعفہ ابن الصلاح ثم النووی وابن القاسم والعراقی وشیخنا فی بعض تصانیفہ والآخرون۔ یعنی بعد دفانے کے تلقین میت والی حدیث کو ابن صلاح، نووی، ابن القاسم عراقی اور ہمارے مشائخ نے اپنی بعض تصانیف میں اور دوسرے محدثین نے بھی ضعیف کہا ہے اور المقاصد الحسنہ ص۱۶۳ میں یونہی ہے۔ اور امام سیوطی نے جامع صغیر میں اس حدیث کو ذکر نہیں کیا۔ حالانکہ ضعیف احادیث بھی اس میں ذکر کرتے ہیں۔
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ضعف بہت قوی ہے جو جامع الصغیر میں جگہ نہ لے سکی
اسی طرح عبدالوہاب شعرانی نے کشف الغمہ ص۱۰۲ میں لکھا ہے کہ قال راشد بن سعد التابعی رضی اللہ عنہ وکانوا یستحبون اذا سُوّی علی المیت قبرہٗ وانصرف الناس عنہ ان یقال للمیت عند قبرہ یا فلانُ قل لا الٰہ الا اللہ اشہد ان لا الٰہ الا اللہ ثلٰث مرات قل ربی اللہ ودینی الاسلام ونبیی محمد صلے اللہ علیہ وسلم ثم ینصرف القائل عنہ۔ یہ بھی اسی پہلی حدیث کی طرح ضعیف ہے اور مقاصد حسنہ ص۱۶۲ ص۱۶۳ بھی دیکھ لیا جائے۔

# قرآن خوانی کے لئے اجتماع

فتاوٰے بزازیہ ص۸۱ میں ہے ویکرہ اتخاذ الدعوۃ لقراءۃ القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم او لقراءۃ سورۃ الانعام او الاخلاص فالحاصل ان اتخاذ الطعام عند قراءۃ القرآن لاجل الاکل یکرہ۔

ترجمہ:۔ اور قراءت قرآن کے لیے اور صلحاء اور قاریوں کو جمع کرکے ختم قرآن کے لیے دعوت کرنا بھی مکروہ ہے اسی طرح سورۃ انعام یا سورت اخلاص کے پڑھنے کے لیے کھانا تیار کرنا بھی مکروہ ہے۔

الحاصل۔ قراءت قرآن کے وقت کھانے کی خاطر طعام تیار کرنا مکروہ ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے شرح سفر السعادۃ ص۲۷۴ میں لکھا و عادت نبود کہ برائے میت جمع شوند و قرآن خوانند و ختمات خوانند نہ بر سر گور و نہ غیر آں و ایں مجموع بدعت است یعنے عہد نبوی و صحابہؓ میں یہ عادت نہ تھی کہ میت کو ثواب پہنچانے کے لیے لوگ جمع ہوں اور قرآن پڑھیں اور ختم پڑھیں نہ قبر کے سرہانے اور نہ کسی دوسری جگہ اور یہ سب بدعت ہے۔

الدر المنظوم ص۲۸ میں حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت نے تیجہ میں قرآن خوانی کو مکروہ فرمایا ہے۔

طریقہ محمدیہ کے اخیر صفحہ پر کہا قرآن و کلمہ وغیرہ پڑھنے والوں کو پیسے دینا یا قبر پر چالیس روز تک یا کم و بیش ایام تک آدمی بٹھانا ۔ ۔ ۔ ۔ یہ سب امور مکروہ ہیں۔

تجنیس کے فصل غسل میت میں ہے کہ سیپارہ خوانی اگر اس طرح ہو کہ ایک دوسرے کو سنائی نہ دے تو جائز ہے مگر پھر بھی سیپارہ خوانی میں اختلاف ہے کوئی جائز کہتا ہے کوئی ناجائز (زاد اللبیب ص۹۹)

نصاب الاحتساب میں ہے ختم قرآن مل کر باآواز بلند جسے فارسی میں سیپارہ خوانی کہتے ہیں مکروہ ہے اور دلیل اس کی نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ قرآن خوانی

کے وقت رفع صوت مکروہ ہے (صفحہ ۹)
شامی میں ہے کہ ایک آدمی کو اس لیے پیسے دینا کہ قبر پر بیٹھ کر قرآن پڑھیگا
اس قرآن پڑھنے کا ثواب نہ پڑھنے والے کو ملے گا نہ میت کو۔ (زاد اللبیب صفحہ ۸)
شرح سفر السعادت میں ہے یہ جو قبر کے ارد گرد اس کے سرہانے بیٹھ کر پڑھتے
ہیں مکروہ ہے۔ (۰)
شرح عقیدہ طحاویہ صفحہ ۳۸٦ میں ہے واما استیجار قوم یقرءون القرآن ویھدونہ
للمیت فھذا لم یفعلہ احد من السلف ولا امر بہ احد من ائمۃ الدین ولا رخص فیہ
والاستیجار علی نفس التلاوۃ غیر جائز بلا خلاف۔
یعنی اجرت پر قرآن شریف پڑھ کر میت کو اس کا ثواب پہنچانا سلف میں سے
کسی نے نہیں کیا اور نہ ہی آئمہ دین میں سے کسی نے اس کا حکم نہ رخصت دی اور نفس
تلاوت پر بالاتفاق اجرت لینا ناجائز ہے۔
انوار ساطعہ صفحہ ۱۲ میں ہے کہ اگر حافظوں کو مزدوری دیکر قرآن پڑھوا دیں تو البتہ
مکروہ ہے۔ اس کی تصدیق کتب فقہ میں موجود ہے۔
نیز جوہرہ نیرہ صفحہ ۲۷۳ میں ہے لایجوز ھو المختار ناجائز ہے یہی مختار ہے:

## قرآن خوانی

قبر پر قرآن خوانی کا صرف اس قدر ثبوت بسند صحیح ثابت ہے کہ سورۃ بقرہ
کی ابتداء و انتہا میت کے سر اور پاؤں کی طرف کھڑے ہو کر پڑھا جائے یا اور کچھ آیتیں
پڑھ لی جائیں بشرطیکہ میت کا جسم پھول یا پھٹ نہ جائے لیکن اس کے بعد قبر پر
قرآن پاک پڑھنے کے جواز و عدم جواز میں علماء کرام کا اختلاف ہے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ
منع فرماتے ہیں۔
خلاصۃ الفتاوے صفحہ ۳۴۳ میں ہے رجل اجلس علی قبر اخیہ رجلاً یقرأ القرآن یکرہ
عند ابی حنیفۃ رح۔ یعنی اگر کوئی اپنے بھائی کی قبر پر کسی کو بٹھاتا ہے کہ یہاں قرآن پڑھے

تو یہ مذہب امام ابو حنیفہؒ میں مکروہ ہے اسی طرح ہے بحر الرائق صفحہ ۱۹۵ ج ۲ وسراجیہ صفحہ ۱ و عالمگیری صفحہ ۱۳۴ ج ۱ و در المختار صفحہ ۲۹۶ میں۔

شرح سفر السعادۃ صفحہ ۲۷۳ میں شیخ عبد الحق محقق محدث دہلویؒ نے لکھا ہے۔

و عادت نبود کہ برائے میت در غیر وقت نماز جمع شوند و قرآن خوانند و ختمات خوانند بر سر گور و نہ غیر آن ایں مجموع بدعت است و مکروہ نیز مدارج النبوۃ صفحہ ۴۱۴ میں بھی یہی لکھا ہے اور آگے لکھا "اما این اجتماع مخصوص روز سوم وار تکاب تکلفات دیگر و صرف مال بے وصیت از حق یتامی بدعت است و حرام است۔" اس کے آگے چلکر لکھتے ہیں "و در قرآن خواندن بر سر قبر اختلاف است مگر آنچہ در زیارت خوانند شد اما آنچہ قبر را گردکردہ نشینند و بر سر مردے بخوانند مکروہ است" اور یہی شیخ صاحب مدارج النبوۃ صفحہ ۱۵ میں فرماتے ہیں۔

(امام احمد بن حنبلؒ گفتہ کہ قرأت بر قبر بدعت است" اور حضرت شیخ صاحب کے استاذ شیخ علی متقی نے رسالہ "رد بدعات" میں لکھا ہے الاجتماع للقراءة بالقرآن علی المیت بالتخصیص فی المقبرة او المسجد او البیت بدعة مذمومة یعنی میت پر قرآن خوانی کے لیے اجتماع قبرستان یا مسجد یا گھر میں بدعت مذمومہ ہے۔ کما فی نصاب الاحتساب شرح عقیدہ طحاویہ صفحہ ۳۸۶ میں ہے۔ فمن قال بکراہتہا کابی حنیفۃؒ ومالکؒ واحمدؒ بن حنبل۔ قبر پر جو قرآن پڑھنا مکروہ کہتے ہیں جیسے امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ اور امام احمدؒ بن حنبل۔ اس کے بعد ذرا آگے چل کر لکھتے ہیں۔ دفن کرنے کے بعد جو لوگ قرآن خوانی کے لیے باری باری قبر پر آتے ہیں سو یہ مکروہ ہے کیونکہ

لم تأت به السنة ولم ینقل عن احد من السلف مثل ذالک اصلاً نہ یہ کسی حدیث میں ہے اور نہ ہی ایسا کام کسی سلف سے منقول ہے پھر کہا کہ یہ قول دوسرے اقوال سے قوی تر ہے۔

محی الدین برکلی نقشبندی حنفیؒ طریقہ محمدیہ کے اخیر صفحہ پر لکھتے ہیں ان بدعات میں سے ایک بدعت یہ ہے کہ موت کے دن یا اس کے بعد ضیافت طعام کی وصیت کرنا

اور قرآن و کلمہ وغیرہ پڑھنے والوں کو پیسے دینا یا قبر پر چالیس روز تک یا کم و بیش ایام تک آدمی بٹھانا یا قبر پر قبہ بنانے کی وصیت کرنا یہ سب امور منکرہ ہیں۔

حسن بن علی ہندی نے طریقۃ السنۃ فی رد اہل البدعۃ میں لکھا۔ مناکیر کثیرہ کا بیان کرتے ہوئے منہا تخصیص یوم من الایام بفعل غیر معین وہو منصب الشارع فالتخصیص من عند نفسہ ادعاء منصبہ والقیاس علی تخصیص الشارع بدون علۃ مشترکۃ لیس بصحیح علی انہ یشترط فیہ الاجتہاد۔

یعنے ایک برا کام یہ ہے کہ شرع نے جس کام کا دن معین نہیں فرمایا اس کام کو کسی ایک دن کے ساتھ مخصوص کر لینا کیونکہ یہ دن کا مخصوص کرنا شارع کا منصب ہے۔ پس اپنی طرف سے دن کی تخصیص کرنا شارع کے منصب کا دعویٰ کرنا ہے اور بغیر علت مشترکہ کے شارع کی تخصیص پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے علاوہ ازیں اس تخصیص کے لیے اجتہاد کی ضرورت ہے اور اجتہاد یہاں منتفی ہے۔

طحطاوی نے حاشیہ مراقی الفلاح ص۳۲۶ میں فرمایا ہے کہ یہ مسئلہ اختلافی ہے امام ابوحنیفہؒ تو فرماتے ہیں کہ قبر پر قرآن پڑھنا (ماسوا اس کے جو دفن کے بعد سورۃ بقرہ کی ابتداء و انتہاء پڑھا جاتا ہے) مکروہ ہے لأن اہلہا جیفۃ (ایک تو اس لیے کہ قبر والا جیفہ ہے) ولم یصح فیہا شیٔ عندہ عنہ صلے اللہ علیہ وسلم (دوسرے اس لیے کہ امام صاحب کے ہاں نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم سے صحیح ثبوت نہیں قبر پر قرآن پڑھنے کا۔ لیکن امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں چونکہ حدیثوں سے ثابت ہے اس لئے قبر پر قرآن کریم پڑھنا مستحب ہے اور یہی پسندیدہ مذہب ہے۔ وہ حدیثیں کچھ مراقی الفلاح میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں اور کچھ شرح عقیدہ طحاویہ میں حضرت ابن عمرؓ کی وصیت اور بعض مہاجرین کی وصیت ہے۔ مراقی الفلاح والی روایت کے متعلق ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ اس بارے میں کوئی حدیث صحیح نہیں لم یصح فیہ حدیث (طحطاوی ص۳۶۴) اور ابن عمرؓ و بعض مہاجرینؓ کی وصیت متصلاً بعد دفن کے متعلق ہے جس کے استحباب میں شک و شبہ نہیں ہے۔

اصلی منع یہ ہے کہ بعد میں دفن کر کے چلا جانے کے پھر لوگوں کا آنا جانا اور

اور قبر پر اکٹھے ہونا قرآن خوانی کے لیے یا عرس کے دن حافظ لوگ قبر پر جمع ہو کر قرآن پاک پڑھتے ہیں اس کو آج تک کسی حنفی نے جائز نہیں کہا نہ کسی مالکی نے نہ کسی حنبلی نے۔ چہ جائیکہ مختار کہیں خاص کر جب پڑھنے پر اجرت دیں لیں اسے سب ہی ناجائز کہتے ہیں نہ اس پڑھنے کا ثواب نہ پڑھنے والے کو نہ میت کو۔

البتہ اگر یوں ہی کوئی قبرستان میں جا کر اس طرح کہے السلام علیکم دار قوم مومنین وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون یا

یوں کہے السلام علیکم یا اہل القبور من المسلمین والمؤمنین انتم لنا سلف ونحن لکم خلف (او تبع) وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون۔ یرحم اللہ المستقدمین منا والمستاخرین اسأل اللہ لنا ولکم العافیۃ یغفر اللہ لنا ولکم ویرحمنا اللہ وایاکم۔

اس کے بعد جتنا پڑھ سکے قرآن پاک کھڑے کھڑے پڑھ کر اس کا ثواب بخشے مُردے کو اس کو صاحبین (امام ابو یوسفؒ وامام محمدؒ) اور امام شافعیؒ جائز کہتے ہیں اسی کو صاحب فتح القدیر وغیرہ نے مختار کہا ہے۔ پھر سُن لو یہ جو چالیس روز تک حفاظ کو قبر پر بٹھلاتے ہیں۔ قرآن خوانی کے لیے۔ اور ان کے خورد و نوش کا انتظام میت کے پس ماندگان کرتے ہیں اور چالیس روز کے بعد حفاظ کو مٹھی اور جیب گرم کر کے رخصت کرتے ہیں یہ اسراف بلکہ تبذیر میں داخل ہے جو حرام ہے اور اسے کوئی جائز نہیں کہتا اور نہ اس پڑھنے کا کوئی ثواب ہے۔ دیکھو حاشیہ جلالین ۲۳۰ (ملک

بالظالمین من انصار۔ امثلۃ وضع الانفاق فی غیر محلہ کثیرۃ لا یکاد ان یحصی منہ الانفاق فی الاعراس کاعطاء الدراہم للمغنیات والراقصات والمغنیین وضاریب المزامیر وغیرہم ولبس الثوب الرقیق للتفاخر والتکبر واطعام انواع الاطعمۃ للاغنیاء والشبع للفقراء فی یوم الولیمۃ والزیادۃ فی الکفن کما وکیفا والاکل فوق الشبع من غیر حاجۃ واکل کل ما اشتہی واعطاء کل مالہ بان لا یبقی لاہلہ قوتا ----- والتکلف فی فرش المساجد وکثرۃ ایقاد الشموع والسرج من غیر حاجۃ وصرف الزیت وغیرہ فی المقابر واعطاء دراہم معدودۃ لمن یثیبوا بالقرآن لروح میت او تسبیح لہ اھ

او یہلّلُ او بأن تبیت عند قبرہ رجال اربعین لیلۃً او اکثر او اقل او بان یبنی علی قبرہ وغیر ذالک فکل ہذہ الانفاق مذمومۃ ومعصیۃ وبدعۃ اعاذ اللہ عن ذٰلک

## مکان میں قبر

گھر میں مکان کے اندر قبر بنانا منع ہے کیونکہ گھر میں مکان کے اندر مکان کا ہونا انبیاء علیہم السلام کے لیے مخصوص ہے (رکن دین صـ۲۱۱ ومراقی الفلاح صـ۳۴۰ وفتاوٰے غرائب وزاد اللبیب صـ۶۵ بحوالہ خزانۃ الروایات وخلاصۃ الفتاوٰے صـ۲۲۶ وردالمحتار صـ۹۶ وبحرالرائق صـ۱۹۳، بہشتی زیور صـ۹۴ وواقعات ودیگر کتب فقہ مجموعہ خانی صـ۱۱۳ صـ۹۳)

بلکہ مناسب ہے کہ مقابر مسلمین میں اہل خیر کے پڑوس میں دفن کریں (زاداللبیب) اور اگر مرنے والے نے گھر میں دفن کرنے کی وصیت کی ہے تو یہ وصیت اس کی باطل ہے (» صـ۶۵)

## قبر پر مکان، قبّہ، گنبد، جھنڈا۔

بعد دفن کر چکنے کے قبر پر کوئی عمارت مثل گنبد یا قبّے وغیرہ بنانا بغرض زینت حرام ہے اور مضبوطی کی نیت سے مکروہ ہے (بحرالرائق صـ۱۹۴ ردالمحتار صـ۶۰۱ طوالع شرح درمختار وسراجیۃ ومفید المستفید وابراہیم شاہی ومختار الفتاوٰی وفتاوٰی عجیب ومفید المومنین وامداد المفتاح ومحیط وحجۃ العلماء وشرعۃ الاسلام وخلاصۃ الفقہ وفتاوٰے برہنہ ودرہم الکیس وعقدۃ اللآلی وقاضی خان ورحمانیہ وعالمگیری وقتاوٰے عجیب وصغیری وکبیری وزیلعی وجوہرہ نیرہ ومنح الغفار وشرح مجمع البحرین وجامع الرموز وطیبی وغیرہم (تفہیم المسائل صـ۲۱۳)

مصنف عبدالرزاق صـ۱۴۳ میں راشد بن سعد سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے (نہی عن تقصیص القبور وتکلیلہا والکتابۃ علیہا) پختہ اور بلند بنانے

قبور سے منع کیا ہے اور قبور پر لکھنے سے بھی منع کیا۔

بجلی نے تکلیل کے معنے رفع القبور کیا اور زمخشری نے کہا کہ قبر کے گرد بناء کرکے احاطہ کرنا جس پر قبہ سا بنا ہو۔

اور ابن الاثیر نے کہا ہے کہ صومعہ اور قبہ کی طرح قبور کے ارد گرد بنا سے بلند کرنا یعنے جسے آج کل روضہ کہتے ہیں۔ عبدالرزاق ص۵۰۶ میں لکھا ہے۔

ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نہٰی عن قبور المسلمین ان تبنٰی علیھا او تجصص او تزرع فان خیر قبورکم التی لا تعرف

یعنے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے قبور کے گرد بنا کرنے یا پختہ چونہ گچ بنانے یا کھیتی کرنے سے منع فرمایا اور تمہاری بہتر قبریں وہی ہیں جو پہچانی نہ جا سکیں یعنے دوسری قبور سے ممتاز شان ایک قبر کی نہ ہونی چاہیئے۔

مسلم ص۳۱۲ و ترمذی ص۱۲۶ و نسائی ص۲۸۵ و مصنف ابن ابی شیبہ ص دو دیگر کتب حدیث میں ہے۔

ملا بدمنہ ص۹۵ میں ہے آنچہ بر قبور اولیاء عمارت ہائے رفیع می کنند و چراغاں روشن می کنند و از یں قبیل ہر چہ می کنند حرام است۔

مدارج النبوت ص۲۲ میں ہے۔ وگور را بلند نہ کردے و براں بنا از سنگ و خشت وغیر آں نہ کردے و بالائے گور عمارت و قبہ نہ ساختے و ایں مجموع بدعت است و مکروہ۔ کذا فی سفر السعادۃ۔

کتاب الآثار للامام محمد ص۲۲ میں ہے کہ ہم قبروں کو چونہ گچ کرنے یا لپائی کرنے کو اور ان کے پاس مسجد بنانے یا جھنڈا لگانے یا اس پر لکھنے کو مکروہ سمجھتے ہیں اور پختہ اینٹ کے ساتھ ان کے گرد بنانے یا قبر کے اندر پختہ اینٹ کو بھی داخل کرنے کو بھی مکروہ سمجھتے ہیں اور قبر پہ پانی چھڑکنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور یہی مذہب ہے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا۔

رد المحتار ص۹۹۲ میں ہے اما البناء فلم ار من اختار جوازہ۔

یعنے مجھے معلوم نہیں کہ کسی نے عمارت بنانے کے جواز کو (قبر پر) پسند کیا ہو)
اور درمختار کی عبارت پر تنقید فرمائی کہ حوالہ مطابق اصل نہیں۔
مرقاۃ میں ملا علی قاری نے کہا بدعت ضلالت وہ ہے جس کا ائمہ مسلمین نے انکار کیا
ہو جیسے قبروں پر عمارت بنانا اور ان کو پختہ کرنا وہی ما انکرہ ائمۃ المسلمین کالبناء علی القبور
وتجصیصہا (ص۲۰۳ ج۲)
سفر السعادت میں ہے گور را بلند نہ کردے و بجائے بنیاد آجر و سنگ و خشت نیز
آن نکردے و بہ گچ و گل وغیرآں سخت نکردے و بالائے گور عمارت و قبہ نساختہ و ایں
مجموع بدعت است و مکروہ و مخالف طریق نبوی است (زاد اللبیب ص۳۳۹)
تطیین القبور مکروہ کذا ذکرہ فی التجرید (سراجیہ ص۷۲) ردالمحتار ص۶۶۲
روی عن ابی حنیفۃ انہ قال لایجصص القبر ولا یطین ولا یرفع علیہ بناء ولا سقط
(قاضی خاں ص۹۳)
وعن ابی حنیفۃ یکرہ ان یبنی علیہ بناء من بیت او قبۃ او نحو ذالک (ردالمحتار ص۶۰۱)
(کبیری ص۵۵۳)
ویکرہ الآجر والخشب لانہما لاحکام البناء والزینۃ والقبر مکان البلاء والفناء وقد
وصی الاسود بن یزید ان لا تجعلوا علے قبرہ آجراً وقال ابراہیم النخعی کانوا یکرہون الآجر
فی قبورہم (کبیری ص۵۵۲) (فتح القدیر ص۴۷۱)
سوال :- مدارج النبوۃ میں مطالب المومنین سے منقول ہے کہ میں نے بخارا کی
قبور دیکھیں کہ وہ خشتہائے تراشیدہ سے تعمیر شدہ ہیں اور اسماعیل جو مشاہیر فقہاء سے
ہے وہ بھی اس کے مجوز ہیں۔
نیز فتاوٰے ہمایونی میں درمختار کی عبارت کے بعد لکھا ہے کہ پس ازیں عبارت
معلوم شد کہ خشت پختہ بالائے قبر زدن جائز است۔
جواب :- حجت قرآن حدیث اجماع امت اور قیاس مجتہد کا ہے غیر مجتہد کا قول
حجت نہیں لہٰذا صاحب مذہب امام ابو حنیفہ ہی کا قول تسلیم کرنا ہوگا کہ آپ نے

قبر کی لپائی کرنے اور پختہ خشت قبر کے اندر یا باہر لگانے سے منع فرمایا ہے دیکھو کتاب الآثار للامام محمد رحمہ اللہ صفحہ۔

سوال: عمر بن عبدالعزیز نے بحکم ولید بن عبدالملک حجرہ شریفہ کو منہدم کر کے منقش پتھروں سے تجدید کیا اور اس کے ظاہر پر ایک حظیرہ بھی بنا دیا (جذب القلوب صفحہ)

جواب: مکان میں قبر بنانا خاصہ انبیاء ہے جیسے گذر چکا۔ عمر ثانی نے صرف اس مکان کو پختہ کر دیا۔

زبدۃ المقامات صفحہ میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کی وصیت کا متن مذکور ہے جس میں یہ بات بھی ہے "و قبر مرا خام گزارید تا بہ اندک زمانے ازاں نشانے نماند" یعنی میری قبر کچی ہی بنا چھوڑنا تاکہ تھوڑی مدت کے بعد اس کا انکشاف قائم نہ رہے۔

مسلم صفحہ میں سعد بن ابی وقاص کی وصیت لکھی ہے جو آپ نے مرض الموت میں کی تھی کہ مجھے دفن کرنے کے لیے لحد بنانا اور مجھ پر کچی اینٹیں نصب کرنا جس طرح صلے اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم کے ساتھ (بوقت دفن) کیا گیا تھا۔

مدارج النبوۃ صفحہ میں ہے "و قبر آں حضرت رسالت صلے اللہ علیہ وسلم و صاحبیہ نیز بزمین برابر است۔ یعنی نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دونوں ساتھی (ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) کی قبریں زمین کے ساتھ برابر ہیں (یعنی بہت اونچی نہیں) کیونکہ ابوداؤد میں ہے کہ قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی پھوپھی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا کہ اماں جان! مجھے قبر سے پردہ ہٹا کر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور ان کے صاحبین کی قبریں دکھا دو تب انہوں نے پردہ ہٹا کر قبریں دکھائیں۔ میں نے دیکھا کہ وہ قبریں نہ بہت بلند تھیں اور نہ زمین کے ساتھ لگی ہوئی برابر تھیں۔

بخاری میں ہے۔ عن سفیان التمار انہ رأی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم مسنمًا۔
یعنے حضرت سفیان تمار سے روایت ہے کہ آپ کی قبر کوہان نما دیکھی۔

مسلم میں ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کپڑے کا دروازہ پر پردہ بنایا
رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم غزوہ سے جب تشریف لائے تو اس کپڑے کو کھینچ کر
پھاڑ دیا اور فرمایا ان اللہ لم یامرنا ان نکسوا الحجارۃ والطین۔
یعنے خدا نے ہم کو پتھر اور گارے مٹی کو کپڑا اڑھانے کی اجازت نہیں دی۔
ہدایہ ص ۱۴۲ میں ہے ویکرہ الآجر والخشب لانہما لاحکام البناء والقبر موضع البلی
یعنے پختہ اینٹوں اور لکڑی کا استعمال قبر پر ناجائز ہے کیونکہ یہ چیزیں پائیداری اور
مضبوطی کی خاطر ہوتی ہیں اور قبر تو ویرانی کی جگہ ہے۔
جوہرہ نیرہ ص ۱۳۲ میں ہے۔ اس دلیل کو دیکھیں تو پتھروں کا استعمال بھی ناجائز ہوگا
(قدوری ص ۱۲ وکنز ص ۴۹)

## اکابر اسلام کا مسلک

مرقاۃ ص ۶۹ میں ہے "قبروں پر بنی ہوئی عمارت گرانا واجب ہے اگرچہ مسجد ہی ہو
نووی نے شرح صحیح مسلم ص ۳۱۲ میں کہا ہے۔ فی کتاب الام للامام الشافعی رح ورأیت
الائمۃ بمکۃ یامرون بھدم ما یبنی ویؤید الھدم قولہ علیہ السلام ولا قبرا
مشرفا الا سویتہ (کوئی اونچی قبر گرائے اور برابر کئے نہ چھوڑنا۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ
وسلم کا فرمان موجود ہے۔ یعنی میں نے مکہ میں اماموں کو دیکھا کہ وہ قبروں پر بنی ہوئی عمارتوں کو ڈھانے کا

مجالس الابرار ص ۱۲۱ میں ہے القباب التی بنیت علی القبور یجب ہدمہا
قبروں پر بنائے ہوئے قبوں کا گرانا واجب ہے۔
اسی طرح زاد المعاد ص ۲ میں ابن القیم نے کہا۔ لا یجوز ابقاؤہا ویجب ہدمہا
یعنے ان قبوں کو چھوڑ دینا جائز نہیں ہے اور ان کا گرا دینا واجب ہے،
ابن حجر مکی نے کتاب الزواجر ص ۱۲۳ میں لکھا ہے یجب المبادرۃ الی ہدمہا وہدم القباب
التی علیہا۔ یعنے ضروری ہے ان بلند عمارتوں کو ڈھانے کی طرف مبادرت کرنا اور ان
قبوں کو گرانے کی طرف بھی جو قبروں پر ہیں۔

علامہ سید آلوسیؒ روح المعانی ص۲۱۹ میں فرماتے ہیں۔ ثم اجماعاً فان اعظم المحرمات واسباب الشرک الصلوۃ عندہا واتخاذ ہا مساجد او بناء ہا علیہ وتجب المبادرۃ الی ہدمہا وہدم القباب التی علی القبور اذ ہی اضر من مسجد الضرار لانہا اسست علی معصیۃ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وتجب ازالۃ کل قندیل او سراج علی قبر ولا یجوز وقفہ ونذرہ۔

یعنے اس مسئلہ پر سب علماء کا اجماع ہے کہ حرام ترین اور اسباب شرک کی چیزوں میں سے قبروں کے پاس نماز پڑھنا ہے یا ان پر مسجدیں بنانا یا عمارتیں تعمیر کرنا ہے واجب ہے کہ اونچی قبروں کو اور جو ان پر قبے ہیں ان کو گرا دیا جائے۔ کیونکہ یہ مسجد ضرار سے بھی زیادہ مضر اور نقصان دہ ہیں۔ کیونکہ یہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی میں تعمیر کیے گئے ہیں۔ آپ نے تو اونچی قبروں کو ڈھانے کا حکم دیا ہے الی آخر ما قال۔ لالٹین یا چراغ جو قبر پر ہو اس کا ہٹانا بھی ضروری ہے اور ان کا وقف جائز نہ ان کی نذر۔ ابن تیمیہؒ نے تلخیص کتاب الاستغاثہ ص۲۰۱ میں بھی اسی کے قریب کہا ہے مردوں کی قبروں پہ قبے بنانا تو بجائے خود رہے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے تو زندوں پہ بھی قبہ بنانا پسند نہیں فرمایا۔

چنانچہ مشکوٰۃ ص۴۰۲ میں حضرت انس رضے اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم ایک روز نکلے اور ہم آپؐ کے ساتھ تھے فرأی قبۃ مشرفۃ پس آپ نے ایک اونچا قبہ (گنبد) دیکھا فقال ما ہذہ؟ آپ نے پوچھا یہ کیا؟ قال اصحابہ ہذہ لفلان رجل من الانصار۔ صحابہؓ نے عرض کی کہ یہ فلاں انصاری کا ہے فسکت پھر آپؐ خاموش رہے اور اس بات کو دل میں رکھا حتی لما جاء صاحبہا فسلم علیہ فی الناس فاعرض عنہ۔ پھر جب مالک مکان نے آکر آپ کو بھری مجلس میں السلام علیکم کہا تو آپؐ نے منہ پھیر لیا الی آخر الحدیث۔ الحکل آگے آتا ہے کہ جب اس شخص نے قبہ گرا دیا تب آپؐ اس سے راضی ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء نے قبوں کے گرانے کا حکم دیا اور روح المعانی ص۲۲۰ میں ہے۔ وقد افتی جمع بہدم کل ما بقرافۃ مصر من الابنیۃ حتی قبۃ الامام الشافعی علیہ الرحمۃ التی بناہا بعض الملوک وینبغی لکل احد ہدم ذالک

مالم یخش منہ مفسدۃ۔

یعنے علماء کی بہت بڑی جماعت نے ان تمام عمارتوں کے گرانے کا حکم دیا جو مصر میں تھیں حتےٰ کہ امام شافعی علیہ الرحمۃ کا قبہ جو کسی بادشاہ نے بنایا تھا اور ہر کسی کو گرانا مناسب ہے جب تک خطرہ کے فساد کا نہ ہو۔

دبل الغمام میں شوکانی نے کہا تھا: اقبح ما ابتدعہ الجہلۃ من زخرفۃ القبور وتشیید ہا وما اسرع ما خالفوا وصیۃ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم عند موتہ فجعلوا قبرہ علے ہذہ الصفۃ التی ہو علیہا الآن وقد شد من عضد ہذہ البدعۃ۔

اسی طرح فتح المجید ص۲۲۱ میں ہے فان ہدم القباب التی صارت اعظم ذریعۃ الشرک والالحاد واکبر وسیلۃ الی ہدم الاسلام۔

اسی لیے کبیری ص۵۵۳ اور رد المختار ج۱ ص۹۲۲ میں کہا عن ابی حنیفۃ یکرہ ان یبنی علیہ بناء من بیت او قبۃ او نحو ذالک۔

یعنے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالٰے علیہ سے مروی ہے کہ کوٹھا یا قبہ یا اس قسم کی عمارت قبر پہ بنانا مکروہ ہے۔

## روضہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات حسرت آیات حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے حجرہ مبارکہ کے اندر ہوئی اور حضرت امام اعظم خلیفہ اول ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا سمعت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یقول ما دفن نبی قط الا فی مکانہ الذی توفی فیہ۔ (موطا امام مالک ص۸۰ شمائل ترمذی ص۲۸)

میں نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ نبی صرف اسی جگہ دفن کیا جاتا ہے جس جگہ ان کی وفات ہو۔

راوی کہتا ہے فخطوا لہ فیہ (امام مالک شمائل) سو اسی جگہ آپ کی قبر کھودی گئی۔ تو آپ کی قبر مکان کے اندر بنائی گئی نہ کہ قبر کے ارد گرد بعد میں سقف و مکان تعمیر

کیا گیا تھا۔ ساڑھے پانچ سو سال تک یہی صورت حال رہی پھر ایک المناک واقعہ پیش آیا جس کو دیکھ کر سلطان نور الدین شہید محمود بن زنگی نے ۵۵۷ھ میں حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے گرد نہایت گہری دیوار میں سیسہ اور رانگ گلا کر اُسے بھر دیا اور مضبوط دیوار قائم کی (جذب القلوب الی دیار المحبوب صفحہ ۹۶)

مگر یہ قبہ نہ تھا پھر حسب قول صاحب وفاء الوفا تاریخ مدینہ ۶۷۸ھ میں ملک منصور سلطان قلاؤن صالحی نے یہ گنبد خضراء (قبہ) جو کہ اب موجود ہے بنوایا تو یہ خاصہ ہے انبیاء کا۔ جن پر دوسروں کو قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے بلکہ دوسرے اولیاء ومشایخ کی قبروں پر گنبد اور قبے بنانے میں اولیاء و مشائخ کو انبیاء کا مقام دینا ہے۔ اسی طرح انبیاء کی خصوصیت نہ رہنے کی وجہ سے انبیاء کرام علیہم السلام کی توہین لازم آتی ہے۔ نعوذ باللہ من سوء الادب والخصوصیات لایقاس علیہا ص ۲۶ زواجر)

## قبروں پر چادریں ڈالنا

رد المحتار ص ۶۶۲ میں المجتبیٰ کے حوالہ سے لکھا ہے یکرہ الستور علی القبور قبروں کو کپڑوں وغیرہ سے مستور کرنا مکروہ ہے اور تنقیح فتاوٰے حامدیہ ص ۳۳ مصر میں ہے۔

وضع الستور والعمائم والثیاب علی قبور الصالحین والاولیاء کرہہ الفقہاء۔

یعنے ستر پگڑیوں اور کپڑوں کا نیکوں اور اولیاء کی قبور پر رکھنے کو فقہاء نے مکروہ کہا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضے اللہ تعالےٰ عنہا سے مروی ہے کہ ان اللہ لم یامرنا فیما رزقنا ان نکسوا الحجارۃ واللبن (ابوداؤد) ص ۲۱۹

یعنے اللہ تعالےٰ نے ہمیں پتھروں اور اینٹوں کو لباس پہنانے کا حکم نہیں دیا۔

جب حیطان وغیرہ کا ڈھانکنا مکروہ ہے باوجودیکہ اس میں کسی قدر حاجت بھی ہے تو قبور میں تو بدرجہ اولیٰ اشد درجہ کی کراہت ہوگی کیونکہ اس میں معتد بہ حاجت نہیں۔

مصنف عبد الرزاق ص ۵۰۲ میں ہے نہی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم عن تجلیلہا

بعض علماء نے تکلیل کے یہ معنے بھی کیے ہیں عزب الکلۃ علیہا وہی ستر ورلج بضرب علی القبور- یعنے قبور پر باریک پردہ تانا اور ہروی نے کہا ہو ستر رقیق یخاط کالبیت یوتی فیہ من الحق۔

زاد اللبیب صفحہ میں ترغیب الصلوۃ کے حوالے لکھا ہے کہ قبر کی لپائی نہ کرنی چاہیئے نہ گچ اور سفید اور قبر کے سر پر چھت اور گنبد بھی نہ کرنی چاہیئے ...... اور قبر کو جامہ پہنانا بھی اسی طرح منع ہے۔

زاد اللبیب صفحہ میں خزانۃ الجلالی کے حوالہ سے لکھا ہے یہ جو تیسرے روز قبر کو کپڑے سے ڈھکتے ہیں اور پھول پتیاں اور شربت میوہ لے جاکر قبرستان میں کھاتے ہیں یہ سخت دلی کی دلیل اور مکروہ ہے۔

شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ نے فتاوے عزیزی صفحہ ۹۶،۹۵ میں لکھا ہے "چادر پوشانیدن بر قبر حرکت لغو است نباید کرد۔ در حدیث شریف وارد است کہ نہی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان تکسوا الحجارۃ والطین۔ یعنے قبر پر چادر غلاف چڑھانا بے ہودہ حرکت ہے۔ نہ کرنا چاہیئے۔ حدیث شریف میں ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ تم پتھروں اور گارے مٹی پر کپڑا چڑھاؤ۔

## قبروں پر پھول

خیر القرون میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ اولیاء کی قبور پر پھول چڑھائے گئے ہوں یا چادریں۔

فتاوے قرطبیہ میں ہے لا یوضع الورد والریاحین علی القبور لانہ من باب الزینۃ (تفہیم المسائل صفحہ)

یعنے گلاب یا دوسرے خوشبودار پھول قبروں پر نہ رکھے جائیں کیونکہ یہ زینت کے باب سے ہے۔

مفید المومنین میں ہے وضع الورد والریاحین علی القبور بدعۃ۔ پھول گلاب اور دوسرے

خوشبودار پھولوں کا قبروں پہ رکھنا بدعت ہے۔ (تفہیم المسائل صفحہ ۳۰)

منہاج العارفین میں ہے۔ یکرہ وضع الورد علی القبور۔ قبروں پر پھول گلاب رکھنا مکروہ ہے (//)

عینی شرح بخاری صفحہ ۲۹۳ میں ہے مایفعلہ اکثر الناس من وضع ما فیہ الرطوبۃ من الریاحین والبقول علی القبور لیس بشیء۔ جو لوگ تری والی چیز مثلاً خوشبودار پھول اور سبزے قبور پر رکھتے ہیں یہ کوئی مشروع چیز نہیں ہے۔ تفہیم المسائل صفحہ ۳۰)

اور کہا ان الذی ینفع اصحاب القبور انما ہو الاعمال الصالحۃ۔

یعنی قبروں پہ پھول اور سبزہ ڈالنے کا کوئی فائدہ نہیں) قبر والوں کو تو ان کے اپنے نیک عمل ہی کا فائدہ ہو سکتا ہے اور بس:۔ (تفہیم المسائل) صفحہ ۳۰)

اور جریدتین کی روایت جو پیش کی جاتی ہے سو یہ اس بات کی دلیل نہیں بن سکتی کہ پھول ڈالنے اس حدیث کی رو سے جائز ہو جائے ورنہ اعلم الناس صحابہ کرام ضرور اس پر عمل کرتے کیونکہ وہ کسی کارِ خیر میں کسی سے پیچھے نہیں رہتے تھے

نیز یہ ٹہنیاں مخصوص ان درختوں کی تھیں جو بطور معجزہ کے آپ کے پاس چل کر آئے تھے اور پھر اپنے اپنے مقام پہ چلے گئے تھے۔ جیسے مسلم صفحہ ۴۱۸ میں بالتصریح موجود ہے نیز خطابی نے اس استدلال کی تردید فرمائی ہے جیسے امام نوویؒ نے شرح مسلم صفحہ ۱۴۱ میں فرمایا۔

وقد انکر الخطابی ما یفعلہ الناس علی القبور من الاخواص ونحوہا متعلقین بہذا الحدیث وقال لا اصل لہ و لا وجہ لہ۔

یعنی جو لوگ اس حدیث سے دلیل لے کر کھجور کے پتے وغیرہ قبروں پہ رکھتے ہیں یہ بے اصل بات ہے اور اس کے جواز کی کوئی وجہ نہیں ہے اور محمد بن طاہر فتنیؒ نے بھی مجمع البحار صفحہ ۲۹ میں فرمایا ولیس فی الجریدۃ معنی یخصہ یعنی چھڑی میں کوئی خصوصیت نہیں۔

ابن ملکؒ نے شرح مصابیح میں لکھا ہے لیس تخفیف العذاب بخاصیۃ الجریدۃ الرطبۃ لان الجمادات کالکعبۃ والمساجد لم یثبت نفع فی تفضیل الرطب علی الیابس۔"

یعنے عذاب کی تخصیص تخفیف سبز چھڑی کی وجہ سے نہ تھی کیونکہ کوئی ایسی نص ثابت
نہیں ہوئی کہ جس کو سبز سے خشک کی بزرگی ثابت ہو اور جمادات میں تو کعبہ شریف بھی ہے
اور مسجدیں بھی ہیں (کیا ان کی شان ہری شاخ سے کم ہے)
تورپشتیؒ نے شرح مصابیح میں فرمایا۔ وقول من قال وجہ ذالک ان الغصن الرطب
یُسبّح اللہ تعالٰے مادام فیہ الرطوبۃ فیکون مُجیرًا عن عذاب القبر لاطائل تحتہ ولا عبرۃ بہ عند
اہل العلم۔ یعنے جو لوگ یہ وجہ بتاتے ہیں کہ ہری شاخ میں جب تک رطوبت رہیگی اللہ
تعالٰے کی تسبیح پڑھتی رہے گی اس وجہ سے میت عذاب قبر سے بچا رہے گا سو یہ اُن
لوگوں کی توجیہ بے سود ہے اور نہ ہی اہل علم کے نزدیک اس توجیہ کا اعتبار ہے۔
دراصل حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے شفاعت کی تھی جس کی قبولیت کا وعدہ ہوگیا
کہ ہری شاخوں کے خشک ہونے سے پہلے ہی ان پر سے عذاب کی تخفیف ہوجائے گی
اور یہ تخفیف عذاب بشفاعت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے سبب سے ہوئی نہ ہری
شاخوں کی تسبیح کی وجہ سے چنانچہ خود یہ وجہ مسلم صلہ؟ میں مذکور ہے
قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم انی مررت بقبرین یعذبان فاحببت بشفاعتی
ان یرفّہ ذالک عنہما مادام الغصنان رطبین۔
یعنے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں دو قبروں کے پاس سے گزرا۔
جن کو عذاب ہو رہا تھا تو میری شفاعت کی وجہ سے میری دُعا یوں قبول ہوئی کہ یہ دو سبز
شاخیں ابھی سبز ہی ہوں گی کہ ان سے عذاب ہلکا ہوجائے گا۔
یہی مفہوم علامہ امام ابوزکریا محی الدین یحییٰ نوویؒ نے ابن عباسؓ کی حدیث کے تحت
لکھا ہے۔ واما وضعہ صلے اللہ علیہ وسلم علی القبر فقال العلماء محمول علی انہ صلے اللہ
علیہ وسلم سأل الشفاعۃ لہما فاجیبت شفاعتہ بالتخفیف عنہما الی ان ییبسا وقد ذکر
مسلمؒ فی اٰخر ہذا الکتاب فی الحدیث الطویل۔ حدیث جابرؓ فی صاحبی القبرین فاُجیبت
بشفاعتی ان یرفہ ذالک عنہما مادام الغصنان رطبین (صفحہ ۴۱۴ نووی مسلم)
اسی طرح تورپشتیؒ، ابن الحاجؒ وعینیؒ وخفتی؟ نے کہا کہ یہ تخفیف عذاب مخصوص ان

ان کے لیے تھا۔ آپؐ کے دست مبارک کی برکت سے جو خدا نے اس میں ڈالی تھی۔ ورنہ تو اصحاب قبور کو نفع وہ چیز اُن کے اعمال صالحہ ہیں نہ سبز شاخیں نہ پھول نہ سبزہ کوئی اور چیز۔

اب رہی بریدہؓ کی وصیت سو اُس کا جواب قسطلانی نے دیا ہے کہ حضرت بریدہؓ نے اپنے فہم کے مطابق حدیث مذکور کو عام سمجھا خاص نہ سمجھا (لیکن قاعدہ ہے کہ فہم راوی حجت نہیں ہوتا)۔

نیز یہ فعل حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا واقعہ جزئیہ ہے سنت نہیں بن سکتا۔ جیسے ملا علی قاری نے فتوے بعض آئمہ متاخرین اصحاب کا شرح مشکوٰۃ صفحہ ۳۲ میں نقل فرمایا ہے کیونکہ سنت کی تعریف ہے ہی الطریقۃ المسلوکۃ فی الدین۔ یعنی سنت نام ہے اس طریقہ کا جو دین میں مروج ہو اگر مروج نہ ہو ایکے دُکے عمل سے وہ سنت نہیں بنتا۔ اسی لیے صاحب ہدایہ نے صفحہ ۱۵۶ میں جماعت استسقا میں فرمایا فعلہ مرۃ وترکہ اخری فلم یکن سنۃ۔ یعنے چونکہ حضورؐ نے ایک دفعہ کیا ایک دفعہ نہیں کیا لہٰذا سنت نہ ہوگا۔

اسی طرح ساری زندگی میں حضرت نے ایک دفعہ دو قبروں پر یہ عمل کیا ان کے علاوہ سینکڑوں ہزاروں کی تعداد میں آپؐ کی حیاتِ طیبہ میں لوگ فوت ہوئے مگر آپ نے یہ عمل کسی قبر پر نہیں کیا باوجودیکہ آپ سے بڑھ کر کوئی شفیق نہ تھا۔ پس اس معمول نبوی سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ قبر پر سبز شاخ وغیرہ نہ رکھنا سنت ہے اور رکھنا مکروہ ہے جیسے علماء نے لکھا ہے۔

## قبر پر سجدہ

قبر ہو یا کوئی اور چیز غیر اللہ کو سجدہ کرنا بالاتفاق حرام ہے خواہ سجدہ عبادت کا ہو یا سجدۂ تحیہ فرق صرف اتنا ہے کہ سجدۂ عبادت غیر اللہ کے آگے کفر ہے اور سجدہ تحیۃ حرام ہے نہ کفر۔

مشکوٰۃ ص۲۸۳ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مہاجروانصار کی جماعت میں تشریف فرماتھے کہ اونٹ آیا اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کیا تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے عرض کی یارسول اللہ چوپائے اور درخت آپ کو سجدہ کرتے ہیں اس لیے ہم آپکے آگے سجدہ کرنے میں احق ہیں۔ (یہ صحابہ کا قیاس تھا) تو آپ نے فرمایا عبادت تو صرف اپنے رب کی کرو۔ (معلوم ہوا کہ سجدہ عبادت ہے) اور اپنے بھائی کی (یعنی میری) عزت کرو۔

شیخ عبدالحق محقق ومحدث دہلوی نے لمعات میں فرمایا کہ یہ لفظ تواضع کے طور پر آپنے یہ تنبیہ کرنے کے لیے فرمایا کہ میں بھی سجدہ جائز نہ ہونے اور قابل عبادت نہ ہونے میں انہی جیسا انسان ہوں (لمعات لہ ص۲۸۳ مشکوٰۃ شریف)

مشکوٰۃ ص۲۸۲ میں حضرت قیس بن سعدؓ نے فرمایا کہ میں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کی۔ کہ میں نے ملک حیرہ میں جاکر لوگوں کو دیکھا کہ اپنے چوہدری کے آگے سجدہ کرتے ہیں اس لیے یارسول اللہ۔ آپ کے آگے سجدہ کرنا بہت ہی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ بتا کہ اگر تو میری قبر پر گذریگا تو میری قبر پر سجدہ کرے گا؟ میں نے عرض کی۔ جی نہیں۔ ا تو آپؐ نے فرمایا پھر تو تم (اب بھی) سجدہ نہ کرو۔ کیونکہ اگر میں کسی غیراللہ کے آگے سجدہ کرنے کا حکم کرتا تو میں عورتوں کو حکم کرتا کہ تم اپنے خاوندوں کو سجدہ کرو۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ نے مردوں کا عورتوں پر بہت بڑا حق مقرر فرمایا ہے۔

## قبر کو ہاتھ لگانا اور بوسہ دینا

قبر کو ہاتھ لگانا اور بوسہ دینا بھی منع ہے حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ نے اپنی کتاب غنیۃ الطالبین ص۲۸ میں لکھا ہے "واذا زار قبرا لایضع یدہ علیہ ولا یقبلہ فانہ عادۃ الیہود" یعنے جب کوئی قبر کی زیارت کرے تو نہ قبر پر ہاتھ رکھے اور نہ قبر کو بوسہ دے کیونکہ قبر کو ہاتھ لگانا اور بوسہ دینا یہود کی عادت ہے۔

اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ خالفوا ہم (مشکوٰۃ ص۱۴۷ ص۳۸) یعنے یہود کی

کی مخالفت کیا کرو۔

مجموعہ خوانی صفحہ ۱۲۱ میں مضمرات سے نقل ہے کہ قبر کو بوسہ نہ دینا چاہیئے کیونکہ یہ نصاریٰ کی عادت ہے اور صفحہ ۱۲۱ میں ہے کہ ہاتھ بھی قبر پر نہ رکھنا چاہیئے۔ کیونکہ مکہ شریف کے علماء نے اسے مکروہ کہا ہے۔

ملا علی قاری کی المسلک المتقسط صفحہ ۳۴۶ میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی قبر پر زیارت کے آداب بیان کرتے ہوئے فرمایا زیارت کرتے وقت دیوار کو ہاتھ نہ لگائے کیونکہ بے ادبی ہے۔ اسی طرح بوسہ بھی نہ دے کیونکہ بوسہ اور استلام کعبہ کے بعض ارکان (اور حجر اسود) کا خاصہ ہے اور اپنا پیٹ (اور جسم کا کوئی حصہ بھی) ساتھ نہ لگائے اور روضہ شریف کے ارد گرد طواف بھی نہ کرے۔ کیونکہ طواف خانہ کعبہ کے ساتھ مخصوص ہے اسی لیئے انبیاء اور اولیاء کی قبور کے گرد طواف حرام ہے۔ اور عوام جاہلوں کے فعل کا کچھ اعتبار نہیں اگرچہ مشایخ اور علماء کی شکل میں ہوں۔ اور قبر کے سامنے ٹیڑھا بھی نہ ہو اور نہ زمین کو بوسہ دے کیونکہ یہ سب کام بدعت اور مکروہ ہیں اور سجدہ کے حرام ہونے میں تو کچھ شک ہی نہیں اس لیے جاہلوں کے فعل کو دیکھ کر دھوکہ میں نہ آئیں بلکہ علماء عاملین کی پیروی کرنی ضروری ہے۔

فتاوےٰ برہنہ صفحہ ۳۶۴ میں ہے قبر کو بوسہ نہ دیوے کہ نصاریٰ کی عادت ہے اور ہاتھ بھی اس پر نہ رکھے کہ مشائخ مکہ مکروہ کہتے ہیں۔

امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے لا یمس القبر ولا یقبلہ کہ قبر کو نہ ہاتھ لگائے نہ بوسہ دے۔

مناوی نے شرح جامع صغیر میں کہا لکن لا یمس القبر ولا یقبلہ فانہ عادۃ النصاریٰ ہے دوسری جگہ کہا۔ کنت نھیتکم عن زیارۃ القبور فزوروھا یعنے بشرطیکہ قبر کو نہ مسح کرے نہ چومے کیونکہ یہ بدعۃ منکرہ ہے۔ جیسے سبکی رحمۃ اللہ نے فرمایا۔

شجرۃ الایمان میں ہے کہ جو قبرستان میں کچھ کھا دے یا پیئے یا سوئے یا قبر کو بوسہ دے یا سجدہ کرے یا ۔۱۱۔ ۲ ۔ جلاوے تو یہ سب کام مکروہ تحریمی ہیں۔

ترجمہ مشکوٰۃ میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے لکھا کہ قبر کو ہاتھ کے ساتھ مسح نہ کرے
اور نہ اس کو بوسہ دے اور نہ جھکے اور نہ مٹی سے بھی نہ ملے کیونکہ عادت ہے نصارٰی کی۔
کشف الغطاء میں شیخ الاسلام نے کہا کہ قبر پر ہاتھ نہ رکھے نہ اس کو مسح کرے نہ بوسہ
دے نہ جھکے نہ منہ پر مٹی ملے کیونکہ عادت نصارٰی کی ہے اور مشائخ ان امور کے منع کرنے
میں بڑی سختی کرتے ہیں اسی طرح فقہ کی اکثر کتابوں میں ہے لیکن فقیہ ابوالیث نے کہا ہے
کہ قبر پر ہاتھ رکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور حافظ ابو موسیٰ فرماتے ہیں کہ جمہور فقہاء
جو منع فرماتے ہیں وہی صحیح ہے زعفرانی نے فرمایا یہی مستند بات ہے اور آج کل جو عوام
کرتے ہیں یہ شرعاً بدعات منکرہ سے ہے۔
حاصل ایسے امور کے بدعت زائدہ بے فائدہ ہونے میں کچھ شک نہیں اور صالحین
کی تعظیم کا ان چیزوں کے ساتھ کچھ تعلق نہیں ہے جیسا کہ جاہل لوگ سمجھتے ہیں۔
(مائۃ مسائل ص۱۲۲ و ص۱۲۳)

شیخ امام علی بن ابی اسحٰق بن منصور نیشاپوریؒ فرماتے ہیں۔ لا یجوز ان یدور الرجل
حول ضرائح الاولیاء الکرام تقرباً الیہم ولا یمس القبر ولا یقبلہ والاستعانۃ بہم غیر مستحبۃ
بالاجماع (تفہیم المسائل ص۸ بحوالہ مقصد ثانی کتاب کاشف الاسرار)
یعنے اولیاء کرام کا قرب حاصل کرنے کے لیے ان کی قبروں کے گرد گھومنا (طواف کرنا)
ناجائز ہے اور نہ قبر کو ہاتھ لگائے نہ اس کو بوسہ دے اور اولیاء کرام سے مدد مانگنا بھی
بالاجماع مستحسن نہیں۔
ابو کمال ادریس بن ابراہیم بن عیاض نے لباب کبیر میں باب الادب کے آخر میں لکھا
رأیت الشیخ الامام الاجل ابا القاسم منصور بن علی البخاری فی مقبرۃ سیدابی محمد عبدالقادر
الجیلانی طاب اللہ ثراہ رأی رجلاً یخنی مستقبلاً ویقبل الارض بمرقد السید طاب مضجعہ
ویقول یاسیدی خذ بیدی الی حضرۃ اللہ تعالیٰ فمرّ الشیخ من بین یدیہ فقال الرجل
یا ایہا الشیخ السلام علیک فرد السلام فقال انک مبتدع قولاً وفعلاً فاما قولک ہذا لا یرضی
من اصحاب النبی صلے اللہ علیہ وسلم واما فعلک تقبیل الارض اقرب الی السجدۃ قبیح

فقلت أكفر ان كانت السجدة على وجه التحية؟ فقال ان كانت على وجه العبادة فلا
شك انها كفر وان كانت على وجه التحية لا يكفر ولكن يصير مرتكباً للكبيرة (تفهيم المسائل صـ)

یعنی ابو کمال فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ منصور کو شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے مقبرہ میں
دیکھا کہ انہوں نے سید صاحب کے مرقد پر ایک آدمی کو اس مرقد کی طرف منہ کر کے جھکا
ہوا دیکھا اور وہ زمین کو بوسہ دے رہا تھا اور یہ کہہ رہا تھا اے میرے سید! میرا ہاتھ پکڑ
کر خدا کی بارگاہ کی طرف لے چل۔ اس کے بعد شیخ صاحب جو اس کے آگے سے گذرے
تو اس آدمی نے کہا شیخ صاحب! السلام علیکم۔ شیخ صاحب نے سلام کا جواب
دے کر فرمایا تو بات کے لحاظ سے بھی بدبختی ہے اور فعل کے لحاظ سے بھی قول کے لحاظ سے
تو یوں کہ ایسی بات نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے مروی نہیں اور فعل
کے لحاظ سے یوں کہ تیرا زمین بوسی کرنا جو سجدہ کے قریب
ہو جاتی ہے قبیح امر ہے۔

میں نے عرض کی کیا زمین بوسی کفر ہے؟

"تو آپ نے فرمایا اگر بطور عبادت کے ہو تب تو اس کے کفر ہونے میں کچھ شک
نہیں اور اگر بطور تحیۃ کے ہو تو کافر نہیں ہوتا مگر گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوتا ہے۔

(تفہیم المسائل صـ)

## قبر پر ذبح حیوانات

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے مکتوبات کے مکتوب ۴۱ دفتر سوم صـ
میں لکھا ہے "وحیوانات را کہ نذر مشائخ می کنند و بر سر قبر ہائے ایشاں رفتہ آں
حیوانات را ذبح می نمایند در روایات فقہیہ ایں عمل را داخل شرک ساختہ اند
و دریں باب مبالغہ نمودہ و ایں ذبح را از جنس ذبائح جن انگاشتہ اند کہ ممنوع
شرعی است و داخل شرک، ازیں عمل نیز اجتناب باید نمود کہ شائبہ شرک دارد چہ
در کار است کہ نذر ذبح حیوان کنند و ارتکاب ذبح آں نمایند و بذبائح جن ملحق

سا بزنی و تنہ بہ اجہہ و یعنی پیدا کی نذر۔

خلاصہ مطلب اس کا یہ ہے کہ جو لوگ جانور مشایخ کی نذر کرکے ان کی قبروں کے پاس لے جاکر انہیں ذبح کرتے ہیں۔ یہ ذبائح جن کے قبیلہ سے داخل شرک اور شرعاً حرام ہیں۔ ایسے عمل سے بچنا چاہیئے کہ اس میں جنّوں کے بچاریوں کے ساتھ تشبّہ ہے۔

ابو داؤد صفحہ ۱۰۲ میں ہے

عن انس قال قال رسول اللّٰہ صلے اللہ علیہ وسلم لا عقر فی الاسلام قال عبدالرزاق کانوا یعقرون عند القبر۔ یعنے حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام میں عقر نہیں۔ عبدالرزاق فرماتے ہیں کہ مشرکوں کی عادت تھی کہ قبروں کے پاس گائے بکری وغیرہ لیجاکر ذبح کرتے تھے۔

طحطاوی نے شرح مراقی الفلاح صفحہ ۳۷۲ میں کہا۔

قال ابن الاثیر ہذا نفی لعادۃ الجاہلیۃ تحذیرا منہا فانہم کانوا یعقرون الابل علی قبور الموتی و یقولون انہ کان یعقر ہا للاضیاف فی حیاتہ فیکافا بذالک بعد موتہ۔

یعنے ابن اثیر فرماتے ہیں کہ یہ جاہلیت کی عادت کی نفی ہے اور اس عادت سے لوگوں کو بچانا منظور ہے۔ کیونکہ وہ لوگ مردوں کی قبروں پر اونٹ ذبح کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ میت اپنی زندگی میں مہمانوں کی خاطر اونٹ وغیرہ ذبح کرتا تھا اس لیئے اب اس ذریعہ سے اس کو برابر کا بدلہ دیا جاتا ہے۔

تجہیز الجنازہ صفحہ ۱۱۹ میں ہے فی التحفۃ من کنز العباد لا یجوز ذبح الغنم والبقر عند القبور لقولہ علیہ السّلام لا عقر فی الاسلام ملے لا یجوز ذبح البقر والغنم عند القبور یعنے تحفہ میں کنز العباد سے لکھا ہے کہ عند القبور گائے اور بھیڑ بکری کا ذبح کرنا منع ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔

جواہر النفیس صفحہ ۱۸۱ میں بھی ہے۔ لا یجوز ذبح الغنم فی الاسلام عند القبور کذا فی

سنن ابی داؤد۔ اسی طرح نور الایمان صفحہ مؤلفہ مولانا عبد العلیم صاحب مرحوم میں بذل المجہود صفحہ ۲ میں ہے قال الخطابی کان اہل الجاہلیۃ یعقرون الابل علی قبر الرجل الجواد و یقولون نجازیہ علی فعلہ لانہ کان یعقرہا فی حیاتہ ویطعمہا اضیافہ فنحن نعقرہا عند قبرہ لتاکل السباع والطیر فیکون من بعد موتہ مطعما کما کان فی حیاتہ ۔ قال الشاعر۔

عقرت علی قبر النجاشی ناقتی ۔۔۔ بابیض عضب اخلصتہ صیاقلہ

علی قبر من لو اننی مت قبلہ ۔۔۔ لہانت علیہ عند قبری رواحلہ

ومنہم من کان یذہب فی ذالک الی انہ اذا عقرت راحلتہ عند قبرہ حشر راکبا ومن لم یعقر عند قبرہ حشر راجلا وکان ہذا علی مذہب من یری البعث منہم بعد الموت یعنی خطابی نے کہا ہے کہ جاہلیت کے دور میں لوگ سخی مرد کی قبر پر اونٹ ذبح کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم اس کے کام کا بدلہ دیتے ہیں جو زندگی میں اونٹ ذبح کر کے مہمانوں کو کھلاتا تھا۔ اب ہم اس کی قبر پر اونٹ ذبح کرتے ہیں تاکہ اسے درندے اور پرندے کھائیں پس وہ مرنے کے بعد بھی کھانا کھلانے والا ہو جیسے زندگی میں تھا شاعر نے کہا ہے

میں نے نجاشی کی قبر پر اپنی ایسی کاٹنے والی سفید تلوار کے ساتھ اونٹنی ذبح کی جو صیقل شدہ تھی ایسے شخص کی قبر پر (ذبح کی) کہ اگر میں اس سے پہلے فوت ہو جاتا تو اس کی سواریاں میرے قبر کے پاس ذلیل ہوتی (یعنی وہ قیمتی سواریاں میری قبر پر ذبح کرتا) اور جاہلیت کے دور میں بعض کا یہ خیال تھا کہ جس کی قبر کے پاس اونٹنی ذبح کی جائے تو وہ قیامت کو سوار ہو کر اُٹھے گا اور جس کی قبر کے پاس اونٹنی ذبح نہ کی جائے تو وہ پیدل اُٹھے گا اور یہ خیال اُن لوگوں کا تھا جو قیامت کے قائل تھے۔

# قبر والے سے مانگنا

میت کو دفن کرنے سے پہلے اس پر نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے جس میں مطابق فرمانِ نبوی۔ إِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَى الْمَيِّتِ فَأَخْلِصُوا لَهُ الدُّعَاءَ یعنے جب میت پر نماز جنازہ پڑھنے لگو تو جنازہ کی نماز کے اندر اس کے حق میں بڑے خلوص سے دعا مانگا کرو، اگرچہ وہ میت ولی ہو یا صدیق یا شہید یا صالح یا فاسق یا بدکار، چور، زانی، قاتل، ڈاکو، بشرطیکہ مسلمان ہو۔ مگر جب وہ زیر زمین دفن کر دیا جاتا ہے تو پھر بھی نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا یہی فرمان ہے کہ اس کے حق میں دعا کرو چنانچہ مشکوٰۃ ص۱۴۹ میں ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ذوالبجادین کو دفن فرماتے وقت رحمک اللہ فرمایا تھا اور مشکوٰۃ ص۲۶ میں ہے کہ امام عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب دفن میت سے فارغ ہو جاتے تھے تو اس قبر کے پاس کھڑے ہو کر فرماتے۔ اِسْتَغْفِرُوا لِأَخِيكُمْ یعنے اپنے بھائی کے لیے خدا سے بخشش مانگو۔ پھر اس کے حق میں دعا کرو کہ اللہ تعالے اس کو فرشتوں کے سوال کا جواب دیتے وقت ثابت اللسان رکھے اور صحیح صحیح جواب دے سکے۔ اور یہ دفن شدہ صحابی رسول اللہ کے ہوتے تھے رضی اللہ عنہم جو تمام اولیاء سے مرتبے میں بہت اونچے تھے۔ اب اس کے بالکل برعکس قبر والوں سے دعا مانگنے میں حالانکہ غائبانہ پکار حاجات میں مخصوص اللہ کی ذات کے ساتھ ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ نے مالابدمنہ ص۸۸ میں لکھا اولیاء کی قبروں پر سجدہ کرنا اور طواف کرنا اور اُن سے دعا مانگنا اور ان کے لیے نذر قبول کرنا حرام ہے بلکہ بعض چیزیں کفر تک پہنچا دیتی ہیں۔

شجرۃ الایمان میں ہے۔ قبر کو سجدہ کرنا۔ بوسہ دینا۔ اس پر ہاتھ ملنا، طواف کرنا، قبر والے سے حاجت مانگنا اور قبرستان میں چراغ جلانے یہ سب مکروہ تحریمی ہیں۔

(تفہیم المسائل ص۵۶)

مجمع البحار صـ۲۳ـ میں ہے۔ من قصد لزیارۃ قبور الانبیاء و الاولیاء و الصلحاء ان یصلی عند قبورہم و یدعو عندہا و یسئلہم الحوائج فہذا لا یجوز عند احد من علماء المسلمین فان العبادۃ و طلب الحوائج و الاستغاثۃ حق للہ وحدہ۔

یعنی انبیاء اور صلحاء کی قبروں کی زیارت اس ارادہ سے کرنا کہ ان کی قبروں کے پاس نماز پڑھے اور وہاں دعا مانگے اور ان سے حاجتیں مرادیں مانگے یہ مسلمانوں کے علماء میں سے کسی ایک عالم کے نزدیک بھی جائز نہیں کیونکہ عبادت یعنی حاجتیں مرادیں مانگنا اور مددیں مانگنا صرف اللہ وحدہٗ کا حق ہے (کہ اُسی سے حاجتیں مرادیں مددیں مانگی جائیں)

مدارج العالمین میں ہے من اقبح العقائد طلب الحاجۃ من الموتی و الاستعانۃ بہم فان المیت لا یملک بنفسہ نفعا و لا ضرا و ہو احوج الناس الی الاحیاء للدعاء و الاستغفار و الصدقۃ علی نہج الشریعۃ (تفہیم المسائل صـ۱ـ)

یعنے قبیح ترین عقیدوں میں سے ایک عقیدہ قبیحہ مُردوں سے حاجت مراد مانگنا اور امدادیں مانگنا ہے کیونکہ میت تو اپنے نفع و نقصان کا بھی مالک نہیں (چہ جائیکہ دوسرے کی حاجت پُوری کرے اور اُس کی مدد کرے) میت تو دوسرے لوگوں سے زیادہ زندوں کا محتاج ہے کہ زندے اس کے حق میں دعا کریں اور خدا سے اس کے خطاؤں کی پردہ پوشی کا مطالبہ کریں اور صدقہ شرعی طریقے کے مطابق کر کے اس کا ثواب مُردے کو پہنچائیں۔

مجالس الطالبین میں ہے۔ من القبائح طلب الحاجۃ من الموتی و الاستعانۃ بہم و التوجہ الیہم لیشفعوا (تفہیم المسائل صـ۲ـ)

یعنے مُردوں سے مراد مانگنا اور ان سے امداد مانگنا اور ان کی طرف اس واسطے توجہ کرنا کہ یہ سفارش کریں عقائد قبیحہ میں سے ہے۔

تنبیہ الرام میں شیخ عیسیٰ بن قاسم سندھی رحمۃ اللہ نے کہا لا یجوز الاستعانۃ با ہل القبور و علیہ الجمہور (۲) یعنے قبر والوں سے امداد مانگنا ناجائز ہے اور جمہور علماء اسی مذہب پر ہیں۔

رشحِ سنتہ میں ملا عبد اللہ سمرقندیؒ (معاصر ملا علی قاریؒ) نے لکھا حرم الاستمداد بالقبور لکثیر من الفتور (۱) قبروں سے مدد لینا حرام ہے کیونکہ اس میں بہت سے نقصانات ہیں۔

احوال الآخرۃ میں قاضی عبدالرحمن صاحب تفسیر فتح الرحمن (معاصر صاحب ہدایہ) نے کہا ہے ۔ ویکرہ الاستعانۃ بالموتیٰ ۔ (۲) مرے ہوؤں سے مدد مانگنا کروہ امر ہے۔

روضۃ الہدایہ میں ابو العلاء قریشی سنبلیؒ نے کہا لا یجوز الاستعانۃ بالاولیاء والفضلاء بعد موتہم (۳) اولیاء اور صلحاء کی وفات کے بعد ان سے امداد مانگنا ناجائز ہے۔

ناسخ المسلمین میں ہے یکرہ الانتفاع بالمقبرۃ (۴) قبر والے سے نفع حاصل کرنا کروہ ہے

جذبۃ القلوب الی دیار المحبوب میں ہے کہ ابو محمد مالکی فرماتے ہیں قصدِ انتفاع بمیت بدعت است۔ مطالب المؤمنین میں ہے یکرہ الانتفاع بالقبر قبر سے نفع حاصل کرنا کروہ ہے۔

شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلویؒ نے فرمایا ارواحیکہ از ابدان مفارق شدہ اند تاثیر آنہا در عالم اصلاً در شرع نیامدہ ہم باعتبار فلسفہ تاثیر آنہا در عالم اصلاً درست نمی آید زیرا کہ فلاسفہ ارواحِ مفارقہ را یا مشغول بلذاتِ روحانی می دانند یا گرفتارِ آلامِ روحانی، آنہا را تصرف در امورِ عالم کجا۔ (تفہیم المسائل ص۲۳)

یعنے جو روحیں بدن سے جدا ہو جاتی ہیں جہان میں تاثیر کرنا ان کا شرع شریف میں بالکل نہیں آیا۔ اور فلسفہ کو دیکھیں تو تب بھی اُن کی تاثیر عالم میں اصلاً نہیں درست نہیں آتی۔ کیونکہ فلسفی لوگوں کا عقیدہ ہے کہ بدن سے جدا ہونے والے ارواح یا تو روحانی لذتوں میں مشغول ہوتی ہیں یا روحانی دکھوں میں مبتلا۔ تو ان حالات میں) امورِ عالم میں ان کا تصرف کرنا کجا رہا۔

شیخ امام اجل ابو صالح محمد بن ابراہیم شیرازیؒ نے فرمایا۔

مایقع فی بلاد العجم من فرش البُسُط وضرب الخیام عند مقبرۃ الاولیاء والکرام والعوام یستمدون بہم ویخشعون ویتضرعون الیہم فکلہ مکروہ والمکروہ اقرب الی الحرام (تفہیم المسائل بحوالہ نتائج الرام للسید عبد المشکور دولت آبادیؒ)

یعنی غالب عجم میں جو اولیاء کرام کے مقبروں کے پاس بچھونے بچھاتے اور خیمے لگاتے ہیں اور عوام ان اولیاء اللہ سے مدد مانگتے ہیں اور ان کے آگے خشوع و خضوع کرتے ہیں اور ان کے آگے گڑگڑاتے ہیں سو یہ سب مکروہ ہے حرام کے قریب۔

لمعات شرح مشکوٰۃ میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے لکھا ہے ولیس القادر والفاعل والمتصرف الا ھو اللہ تعالیٰ ....والاولیاء لا فعل لھم ولا قدرۃ لھم ولا تصرف لھم یعنی قادر علی الاطلاق اور فاعل مختار اور ہر چیز میں تصرف کرنے والا اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا اور کوئی نہیں: اور اولیاء اللہ کا نہ تو کوئی فعل ہے اور نہ کوئی قدرت ہے اور نہ ان کا کچھ تصرف ہے

روح المعانی جلد ۲۵ میں علامہ سید آلوسیؒ نے لکھا ہے من سخافۃ العقول ان الاولیاء یتصرفون بعد وفاتھم بنحو شفاء المریض و انقاذ الغریق والنصر علی الاعداء وغیر ذٰلک مما یکون فی عالم الکون والفساد علی معنی ان اللہ فوض الیھم ذٰلک ومنھم من خص ذٰلک بخمسۃ من الاولیاء والکل جھل یعنی یہ سمجھنا کم عقلی ہے کہ اولیاء کرام اپنی وفات کے بعد تصرف کرتے ہیں مثلاً بیمار کو شفاء دینا اور ڈوبتے کو بچانا اور دشمنوں سے روکنا اور اسی طرح اور ایسے کام ان کے علاوہ جو عالم کون و فساد میں ہوتے ہیں وہ سب اولیاء کرتے ہیں بایں معنے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کام اولیاء کرام کے سپرد کر دیئے ہیں اور بعض لوگ وہ ہیں جو پانچ اولیاء کے ساتھ ان چیزوں کو مخصوص سمجھتے ہیں۔ اور یہ سب جہالت ہے۔

الفتح الربانی ص ۱۰۲ میں شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ نے فرمایا اتبعوا ولا تبتدعوا وافقوا ولا تخالفوا واطیعوا ولا تعصوا اخلصوا ولا تشرکوا وحّدوا الحق وعن بابہ فلا تبرحوا سلوہ ولا تسئلوا غیرہٗ استعینوہ ولا تستعینوا بغیرہٖ توکلوا علیہ ولا توکلوا علی غیرہٖ یعنی خدا کے حکموں کی اتباع کرو اپنی طرف سے نئے حکم نہ نکالو۔ خدا کے حکموں کی موافقت کرو مخالفت نہ کرو خدا کا کہا مانو اس کی نافرمانی نہ کرو خالص اسی کو پکارو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اللہ تعالیٰ کی توحید کا عقیدہ رکھو اور اس کے دروازے سے تو ذرا بھی نہ ہٹو۔ اسی سے مانگو اور اس کے سوا کسی سے نہ مانگو۔ مدد بھی اسی سے مانگو اور اس کے سوا کسی سے مدد نہ مانگو۔ صرف اسی پر توکل رکھو اور اس کے سوا کسی پر توکل نہ رکھو۔

اور الفتح الربانی ص ۱۱۲ میں لکھا لَا تَسْأَلِ الْخَلْقَ شَيْئًا فَإِنَّهُمْ عَجَزَةٌ فُقَرَاءُ لَا يَمْلِكُونَ لِأَنْفُسِهِمْ وَلَا لِغَيْرِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا یعنی مخلوق سے کچھ نہ مانگ کیونکہ وہ سب عاجز و محتاج اور اپنا پرایا نفع و نقصان ان کے بس میں نہیں ہے۔

اور ص ۱۳۷ میں لکھا فَمَا يَمْلِكُ ضُرَّكَ وَلَا نَفْعَكَ وَلَا رِزْقَكَ غَيْرُ رَبِّكَ عَزَّ وَجَلَّ كُنْ أَبَدًا فِي طَاعَتِهِ یعنی تیرے رب عز و جل کے سوا کسی کے بس میں نہ تیرا نقصان ہے نہ تیرا فائدہ نہ تیری روزی۔ لہٰذا تو اسی کے کہنے میں رہ

اسی طرح حضرت سید عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ کی ساری تصنیف توحید سے پُر ہے۔

امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ ص ۴۹ میں باب اقسام الشرک میں مظانِ شرک بیان کرتے ہوئے فرمایا مِنْهَا أَنَّهُمْ كَانُوا يَسْتَعِينُونَ بِغَيْرِ اللّٰهِ فِي حَوَائِجِهِمْ مِنْ شِفَاءِ الْمَرِيضِ وَغِنَاءِ الْفَقِيرِ وَيَنْذُرُونَ لَهُمْ يَتَوَقَّعُونَ إِنْجَاحَ مَقَاصِدِهِمْ بِتِلْكَ النُّذُورِ وَيَتْلُونَ أَسْمَاءَهُمْ رَجَاءَ بَرَكَتِهَا فَأَوْجَبَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِمْ أَنْ يَقُولُوا فِي صَلٰوتِهِمْ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ وَقَالَ تَعَالٰى فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللّٰهِ أَحَدًا ؕ وليس المراد من الدعاء العبادة كما قال بعض المفسرين بل هو الاستعانة لقوله تعالٰى بل اياه تدعون فيكشف ما تدعون اليه ان شاء

یعنی شرک کے مواقع میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ مشرک لوگ اپنی حاجات میں اللہ کے سوا دوسروں سے مدد مانگا کرتے تھے مثلاً بیمار کی شفا، فقیر کی غنا (دولت مندی) اور ان غیروں کے لئے نذریں نیازیں مانا کرتے تھے اس توقع پر کہ ان نذروں کے ذریعے ان کے مقاصد پورے ہوں گے اور ان کی مرادیں پوری ہوں گی۔ اور ان غیروں کے نام جپتے ہیں ان ناموں کا وِرد کرتے ہیں ان ناموں کی برکات کی امید رکھ کر۔ اسی لئے تو اللہ تعالیٰ عز و جل نے ان پر لازم اور واجب فرما دیا کہ وہ اپنی ہر نماز (کی ہر رکعت) میں ایاك نعبد و ایاك نستعین کہا کریں یعنی اے اللہ ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں یعنی تمام امور میں صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ کسی دوسرے سے مدد نہیں مانگتے

یعنے ملک عجم میں جو اولیاء کرام کے مقبروں کے پاس بچھونے بچھاتے اور شیشے لگاتے ہیں اور عوام ان اولیاء اللہ سے مدد یں مانگتے ہیں اور ان کے آگے خشوع و خضوع کرتے ہیں اور ان کے گرد گھومتے ہیں۔ سو یہ سب مکروہ ہے حرام کے قریب۔

لمعات شرح مشکوٰۃ میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے لکھا ہے۔ ولیس القادر والفاعل والمتصرف الا ہو اللہ تعالیٰ ۔۔۔۔۔۔ والاولیاء لا فعل لہم ولا قدرۃ لہم ولا تصرف لہم۔

یعنے قادر علی الاطلاق اور فاعل مختار اور ہر چیز میں تصرف کرنے والا اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی نہیں اور اولیاء اللہ کا نہ تو کوئی فعل اور نہ کوئی قدرت ہے اور نہ کوئی اُن کا **کچھ تصرف ہے**

روح المعانی صفحہ [illegible] میں علامہ سید آلوسیؒ نے لکھا ہے من تحفۃ العقول ان الاولیاء یتصرفون بعد وفاتہم من شفاء المریض وانقاذ الغریق والنصر علی الاعداء وغیرہ ذالک مما یکون فی عالم الکون والفساد علی معنے ان اللہ فوض الیہم ذالک ومنہم من خص ذالک بخمسۃ من الاولیاء والکل جہل۔

یعنے یہ سمجھنا کم عقلی ہے کہ اولیاء کرام اپنی وفات کے بعد تصرف کرتے ہیں مثلاً بیمار کو شفا دینا۔ اور ڈوبتے کو بچانا اور دشمنوں سے روکنا اور اسی طرح اور ایسے کام ان کے علاوہ جو عالم کون وفساد میں ہوتے ہیں وہ اولیاء کرتے ہیں۔ بایں معنے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کام ان اولیاء کرام کے سپرد کر دیئے ہیں اور بعض لوگ وہ ہیں جو پانچ اولیاء کے ساتھ ان چیزوں کو مخصوص سمجھتے ہیں اور یہ سب جہالت ہے۔

الفتح الربانی صفحہ ۱۰۲ میں شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ نے فرمایا اتبعوا ولا تبتدعوا وافقوا ولا تخالفوا ۔ اطیعوا ولا تعصوا۔ اخلصوا ولا تشرکوا وحدوا الحق وعن بابہ فلا تبرحوا سلوہ ولا تسئلوا غیرہ۔ استعینوہ ولا تستعینوا لغیرہ۔ توکلوا ولا توکلوا غیرہ۔

یعنے خدا کے حکموں کی اتباع کرو اپنی طرف سے نیا حکم نہ نکالو خدا کے احکام کی موافقت کرو

مخالفت نہ کرو۔ خدا کا کہا مانو۔ اس کی نافرمانی نہ کرو۔ خالص اسی کو پکارو اُس کا کسی کو شریک
نہ بناؤ۔ اللہ تعالیٰ کی توحید کا عقیدہ رکھو اور اس کے دروازہ سے تو ذرا بھر نہ ہٹو
اُسی سے مانگو اور اس کے سوا کسی سے نہ مانگو۔ مدد بھی اُسی سے مانگو اور اس کے سوا
کسی سے مدد نہ مانگو۔ صرف اُسی پر توکل رکھو اور اس کے سوا کسی پر توکل نہ رکھو۔
اور ص۱۱۳ میں لکھا لا تسئل الخلق شیئاً فانہم عجزۃ فقراء لا یملکون لانفسہم ولا لغیرہم
ضراً ولا نفعاً۔ یعنی مخلوق سے کچھ نہ مانگ کیونکہ وہ سب عاجز و محتاج اور اپنا پرایا نفع
و نقصان ان کے بس میں نہیں۔
اور ص۱۲۰ میں لکھا لا یملک ضرک ولا نفعک ولا رزقک غیر ربک عزوجل کن ابداً
فی طاعتہ۔
یعنی تیرے رب عزوجل کے سوا کسی کے بس میں نہ تیرا نقصان نہ تیرا فائدہ نہ تیری
روزی۔ لہٰذا تو ہمیشہ اُس کے کہے میں رہ۔
اسی طرح حضرت عبدالقادر جیلانیؒ کی ساری تصنیف توحید سے پُر ہے
شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے حجۃ اللہ البالغہ ص۶۴ میں باب اقسام الشرک میں مظان شرک
بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ منہا انہم کانوا یستعینون بغیر اللہ فی حوائجہم من شفاء المریض وغناء الفقیر
وینذرون لہم یتوقعون انجاح مقاصدہم بتلک النذور ویتلون اسمائہم رجاء برکتہا
فاوجب اللہ تعالیٰ علیہم ان یقولوا فی صلاتہم ایاک نعبد وایاک نستعین وقال تعالیٰ فلا
تدعوا مع اللہ احداً۔ ولیس المراد من الدعاء العبادۃ کما قال بعض المفسرین بل ہو الاستعانۃ
لقولہ تعالیٰ بل ایاہ تدعون فیکشف ما تدعون الیہ۔
یعنی شرک کے مواقع میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ مشرک لوگ اپنی حاجات میں
اللہ کے سوا دوسروں سے مدد مانگا کرتے تھے مثلاً بیمار کی شفاء۔ فقیر کی غنا اور ان غیروں
کے لیے نذریں مانا کرتے تھے اس توقع پر کہ ان نذروں کے ذریعے ان کے مقاصد پورے
ہوں گے اور ان غیروں کے نام جپتے تھے ان کے نام کی برکت کی امید رکھ کر اس لیے
اللہ تعالیٰ نے ان پر لازم قرار دیا کہ وہ اپنی ہر نماز میں ایاک نعبد و ایاک نستعین کہا کریں

نیز فرمایا کہ اللہ کے ساتھ کسی ایک کو بھی مت پکارو کر غائبانہ حاجات میں۔

اور اس دُعا سے جیسے بعض مفسرین عبادات مراد لیتے ہیں وہ مُراد نہیں بلکہ استغاثہ مراد ہے کیونکہ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "بل ایاہ تدعون فیکشف ما تدعون الیہ" عزیز الفتاوےٰ صفحہ ۱۵۵ میں مولانا عزیز الرحمٰن صاحبؒ نے لکھا اولیاء اللہ سے مراد یں مانگنا اور ان کو متصرف جاننا دام شیطان ہے اور شرک۔

در المعارف میں حضرت صاحب نے فرمایا "کہ دُعا کردن و ندا کردن از غیر جناب الٰہی البتہ در شریعت ناروا است۔

یعنے اللہ کے سوا دوسری ہستیوں کو غائبانہ پکارنا یقیناً شریعت میں ناجائز ہے قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ نے ارشاد الطالبین میں لکھا ہے "چنانچہ جہال می گویند یا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ شیئاً للہ یا خواجہ شمس الدین ترک پانی پتیؒ جائز نیست"

شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ نے فتح العزیز صفحہ ۱۱ میں انواع شرک کی تفصیل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مشرکین کی جہان میں کئی قسمیں ہیں۔ پہلی قسم شنویہ۔ دوم صابئین، سوم ہنود چہارم پیر پرست۔ و پیر پرستاں گویند چوں مرد بزرگے کہ بسبب کمال ریاضت و مجاہدہ مستجاب الدعوات و مقبول الشفاعۃ عند اللہ شدہ بود از ایں جہان میگذرد، روح اورا قوتے عظیم و وسعتے بس فخیم بہم میرسد ہر کہ صورتیہ اورا برزخ سازد یا در مکان نشست و برخاستِ او یا بر گور او سجود و تذلل تمام نماید روح او بسبب وُسعت و اطلاق بر آن مطلع شود و در دنیا و آخرت در حقِ او شفاعت نماید۔

یعنے چوتھی جماعت پیر پرستوں کی ہے۔ جب کوئی بزرگ آدمی جو بڑی محنت یا ریاضت اور مجاہدہ کی وجہ سے خدا کے ہاں مستجاب الدعوات اور مقبول الشفاعۃ ہو جاتا ہے اس جہان (دُنیا) سے چلا جاتا ہے تو اس کی روح کو بڑی قوت اور بہت بڑی فراخت حاصل ہو جاتی ہے کہ اس کی صورت کو آڑ بناتے ہیں یا اس بزرگ کے اُٹھنے بیٹھنے کی جگہ میں یا اس کی قبر پر سجدہ کرتے ہیں اور پوری ذلت کا اظہار کرتے ہیں اس کی روح بسبب وسعت اور آزادی کے اس پر مطلع ہو جاتی ہے اور دُنیا و آخرت میں اس کے حق میں

میں شفاعت کرتی ہے۔

# مسلک سراج الامت امام ابوحنیفہؒ

قرآنی غرائب فی تحقیق المذاہب میں ہے:

رأی الامام ابوحنیفۃؒ من یاتی القبور باھل الصلاح فیسلم و یخاطب ویتکلم و یقول یا اھل القبور ہل لکم من خبر وھل لکم من اثر انی اتیتکم ونادیتکم من شھور ولیس سؤالی منکم الا الدعاء فھل دریتم ام غفلتم فسمع ابوحنیفۃؒ یقول یخاطبہ بھم فقال ھل اجابوا لک قال لا فقال سحقا لک وتربت یداک کیف تکلم اجسادا لا یستطیعون جوابا ولا یملکون شیئا ولا یسمعون صوتا وقرأ وما انت بمسمع من فی القبور

(تفہیم المسائل ص۲۰)

امام ابوحنیفہؒ نے ایک آدمی کو دیکھا جو صلحاء کی قبروں پر آکر ان کو سلام کہتا اور ان سے مخاطب ہو کر باتیں کرتا۔ اور کہتا کہ اے قبر والو! کیا تمہیں کچھ خبر ہے کیا تمہیں کچھ علم ہے کہ میں تمہارے پاس آیا ہوں اور کئی مہینوں سے میں تمہیں پکار رہا ہوں اور میں تم سے کچھ نہیں مانگتا سوائے دعا کے اب کیا تم سمجھ رہے ہو یا بے خبر اور غافل ہو تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ نے اُسے سُنا کہ قبر والوں سے خطاب کر رہا ہے۔ فرمانے لگے کیا ان قبروں والے صاحبین نے تیری بات کا کچھ جواب دیا ہے؟ تو اُس نے جواب دیا کہ نہیں۔ اس پر امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ دوری ہو تیرے لیے اور تیرے ہاتھ خاک آلودہ ہوں تو ایسے جسموں سے کیسے باتیں کرتا ہے جو نہ جواب دے سکتے ہیں اور نہ ہی کوئی چیز ان کے بس میں ہے اور نہ ہی وہ کوئی آواز سُنتے ہیں اور دلیل میں یہ آیت پڑھی جس کا مفہوم یہ ہے کہ تو قبر والوں کو نہیں سُنا سکتا۔

امام فخرالدین رازیؒ نے اپنی تفسیر کبیر ص۵۵ میں انواعِ شرک کا بیان کرتے ہوئے چوتھی قسم شرک کی یوں بیان کی ہے۔ و رابعھا انھم وضعوا ھذہ الاصنام والاوثان علی صورۃ

انبیاء هیمٔر۔ الاکابر هم و زعموا انهم متی اشتغلوا بعبادۃ هذه التماثیل فان اولٰئك الاکابر تکون شفعاء لهم عند الله و نظیره فی هذا الزمان اشتغال کثیر من الخلق بتعظیم قبور الاکابر علٰی اعتقاد انهم اذا عظموا قبورهم فانهم یکونون لهم شفعاء عند الله۔

یعنے چوتھی قسم شرک کی یہ ہے کہ مشرکوں نے اپنے پیغمبروں اور اکابر کی صورتوں پہ بُت اور مورتیاں بنا دیں اور ان کا خیال ہے کہ جب ان مورتیوں کی پکار میں مشغول ہوں گے تو یہ اکابر خدا کے ہاں ان کی سفارش کریں گے اور اس زمانے میں اس کی نظیر یہ ہے کہ بہت سے لوگ اکابر کی قبروں پر تعظیم کے اعتقاد سے مشغول ہوتے ہیں کہ جب ان کی قبروں کی تعظیم کریں گے تو یہ اکابر اللہ کے ہاں ان کی سفارش کریں گے۔

ذیل الملل والنحل ص۳ میں ہے۔

وکان لحکماء المصر تبنی قبور یحج الیها المصریون و یقدسونها فدخل هؤلاء الحکماء فی زمرة الآلهة مثل امنوتیس بن حابو المهندس المعماری البارع انتشرت عبادته فی طول البلاد و اضحی قبره قبلة لمن یطلبون الشفاء من اوجاعهم۔

یعنے مصر کے حکماء کی قبریں تھیں جن کی طرف مصر کے لوگ قصد کر کے حج کرنے جاتے تھے اور ان قبروں کو مقدس سمجھتے تھے تو یہ حکماء لوگ آلہہ کے زمرہ میں داخل ہو گئے جیسے ایک ریاضی دان علم ہندسہ کا ماہر انجینئر اَمنُوتیس بن حابُو۔ اس کی پرستش دُور دُور کے شہروں میں پھیل گئی اور اس کی قبر ان لوگوں کی قبلہ بن گئی جو اپنے بدن کے الام دکھ دردوں سے شفاء چاہتے۔

بلاغ المبین میں شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے لکھا ہے کہ لات برائے اہل طائف مرد نیک بخت برائے حاجیاں سویق لت کردہ می بخشید پس ہرگاہ بمرد بر قبرش عاکف شدند مدتے بر منوال بگذشت باز تمثالش اورا داشتہ تعظیم نمودند باز بنائے نمودند یعنے یعنے طائف والوں کا "لات" ایک نیک بخت مرد تھا۔ حاجیوں کی خاطر ستو بھگو کر

کر دیا تھا جب وہ مر گیا لوگ اس کی قبر پر مجاور بن کر بیٹھ گئے۔ کچھ مدت تو اس طرح گذار دیا اس کے بعد اس کی مورتی بنا کر رکھ لی۔ اب اس کی مورتی کی تعظیم کرنے لگے اس کے بعد عبادت بنا دی۔

بخاری شریف میں حدیث ہے ان من کان قبلکم کانوا اذا مات فیہم الرجل الصالح بنوا علی قبرہ مسجدا وصوروا فیہ تلک الصور اولئک شرار الخلق عند اللہ۔

یعنے تم سے پہلے لوگوں کا دستور تھا کہ جب ان میں مرد صالح فوت ہو جاتا تو اس کی قبر پر مسجد بنا دیتے تھے اور اس میں تصویر بنا دیتے وہ لوگ خدا کے ہاں بدترین مخلوق ہیں

ذیل الملل والنحل صفحہ ۹۵ میں ہے کانوا (الصینیون) یعبدون الاسلاف۔ یعنے چین کے باشندے اسلاف کی پرستش کرتے تھے۔ آگے لکھا ثم عبدوا ارواح الاجداد پھر وہ دادوں کی روحوں کی پرستش کرتے تھے۔ آگے لکھا وکانوا یوقرون السلف من القدماء واوزعماء الجماعات السالفۃ الی یومنا ھذا۔

یعنے قدیم زمانے کے اسلاف کی یا گذشتہ گروہوں کے رئیسوں اور سرداروں کی تعظیم کیا کرتے تھے ہمارے اس روز تک یہی سلسلہ ہے۔

آئینہ ملتان صفحہ ۱۸۳ میں ہے ہندو سندھ کے لوگ اس بت کو (ملتان بت کو) ایوب نبی کی تمثیل سمجھتے تھے اور بزعم خود یہاں حج کے لیے آتے تھے اور یہاں سر ڈاڑھی بالکل منڈواتے تھے۔ یہ بت بشکل انسان بنا ہوا تھا۔ اسی لیئے محمد بن قاسم نے اسے انسان سمجھ کر اس کا سر اڑانے کے لیئے تلوار نکال لی تھی۔ یہ بت سراپا سونے کا بنا ہوا تھا۔ نایاب جواہرات سے مرصع اور قیمتی لباس میں ملبوس تھا۔ اس مندر کے چاروں طرف سایہ دار درخت پھیلے ہوئے تھے۔ جن کے نیچے پجاری آرام کرتے تھے۔

روح المعانی صفحہ ۹۵ میں ہے وضعوا علی صور رجال صالحین وذوی خطر عندہم وزعموا انہم متی اشتغلوا بعبادتہا فان اولئک الرجال یشفعون لہم

یعنے مشرکین نے وہ بت ان صالح مردوں کی صورتوں پہ بنائے تھے جو ان کے ہاں عالی مرتبہ والے تھے اور ان کا یہ خیال تھا کہ جب یہ ان کی پرستش میں مشغول ہو تے

ہوتے ہیں تو وہ صالح مردان ہماری لوگوں کی خدا کے ہاں سفارش کرتے ہیں۔

## ایک سوال کا جواب۔

حدیث شریف میں وارد ہے اِنَّ لِلّٰہِ ملائکۃ فی الارض یُسَمَّون الحفظۃ یکتبون مایقع فی الارض من ورق الشجرۃ فاذا اصاب احدکم حرجۃ واحتاج الی عون بفلاۃ من الارض فلیقل اعینونی عباد اللہ رحمکم اللہ فانہ یعان ان شاء اللہ رواہ ابن السنی والطبرانی من حدیث الحسن بن عمرو عن ابن حسان عن سعید بن ابی بردۃ عن قتادہ عن ابن بریدۃ عن ابن مسعود۔

یعنے اللہ کی طرف سے زمین میں فرشتے مقرر ہیں جن کو نگہبان کہتے ہیں جو بتا درخت کا گرتا ہے زمین میں وہ سب لکھ لیتے ہیں پس جب تم میں سے کسی ایک کو تکلیف پہنچے اور صاف چٹیل میدان میں اس کو مدد کی احتیاجی ہو تو یوں کہے۔ اعینونی عباد اللہ رحمکم اللہ اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو۔ اللہ تم پر رحم کرے تو ان شاء اللہ اس کو مدد مل جائیگی۔ تو اس حدیث سے ثابت ہو گیا کہ غائبانہ غیر اللہ کو پکارنا جائز ہے۔

جوابٌ:۔ ملا علی قاری نے اس روایت کو ابن سنی طبرانی بزار سے نقل کیا جسمیں ابن حسان راوی کو ہیثمی نے ضعیف کہا اور ایک راوی بن غزوان کو ابن حجرؒ نے تقریب میں مجہول الحال کہا۔ ابن حجرؒ نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔ اور معروف (ابن حسان) کو لوگ (محدثین) منکر الحدیث کہتے ہیں جو اس حدیث کے بیان کرنے میں منفرد (اکیلا) ہے نیز ابن بریدہ کا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے حدیث سننا ثابت نہیں ہے ان کا بیچ کا راوی معلوم نہیں کہ کون ہے لہٰذا یہ روایت منقطع ہوئی جو علماً محدثین کے نزدیک مردود کی قسم ہے لہٰذا یہ روایت مردود ہے۔ فتح القدیر شرح جامع صغیر میں اسی طرح ہے (تفہیم المسائل ص۳)

جوابٌ:۔ اس کو جو خبر واحد ہے و مخالف و معارض ہے آیات قرآنیہ، احادیث صحیحہ اجماع اُمّت اور تعامل قرون ثلثہ، اجماع اُمّت کے اور موافق ہے عمل جاہلیت کے

کیونکہ عرب جاہلیت (قبل ظہور الاسلام) میں مسافروں کا یہ دستور تھا کہ جس وقت کہ کہیں خالی میدان میں شام ہو جاتی (رات آجاتی) وہاں سے انہیں ڈر لگتا تھا کہ کہیں جن دیو، بھوت چڑیل مجھے نقصان نہ پہنچا جائیں تو وہ مسافر یوں کہتے "اعوذ بسید ھذا الوادی من شر سفہاء قومہ" (اس بیابان کے سردار کے پناہ میں آتا ہوں اس کی قوم کے بے وقوفوں کے شر سے) تو وہ مسافر بڑے چین سے اور ان کے پڑوس میں رات گزارتے حتیٰ کہ صبح ہو جاتی (مدارک) الطبقات ابن سعد جلد ۱۳۹ میں ہے وانہ کان رجال من الانس یعوذون برجال من الجن۔ کما قال ابو رجاء العطاردی قال شیخنا۔ انا نعوذ بعزیز ھذا الوادی من الجن اللیلۃ فقلنا ذاک قال ابو رجاء فقیل انا انما سبیل ھذا الرجل شہادۃ ان لا الٰہ الا اللہ وان محمدا عبدہ ورسولہ فمن اقربہا امن علی دمہ ومالہ فرجعنا فدخلنا فی الاسلام ورجا قال ابو رجاء انی لاری ہذہ الآیۃ نزلت فی وفی اصحابی۔

یعنی جاہلیت چھوڑ کر جب دائرہ اسلام میں داخل ہوگئے تو مامون ہوگئے ہمارے حق میں یہ آیت اتری اور پھر حکم ہوا۔ لا تدعُ مع اللہ احدا کہ غائبانہ کسی کو مت پکارو اللہ کے سوا۔ اور پھر فرمایا" ان الذین تدعون من دونہ ما یملکون من قطمیر"

یعنی اللہ کے سوا جن کو تم پکارتے ہو وہ گٹھلی پہ چھلکے باریک پردے کی مقدار کے بھی مالک نہیں۔ ان تدعوہم لا یسمعوا دعاءکم۔ اگر تم ان کو پکارو تو تمہاری پکار نہیں سنتے۔ نیز فرمایا: ومن اضل ممن یدعو من دون اللہ من لا یستجیب لہ الی یوم القیامۃ وہم عن دعائہم غافلون

یعنی اس شخص سے بڑھ کر کون ہے جو اللہ کے سوا ایسے کو پکارتا ہے کہ روز قیامت تک اس کو جواب نہ دے جواب دینا تو درکنار ان کو تو تمہاری پکار کی خبر نہیں۔ اور یہ تو صرف خدا کی ذات ہے کہ اجیب دعوۃ الداع اذا دعان کہ کوئی پکارے وہ تو ہر کسی کو دعوت دیتا ہے کہ ادعونی استجب لکم "صرف مجھے پکارا کرو میں ہی تو ہوں جو تمہاری ہر بات کا جواب دیتا ہوں اور جو اس کو نہ پکارے اس پہ خدا کو غصہ آتا ہے۔

ان الذین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جہنم داخرین

ترجمہ: جو مجھے پکارنے سے اپنے آپ کو بالاتر سمجھتے ہیں تو دیر نہیں کہ ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہونگے۔

اسی واسطے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ لَّمْ يَسْئَلِ اللّٰهَ يَغْضَبْ عَلَيْهِ۔ (مشکوٰۃ صـ۱۹۵) یعنی خدا کو اس شخص پر غصہ آتا ہے جو خدا سے نہ مانگے۔ خدا سے نہ مانگنے کی تین صورتیں ہیں۔ ۱ یا تو سرے سے مانگے ہی نہیں ۲ یا مانگے تو غیر اللہ سے مانگے ۳ یا مانگے تو اللہ سے بھی اور دوسروں سے بھی۔

اللہ تعالے کو ان تینوں حالتوں میں غصہ آتا ہے وہ کہتا ہے کہ صرف مجھ سے مانگو مانگنے سے میں خوش ہوتا ہوں جیسے ابن مسعود رضی اللہ تعالے عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

سَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ اَنْ يُّسْئَلَ۔ (مشکوٰۃ صـ۱۹۵)

یعنے اللہ سے اللہ کا فضل مانگا کرو اور مانگتے رہا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند آتی ہے کہ اس سے لوگ مانگیں۔ لہٰذا ہمیں چاہیئے کہ ہم ہر شے اللہ سے مانگیں اس لیے نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لِيَسْئَلْ اَحَدُكُمْ رَبَّهٗ حَاجَتَهٗ كُلَّهَا حَتّٰى يَسْئَلَ شِسْعَ نَعْلِهٖ اِذَا انْقَطَعَ۔ چاہیئے کہ سب حاجتیں مرادیں اپنے رب ہی سے مانگیں حتیٰ کہ جب جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے تو وہ بھی اپنے رب ہی سے مانگیں اور حتے کہ نمک بھی اسی سے مانگے (مشکوٰۃ صـ۱۹۶)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے بلا کر اور شرط لگواتے ہیں مجھ پر کہ لَا تَسْئَلِ النَّاسَ شَيْئًا۔ یعنے لوگوں سے کچھ نہ مانگنا میں نے کہا بہت اچھا! آپ نے فرمایا وَلَا سَوْطَكَ اِنْ سَقَطَ مِنْكَ حَتّٰى تَنْزِلَ اِلَيْهِ فَتَاْخُذَهٗ اگر تیرا کوڑا گر پڑے تجھ سے تو وہ بھی کسی سے نہ مانگ یہاں تک کہ تو خود اتر کے آپ اُٹھالے۔ (مشکوٰۃ صـ۱۶۳)

نواب قطب الدین صاحبؒ مظاہر حق میں صـ۲۱۲ لکھا کہ کمال مبالغہ ہے ترک سوال میں کہ واقع میں یہ مانگنا نہیں ہے اس لیے کہ اپنی گری ہوئی چیز مانگنا ہے لیکن از بس کہ

کہ نام بلکنے کا آیا مبالغۃً اس کو بھی منع فرمایا۔

ابن تیمیہ نے الفتاوے الکبرے ۳ میں لکھا ہے کہ وفی المسند ان ابا بکر رضی اللہ عنہ کان یسقط السوط من یدہ فلا یقول لاحد ناولنی ایاہ ویقول ان خلیلی امرنی ان لا اسأل الناس شیئاً۔ یعنی امام اعظم خلیفہ اول ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے کوڑا اگر پڑتا تھا تو ہم میں سے کسی کو نہ کہتے کہ یہ کوڑا مجھے پکڑا دو کیونکہ میرے خلیل صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا تھا کہ کسی سے کچھ نہ مانگا کرو۔

اسی کتاب کے اسی صفحہ میں ہے واوصے صلے اللہ علیہ وسلم خواص اصحابہ ان لا یسألوا الناس شیئاً۔

یعنے آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے مخصوص صحابہ کو وصیت فرمائی کہ کسی سے کچھ نہ مانگنا۔

اسی میں ہے وفی صحیح مسلم وغیرہ عن عوف بن مالک ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم بایع فی طائفۃ واسر الیہم کلمۃ خفیفۃ ان لا تسألوا الناس شیئاً فکان بعض اولئک النفر یسقط السوط من ید احدہم ولا یقول لاحد ناولنی ایاہ۔

یعنے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک گروہ سے بیعت کرکے چپکے سے فرمایا کہ لوگوں سے کچھ نہ مانگا کرو۔ پھر اس کا دستور بن گیا کہ کوڑا بھی کسی کے ہاتھ سے گر پڑتا تو کسی سے نہ کہتے کہ پکڑا دو۔

طبقات ابن سعد ص ۱۴۱ میں ہے عن عبداللہ بن خلیفۃ قال ان شسع عمر رضی اللہ عنہ انقطع فاسترجع یعنے حضرت خلیفہ دوم امام عمر رضی اللہ عنہ کے جوتے کا تسمہ ٹوٹ گیا تو آپ نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور کسی کو یوں نہیں فرمایا کہ لاؤ میرا جوتے کا تسمہ گانٹھ دو یا گنٹھوا دو۔

لمعات ۱ ص ۱۹۱ مشکوٰۃ میں نقل ہے کہ ابو علی دقاقؒ نے فرمایا کہ معرفت کی علامات میں سے ایک علامت یہ ہے کہ حاجتیں مرادیں کم ہوں یا زیادہ اللہ تعالے کے سوا نہ مانگے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب رؤیت باری تعالے (دیدار الٰہی)

کا شوق ہوا تو رب ہی کو پکارا اور عرض کی۔ رَبِّ اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْکَ (ترجمہ: اپنا دیدار کرا دیجئے کہ میں آپکی ذات پاک دیکھ لوں)۔ اور جب بھوک لگی تب بھی رب ہی کو پکار کر کہا۔ کہ

رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ ۝

اے میرے رب بیشک میں اس بھلائی کا محتاج ہوں جو تو نے میری طرف اتاری ہے۔

قرآن کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ آدمی دنیا کی چیزوں میں سے کسی چیز کا احتیاج رکھے تو اس کا عرض اللہ پاک سے کرے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ نمک اور تسمہ جوتی کا بھی اسی سے مانگا کرو۔ (فتح وفوائد صفحہ پارہ نمبر ۲۰)

بہرحال یہ خبر واحد مقابل اصول اسلامیہ شرعیہ کے بالکل مردود اور ناقابل قبول ہے جیسا کہ توضیح تلویح میں ہے۔ "یرد خبر الواحد فی معارضۃ الکتاب لان الکتاب مقدم لکونہ قطعیا متواتر النظم لا شبہۃ فی سندہ۔"

یعنے قرآن پاک کے مقابلہ خبر واحد مردود ہوتی ہے کیونکہ قرآن پاک مقدم ہے کیونکہ قطعی ہے جس کی نظم تواتر کو پہنچی ہے جس کی سند میں کچھ بھی شک وشبہ نہیں۔

مشکوٰۃ صفحہ ۴۵۳ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھا آپ نے فرمایا اے لڑکے خدا کے امر ونہی کو نگاہ رکھ اور اس کی رضا کا طالب رہ اللہ تعالےٰ تجھے نگاہ رکھیگا (دنیا میں آفات ومکروہات سے اور آخرت میں عذاب سے) اور اللہ تعالےٰ کے حق کو نگاہ رکھ یعنی ہمیشہ یاد رکھ۔ یعنی اس کی قدرتوں میں خوب فکر کر۔ اور اس کی نعمتوں کا شکر بجالا۔ اللہ کی رحمت کو اپنے سامنے پاویگا اور جب تو سوال کرنا چاہے تو صرف اللہ ہی سے سوال کر۔ اور جب تو دنیا وآخرت کے امور میں مدد مانگنا چاہے تو صرف اللہ ہی سے مدد مانگ اور یہ یقین جان کہ سب خلق (یعنے خاص وعام اور انبیاء اور اولیاء اور تمام امام) اگر جمع ہوں یعنے متفق ہوں بالفرض والتقدیر اس بات پر کہ تجھ کو کسی چیز کے ساتھ نفع پہنچائیں (تیرے دین ودنیا کے امر میں) تو تجھ کو نفع نہیں پہنچا سکینگے مگر صرف اسقدر جو اللہ نے تیرے لیے مقدر فرما رکھا اور اگر سب آدمی تجھے کسی چیز کے ساتھ ضرر پہنچانے پر جمع اور متفق ہو جائیں یعنی تیرے امر دین یا دنیا میں

تو وہ آدمی تجھے کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتے مگر صرف اسی قدر جو اللہ نے تیرے لیے مقدر فرما رکھا ہے۔ اٹھائے گئے قلم اور خشک ہو گئے صحیفے۔

مظاہر حق صفحہ ۱۵ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتابوں میں آیا ہے کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے قسم ہے اپنے عزت و جلال کی کہ البتہ انقطاع کرتا ہوں میں اس شخص سے کہ امید رکھتا ہے غیر میرے سے۔ اور پہناتا ہوں میں اس کو کپڑا ذلت کا نزدیک لوگوں کے یعنی ذلیل کرتا ہوں ان کے سامنے۔ اور محروم کرتا ہوں میں اس کو اپنے قرب اور البتہ دور کرتا ہوں اس کو اپنے وصل سے۔ پس البتہ دور کرتا ہوں میں اس کو متفکر حیران آیا امید رکھتا ہے غیر میرے سے شدائد میں اور حالانکہ شدائد میرے ہاتھ میں ہیں اور میں الحی القیوم ہوں۔ اور کھٹکھٹاتا ہے فکر میں دروازے غیر میرے کے اور حالانکہ میرے ہاتھ میں کنجیاں دروازوں کی ہیں اور وہ بند ہیں۔ اور دروازہ میرا کھلا ہوا ہے اس کے لیے کہ دعا کرے مجھ سے۔ انتہیٰ۔

حضرت سید عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ نے فتوح الغیب میں فرمایا کہ لائق ہے ہر مومن کو کہ کرے اس حدیث کو آئینہ اپنے دل کا۔ پس عمل کرے اس پر تمام حرکات و سکنات اپنے میں تاکہ سالم رہے دنیا اور آخرت میں اور پاوے دونوں جہانوں میں عزت بسبب رحمت اللہ تعالیٰ کے۔

## دفن سے واپسی

جب دفن سے فارغ ہو کر واپس جاتے ہیں تو بعض جگہوں میں دستور ہے کہ چالیس قدم پر جا کر یا قبرستان سے نکل کر بعض لوگوں کو بڑے اہتمام سے کہتے ہیں کہ ٹھیر جاؤ اب پھر اکٹھے ہو کر تمام قبر والوں کے لیے دعا کر لیں یہ اہتمام بھی شرع شریف میں کہیں ثابت نہیں۔

سوال: دفن کے بعد جب قبرستان سے واپس ہوتے ہیں تو راستہ میں ایک شخص پان کا ایک خوانچہ لیے کھڑا رہتا ہے وہ سب کو پان تقسیم کرتا ہے اور گلاب چھڑکتا چھڑکتا ہے جیسے شادی میں کرتے ہیں۔ اس کا کیا حکم ہے۔

جواب :- اگر یہ پان اہل میت کی طرف سے تقسیم کیے جاتے ہیں تو اس وجہ سے ناجائز ہے کہ اہل میت سے کسی قسم کی دعوت لینا مکروہ ہے اور وہ بدعت ہے۔ اور یہ پان تقسیم کرنا بھی ایک قسم کی دعوت ہے جو اس کے ذمے لازم کر دی گئی ہے یا اس نے خود لازم کر لی ہے۔ اسی طرح گلاب چھڑکنا بے اصل اور بدعت ہے کیونکہ اس موقع پہ حاضرین پر گلاب چھڑکنے کی کوئی معقول وجہ نہیں۔ سوائے اس کے کہ اپنی ناموری اور ریاء مقصود ہو اس سے میت کو ثواب پہنچانا بھی تو مقصود نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ کوئی عبادت اور قربت کا کام نہیں ہے نہ صدقہ ہے لہٰذا یہ فعل واجب الترک ہے۔
(دلیل الخیرات صفحہ)

# تعزیت

مسئلہ :- تعزیت صرف ایک دفعہ کر سکتے ہیں دوبارہ مناسب نہیں کذا فی المضمرات (عالمگیری صفحہ)

مسئلہ :- دفن کرنے کے بعد تین روز تک تعزیت کا وقت ہے اس کے بعد تعزیت مکروہ ہے ہاں تعزیت کرنے والا یا جس کی تعزیت کی جائے وہ غائب ہو تو تین روز کے بعد بھی اس تعزیت جائز ہے اور اگر اہل میت میں گھبراہٹ شدید ہو تو دفن سے پہلے بھی تعزیت جائز ہے۔ (عالمگیری صفحہ)

مسئلہ :- میت کے تمام چھوٹے بڑے مرد و زن اقارب کو تعزیت کرے ہاں جوان عورت کو صرف اس کے محرم ہی تعزیت کر سکتے ہیں (عالمگیری صفحہ)

مسئلہ :- تعزیت کے الفاظ یہ ہیں

إِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أَعْطٰى وَكُلُّ أَجَلٍ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُسَمًّى غَفَرَ اللّٰهُ لِمَيِّتِكَ وَتَجَاوَزَ عَنْهُ وَتَغَمَّدَهُ بِرَحْمَتِهِ وَرَزَقَكَ عَلٰى مُصِيبَتِهِ وَأَجَرَكَ عَلٰى مَوْتِهِ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا تھا جو اس نے لے لیا اور اللہ تعالیٰ کا ہی تھا جو اس نے دیا۔ اور ہر چیز کا اس کے ہاں وقت مقرر ہے۔ اللہ تعالیٰ تیرے میت کو بخشے اور اس کے گناہوں سے درگذر فرمائے اور اس کو اپنی رحمت میں چھپا لے اور تجھے اس مصیبت پر صبر دے

صبر عطا فرمائے اور اس کی موت پہ تجھے اجر عطا فرمائے (عالمگیری صفحہ ۱۶۷ و رحمۃ الامۃ میں ہے)۔

عالمگیری صفحہ ۱۶۷ میں بحوالہ معراج الدرایہ لکھا کہ مصیبت کے وقت تین دن گھر بیٹھے گو رخصت تو ہے مگر اس کا ترک کر دینا احسن ہے۔

اسی صفحہ میں ہے بلند آواز سے نوحہ کرنا ناجائز ہے۔ دل ہی دل میں رقت قلبیہ ساتھ رونے میں مضائقہ نہیں۔ اور مردوں کو سیاہ لباس پہننا اور تعزیت کے لیے کپڑے پھاڑنا مکروہ تحریمی ہے۔

اسی صفحہ میں ہے رخساروں کو سیاہ کرنا اور ہاتھ کالے کرنا اور گریبان پھاڑنا اور چہرہ نوچنا اور بال پھیلانا اور سر پر مٹی ڈالنا اور ران اور سینہ پیٹنا اور قبروں پہ آگ جلانا یہ سب جاہلیت کی رسومات میں ہیں اور باطل اور دھوکہ ہیں۔ کذا فی المضمرات۔

اور مشکوٰۃ صفحہ ۱۵۱ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جاہلیت کی رسم دیکھ کر فرمایا

أبفعل الجاهلية تأخذون او بصنيع الجاهلية تشبهون لقد هممت ان ادعو عليكم دعوة ترجعون فى غير صوركم۔

یعنے کیا جاہلیت کے فعل پر عمل کرتے ہو یا جاہلیت کے کام کے ساتھ مشابہت کرتے ہو؟ میں نے تو یہ دیکھ کر قصد کر لیا ہے کہ میں تم پر ایسی بد دعا کروں کہ تم اپنے گھروں کی طرف اپنی انسانی صورتوں کے سوا اور دوسری صورتوں میں یعنے سور یا بندر وغیرہ ہو کر جاؤ۔

اس مقام پر طیبیؒ نے شرح میں لکھا ہے کہ جب ادنیٰ تغیر پر یہ وعید شدید وارد ہوئی تو کیا حال ہوگا اکثر رسمیں بُری برتنے پہ (مظاہر حق)

## تعزیت کے موقع پر ہاتھ اُٹھانا

یہ رواج عام ہو چکا ہے کہ تعزیت کے موقع پر جب بچھونی پہ لوگ بیٹھے ہوتے ہیں دنیوی باتیں کرتے ہیں حقہ پیتے ہیں اور اور دیر سے کوئی آتا ہے اور بیٹھ کر کہتا ہے فاتحہ پڑھو جی یا دعا خیر کہو جی۔ تو سب اہل مجلس تھوڑی دیر ہاتھ اٹھا کر منہ پر پھیر دیتے ہیں اور

بعض کا ایک ہاتھ حقہ کی نڑی پر ہوتا ہے اور دوسرا ہاتھ اٹھاکر جب دوسرے منہ پر ہاتھ
پھیرتے ہیں یہ بھی اشارہ کر دیتا ہے اور اگر کوئی آدمی ہاتھ اس وقت نہ اٹھائے تو اُسے
مطعون کرتے ہیں یا آنے والا آکر صرف مسنون الفاظ تعزیت کے کہے اور مجلس والوں
کو یہ الفاظ "فاتحہ پڑھو جی" "یا دعائے خیر کرو جی" نہ کہے اور نہ ہاتھ اٹھائے تو اس کو طعنے
دیتے ہیں یہ سب رسم اس طریقہ سے بدعت بن جاتی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس وقت
پر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھاکر دعا کی ہے چنانچہ صحیح مسلم صفحہ ۳ میں مطبوعہ روز
ہے۔ مگر یہ نہ سوچا کہ یہ اور بات ہے اور ہماری بحث اور ہے۔

حدیث کی بات اس طرح ہے کہ حضرت ابوعامر رضی اللہ عنہ نے مرتے وقت حضرت
ابوموسےٰ رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ جاکر رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو میرا اسلام عرض کرنا
اور یہ کہنا کہ ابوعامرؓ درخواست کر رہا تھا کہ آپ میرے حق میں خدا سے بخشش مانگیں
چنانچہ ابوموسےٰ رضی اللہ عنہ نے ابوعامر رضی اللہ عنہ کا پیغام آکر آنحضرت صلے اللہ علیہ
وآلہ وسلم کو پہنچادیا تب آپ نے پانی منگواکر تازہ وضو فرمایا پھر ہاتھ اٹھاکر دعا کی۔ پھر
میں نے اپنے لیے دعا کی درخواست کی۔ آپ نے میرے حق میں بھی دعا فرمائی۔

تو یہ صورت اجتماعی تعزیت کی نہ تھی۔ بلکہ ابوعامرؓ کی موت کی خبر تھی اور ان کا
پیغام پہنچانا تھا آپ نے وہ دعا کی تھی۔ یہاں اجتماع اس غرض کے
لیے کرتے ہیں جو سنت یا استحباب کے زمرہ میں قطعاً داخل نہیں ہوسکتا۔

نیز یہ واقعہ حال ہے آپ کا معمول نہ تھا۔ اور ہمارے زمانہ کا مروج طریقہ نہ عہدِ نبوی
میں تھا نہ خیر القرون کے عہد میں تھا بعد میں رائج ہوا۔ بغیر اس رسمی صورت کے یونہی
ہاتھ اٹھاکر میت کے لیے علیحدہ علیحدہ اپنے اپنے گھر میں دعا مانگنے سے کوئی نہیں روکتا

لوگوں کا اہل میت کے مکان پر جمع ہونا اور اہل میت کا انہیں پان، چائے، سگرٹ
مٹھائی تقسیم کرنا یا کھانا کھلانا یہ باتیں مکروہ ہیں اگرچہ تعزیت کے لیے تین دن تک
لوگوں کو جانا جائز ہے اور اتفاقی طور پر وہاں دو چار آدمی جمع ہو جائیں تو مضائقہ نہیں۔
لیکن قصداً جمع ہونا اور اجتماع کی شکل قصداً پیدا کرنا مکروہ ہے اور میت کا لوگوں کو کچھ کھلانا

یا کچھ تقسیم کرنا، سب مکروہ ہے۔
رد المحتار ج۔ میں ہے اہل میت کو گھر میں اس غرض سے بیٹھنا کہ لوگ آئیں اور تعزیت کریں یہ مکروہ ہے بلکہ جب دفن سے فارغ ہو کر واپس آئیں تو چاہیئے کہ سب متفرق ہو جائیں لوگ اپنے اپنے کام میں لگ جائیں اور اہل میت اپنے کام میں۔
امداد میں ہے کہ ہمارے ائمہ حنفیہ میں بہت سے متاخرین نے فرمایا ہے کہ اہل میت کے مکان پہ لوگوں کا اجتماع مکروہ ہے۔
درمختار میں ہے دوبارہ تعزیت کرنا مکروہ ہے اور گھر کے دروازہ پر اور قبر کے پاس بیٹھنا بھی مکروہ ہے۔

# گھر کے باہر چٹائی بچھانا

میت کے پس ماندگان کی تعزیت (تسلی دینا اور صبر کی تلقین کرنا) شرعی دستور کے مطابق سنت ہے جس کی حد تین دن ہے مگر گلی کوچوں اور گھروں کے سامنے بیٹھنا چٹائیاں، دریاں بچھا کر بیٹھنا وغیرہ امور ممنوع ہیں۔
امام زیلعی نے تبیین الحقائق ج۱ میں کہا ولا باس بالجلوس لہا الی ثلثۃ ایام من غیر ارتکاب محظور من فرش البسط والاطعمۃ من اہل المیت لانہا تتخذ عند السرور۔
یعنے تعزیت کے لیے تین دن بیٹھنے میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن اس کے لیے خاص اہتمام سے چٹائی اور دری نہ بچھائی جائے کیونکہ یہ امر ممنوع ہے اور نہ میت کے اہل سے کھانا تناول کیا جائے کیونکہ یہ باتیں خوشی کے وقت کی ہیں نہ غمی کی۔
عالمگیری ج۱ میں ولا باس لاہل المصیبۃ ان یجلسوا فی البیت او المسجد ثلثۃ ایام والناس یاتونہم ویعزونہم ویکرہ الجلوس علی باب الدار وما یفعل فی بلاد العجم من فرش البسط والقیام علی قوارع الطریق من اقبح القبائح ۔
یعنے مصیبت والوں کے لیے مسجد یا گھر میں تین دن تک لوگوں کی تعزیت کے لیے بیٹھنا کوئی حرج نہیں کہ لوگ آئیں اور تعزیت کر کے چلے جائیں اور گھر کے دروازہ

پر بیٹھنا مکروہ ہے اور ملک عجم کے شہروں میں جو چٹائیاں دریاں بچھاتے ہیں اور راستوں کے بیچ میں بیٹھ جاتے ہیں یہ قبیح ترین امر ہے۔

شرح سفر السعادت صفحہ ۲۷۴ میں ہے: "و نشستن بر در یا رہ برائے عزا مکروہ است اشد کراہت از جہت بودن آں عمل جاہلیت ...... تعزیت بایں کیفیت کہ الآن متعارف است و در ایام متعددہ کنند نبود۔"

یعنے تعزیت کے لیے دروازہ یا راستہ میں بیٹھنا مکروہ ہے کیونکہ یہ جاہلیت کے عہد کا کام ہے ...... اس طرح کی تعزیت جو آج کل متعارف ہے اور گنتی کے دنوں میں کرتے ہیں نہ ہووے۔

جب یہ امور ناجائز ہوئے تو وہاں بیٹھ کر دنیاوی باتیں کرنا گپیں ہانکنا، حقے پینا، چارپائیاں الٹی بچھانا۔ ایک ہاتھ حقے کی نڑی پر رکھنا اور دوسرا ہاتھ دعا کے لیے اٹھانا یہ کس قدر قبیح منظر ہے۔

## میّت کے گھر کا کھانا

مشکوٰۃ صفحہ ۱۵۱ میں ہے کہ جب حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کی خبر پہنچی تو آپؐ نے فرمایا کہ (اے گھر والو) جعفر کے گھر والوں کے لیے کھانا تیار کرو کیونکہ ان کے پاس وہ چیز آئی ہے جو ان کو کھانا پکانے سے مانع ہے۔ اس کے فائدہ میں مظاہر حق صفحہ ۲ میں لکھا کہ اس حدیث میں دلیل ہے اس پر کہ مستحب ہے قرابتیوں اور ہمسایوں کو کھانا پکا کر بھیجنا اہل میت کے لیے اور کھانا اس قدر ہو کہ وہ پیٹ بھر کر کھا دیں۔ ایک رات دن۔ اور بعضوں نے کہا کہ حلال ہے تین دن تک کہ ایام تعزیت ہیں۔ اور اختلاف کیا ہے۔ علماء نے بیچ کھانے غیر اہل میت کے اس کھانے کو۔ اور ابو القاسم نے کہا کہ مضائقہ نہیں اس کے لیے جو مشغول ہو میت کے لیے تجہیز و تکفین میں۔ پھر جب اہل میت کے لیے کھانا پکایا جائے تو سنت ہے کہ ان کو بہت کہہ کر کھانے کے لیے تاکہ ان کو بسبب زیادتی غم کے حیا کے کھانا نہ کھانے کے سبب ضعف نہ ہو جائیں۔

اور یہ کھانا نوحہ کرنے والیوں کو بھیجنا سخت حرام ہے اس لیے کہ مدد کرنی ہوتی ہے گناہ پر۔
اور میت کے گھر والوں کو کھانا تیار کرنا لوگوں کے جمع ہونے کی وجہ سے بدعت اور مکروہ ہے۔ بلکہ ابن ماجہ ص۱۱۶ میں حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا فرمان نقل ہے
کنا نری الاجتماع الی اھل المیت وصنعة الطعام من النیاحة
یعنے ہم (صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین) میت کے گھر جمع ہونے کو اور میت کے گھر جمع ہونا اور وہاں کھانا کھانا نوحہ جیسا جرم عظیم ہے جس پر صحابہؓ کا اجماع ہے
اور کبیری ص۶۰۹ میں ہے کہ یہ سند صحیح ہے فتح القدیر ص۴۷۳ میں بھی یہی ہے ہیثمی نے مجمع الزوائد میں کہا صحیح علی شرط البخاری ہے۔ اور دوسری سند کے متعلق کہا صحیح علی شرط المسلم ہے۔
فتح القدیر ص۴۷۳ میں ہے ویکرہ اتخاذ الضیافۃ من الطعام من اھل المیت لانہ شرع فی السرور لا فی الشرور وہی بدعۃ مستقبحۃ۔
یعنے میت کے گھر کھانا تیار کرنا مکروہ ہے کیونکہ کھانا کھلانا تو خوشی کے موقع پر ہوتا ہے نہ کہ غمی ہے نہ کہ غمی میں اور یہ بہت ہی قبیح بدعت ہے۔
عالمگیری ص۱۱۱ میں ہے ولا یباح اتخاذ الطعام عند ثلثۃ ایام کذا فی التتارخانیہ
یعنے تین دن میت کے گھر کھانا تیار کرنا مکروہ ہے۔
قاضی خاں ص میں ہے۔ ویکرہ اتخاذ الضیافۃ ثلثۃ ایام واکلہا لانہا مشروعۃ للسرور (پہلا ترجمہ)
فتاوٰی بزازیہ قاضی خاں ص میں ہے ویکرہ اتخاذ الضیافۃ فی ایام المصیبۃ لانہا ایام تاسف فلا یلیق بہا ما کان للسرور۔ یعنے مصیبت کے دنوں میں مہمانی کرنا مکروہ ہے کیونکہ جو کام خوشی کے وقت ہو وہ غمی کے مناسب نہیں۔
جامع الرموز ص۱۲۳ میں ہے ویکرہ اتخاذ الضیافۃ فی ہذہ الایام وکذا اکلہا (ترجیح وہبی)
خلاصۃ الفتاوٰی ص۲۳۲ میں ہے ولا یباح اتخاذ الضیافۃ عند ثلثۃ ایام لان الضیافۃ

تحفہ فی المسرور (د)

مغنی ص۴۱۳ میں ابن قدامہ حنبلی نے کہا فاما صنع اہل المیت طعاماً للناس فمکروہ لان فیہ زیادۃ علی مصیبتہم وشغلاً لہم الی شغلہم وتشبیہاً بصنع اہل الجاہلیۃ۔

یعنی اہل میت جو لوگوں کے لیے کھانا تیار کرتے ہیں وہ مکروہ ہے کیونکہ اس میں اہل میت کو مزید تکلیف اور شغل میں مبتلا کرنا ہے نیز اس میں مشرکین اہل جاہلیت کے ساتھ مشابہت بھی پائی جاتی ہے۔

ابن امیر الحاج مالکی رحمہ اللہ نے مدخل ص۲۷۵ میں کہا۔ اما اصلاح اہل المیت طعاماً وجمع الناس فلم ینقل فیہ شیئ و ھو بدعۃ غیر مستحب۔

یعنی اہل میت کا کھانا تیار کرنا اور لوگوں کو جمع کرنا اس میں کچھ نقل نہیں بلکہ ناپسند بدعت ہے۔

منتقی الاخبار ص۱۱۱ میں ہے وصنعۃ الطعام بعد دفنہ من النیاحۃ۔ دفن کے بعد کھانا تیار کرنا از قسم نوحہ ہے۔

تسلیۃ المصاب ص۹۹ میں علامہ محمد بن محمد منبجی حنبلی نے بھی تقریباً اسی طرح لکھا ہے

شرح مقنع للکبیر ص۴۲۹ میں امام شمس الدین بن قدامہ حنبلی نے بھی اسی طرح کہا ہے

## ایک سوال کا جواب

مشکوٰۃ ص۵۴۴ میں ہے نبی پاک صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے ایک میت کو دفن کر کے فارغ ہوئے تو میت کی بیوی کا ایک حضرت کو کھانے کی دعوت دینے آیا۔

اس حدیث کی شرح میں ملا علی قاری نے مرقاۃ ص۲۲ میں لکھا ہے کہ بظاہر اس حدیث میں رد ہے۔ قول فقہا کا جو پہلے تیسرے دن یا ہفتہ کے بعد میت کے گھر سے کھانا ناجائز کہتے ہیں ورنہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہرگز نہ کھاتے (انوار ساطعہ ص۱۰۹)

سو اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث صاحب مشکوٰۃ نے ابوداؤد ص۱۱۲ سے نقل فرمائی ہے جب ابوداؤد دیکھا تو اس میں "داعی امرأۃ" کے لفظ ہیں

"داعی امراتہٖ" نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ کاتب کی غلطی ہے اصل لفظ مندرجہ کتب میں داعی امراتہٖ ہے ابوداؤد ص۱۱۷ ج۲ و مشکل الآثار ص۱۳۲ ج۲ و المعتصر ص۱۲۹ و شرح معانی الآثار ص۲۳۱ ج۲ و دارقطنی ص۵۴۵ و مسند احمد ص۲۹۳ ج۵ و السنن الکبریٰ ص۹۶ ج۶ و عقود الجواہر المنیفہ ص۶۳ و خصائص الکبریٰ ص۱۳ ج۲ و مستدرک حاکم ص۳۳ ج۲ و محلی ابن حزم ص۴۲۱ ج۵ و عون المعبود ص۲۴۹ ج۳ و بذل المجہود ص۲۳۹ ج۴ وغیرہ کتب میں موجود ہے اور ملا علی قاری کے ہاتھ جو نسخہ لگا وہ وہی غلط نسخہ تھا۔

اسی طرح علامہ حلبی کو بھی وہی غلط نسخہ ہاتھ لگا اس لیے کبیری ص۲۰۹ و صغیری ص۳۳۰ میں اس روایت کی تاویلیں کرتے رہے۔

مگر اس کے بعد ملا علی قاری صاحبؒ کو اصل حقیقت کی آگاہی ہوئی تو اپنی آخری تصنیف شرح نقایہ ص۱۴۲ میں صاف لکھ دیا کہ میت کے گھر سے کھانا کھانا مکروہ اور بدعت مستقبحہ ہے۔

**سوال:** نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادہ ابراہیم علیہ السلام فوت ہوگئے تو حضرت ابوذرؓ نے تیسرے روز کھجوریں، دودھ اور جَو کی روٹی نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھی اور آپؐ نے ان پر سورۂ فاتحہ اور سورۂ اخلاص پڑھ کر دُعا فرمائی اور حضرت ابوذرؓ سے فرمایا یہ لوگوں میں تقسیم کر دو اور فرمایا ان اشیاء کا ثواب میرے لخت جگر ابراہیم کو پہنچے۔

۱ اس روایت سے ایک تو تیجہ کا ثبوت ہوا اور دوسرا کھانا سامنے رکھ کر اس پر ختم کہنے کا ثبوت ہوا یہ روایت از وجندی مصنفہ ملا علی قاری میں ہے۔

**جواب:** مولوی عبدالحی صاحبؒ نے مجموعۃ الفتاوی ص۴۲ میں لکھا ہے نہ کتاب از وجندی تصنیف ملا علی قاری ست و نہ روایت مذکور صحیح و معتبر است بلکہ موضوع است و باطل بر آں اعتماد نشاید در کتب حدیث نشانے از ایں روایت یافتہ نمی شود یعنی از وجندی کتاب یعنی ازوجندی کتاب نہ ملا علی قاری کی تصنیف ہے اور نہ یہ روایت صحیح اور معتبر ہے بلکہ موضوع ہے اور باطل۔ اس پر اعتماد نہ کرنی چاہیے حدیث کی کتب میں ایسی روایت

کا کچھ نشان نہیں پایا جاتا۔

مولوی محمد صدر الدین نے کہا ہے یہ حدیث وضعی ہے اور بنانے والا اس کا کاذب اور مفتری ہے اور اقد جندی کوئی کتاب ملا علی قاریؒ کی تصنیف سے نہیں ہے انتہی، محمد صلاح الدین صدر صدور دہلی، محمد قطب الدین، محمد بشیر نذیر، سید محبوب علی جعفری دہلی، فقیر خواجہ ضیاء الدین احمد دہلوی، حفیظ اللہ دہلوی، نواز بخش علی دہلوی، رحمت اللہ دہلوی، محمد عبد الرب دہلوی محمد تقی خاں دہلوی انتھی علاوہ بیسؒ اور علماء کی مواہیر ہیں (فتاویٰ رشیدیہ صفحہ ۱۰۱)

الجواب صحیح، اور اس کا واضع ملعون ہے کہ فخر عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر تہمت کرتا ہے فقط۔ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ۔

# تیجا، ساتواں، چالیسواں، سالانہ وغیرہ

علامہ حسام الدین علی متقی حنفیؒ نے فرمایا۔ ان ھذا الاجتماع فی الیوم الثالث خصوصًا لیس فیہ فرضیۃ ولا فیہ وجوب ولا فیہ سنۃ ولا فیہ استحباب ولا فیہ منفعۃ ولا فیہ مصلحۃ فی الدین بل فیہ طعن و مذمۃ و ملامۃ علی السلف حیث لم یتنبھوا بل علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم حیث ترک حقوق المیت بل علی اللہ سبحانہ وتعالیٰ حیث لم یکمل الشریعۃ وقد قال اللہ تعالیٰ: اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِینَكُمْ الآیۃ (تفہیم المسائل صفحہ ۱۴۵) فیکون حرامًا لتضمنہ ہذہ القبائح وغیرہا کما سیاتی۔

یعنی خصوصیت کے ساتھ تیسرے روز کا اجتماع نہ تو فرض ہے نہ واجب نہ سنت نہ مستحب، نہ اس میں دینی فائدہ نہ مصلحت، بلکہ اس میں طعن، مذمت اور ملامت ہے سلف پر کہ انہوں نے بتایا نہیں بلکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر طعن ہے کہ آپ نے میت کے حقوق بتانے چھوڑ دیئے بلکہ خدا پاک پر طعن ہے کہ شریعت مکمل نہیں کی اور ہماری بدعات کی محتاج ہے حالانکہ خدا کا فرمان ہے الیوم اکملت لکم دینکم یعنے آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا ہے لہٰذا یہ خصوصی اجتماع کئی قبائح کو متضمن ہونے کی وجہ سے حرام ہے۔

امام نووی نے شرح منہاج ص۲۲ میں لکھا۔ والطعام فی الایام المخصوصۃ کالثالث والخامس والتاسع والعاشر والعشرین والاربعین والشھر السادس والسنۃ بدعۃ ممنوعۃ۔ (انوار ساطعہ ص۲۲۵) مخصوص دنوں میں کھانا کھلانا۔ مثلاً تیجہ، پانچواں، ساتواں، نواں، دسواں، بیسواں، چالیسواں، ششماہی اور سالیانہ یہ سب بدعۃ ممنوعہ ہیں۔

مرقاۃ ص۲۸۲ میں ہے قرر اصحاب مذہبنا من انہ یکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الاسبوع۔

ہمارے حنفی فقہاء نے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ میت کے پہلے اور تیسرے روز اور ہفتہ کے بعد کھانا تیار کرنا مکروہ (تحریمی ہے)

فتاوٰے کبریٰ ص۷ میں ہے کہ ابن حجر مکی سے سوال ہوا کہ دفن میت کے بعد تیسرے روز فقیروں وغیرہم کے لیے جو کھانا تیار کیا جاتا ہے اور ساتویں روز بھی تو اس کا کیا حکم ہے؟ تو آپ نے اس کا جواب دیا کہ جمیع ما یفعل مما ذکر فی السوال من البدع المذمومۃ سوال میں مذکور سب چیزیں مذموم بدعت ہیں۔

ابن امیر الحاج مالکی نے مدخل ص۲۷۵ میں کہا مما احدثہ بعضہم من فعل التثلیث للمیت وعملہم الاطعمۃ فیہ حتی صار عندہم کانہ امر معمول بہ۔
یعنے بعض نے تیجہ پر طعام تیار کرنے کی بدعت نکالی ہے اور ان کی معمول بہ بن گئی

فتاوٰے بزازیہ ص۸۱ میں ہے یکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الاسبوع والاعیاد ونقل الطعام الی القبر فی المواسم۔
یعنے پہلے، تیسرے، ساتویں دن عیدوں کے موقع پر اور موسم بموسم قبر کی طرف طعام لے جانا یہ سب باتیں مکروہ ہیں۔

مدارج النبوۃ ص۴۲۲ میں ہے وعادت نبود کہ برائے میت جمع شوند وقرآن خوانند وختمات خوانند نہ بر سر گور ونہ بر غیر آں وایں مجموع بدعت است نعم برائے تعزیۃ اہل بیت وجمع وتسلیۂ وصبر فرمودن ایشان را سنت ومستحب ست اما ایں اجتماع مخصوص روز سوم وارتکاب تکلفات دیگر وصرف اموال بے وصیت از حق یتامیٰ بدعت وحرام۔
یعنے خاص تیسرے روز کا اجتماع اور دوسرے تکلفات کرنے اور بغیر وصیت کے

یتیموں کے حق سے مال خرچ کرنا بدعت ہے، اور حرام۔ اسیطرح شرح سفر السعادۃ صفحہ ۲۹ واشعۃ اللمعات صفحہ ۶۰۳ میں بھی ہے۔

جامع البرکات میں ہے "آنکہ بعد سالے یا ششماہی یا چہل روز دریں دیار پزند و درمیان برادران بخشش کنند و آں را بھاجی می گویند چیزے داخل اعتبار نیست بہتر آن است کہ نہ خورند۔ (مجموعہ فتاوے صفحہ ۱۶۰)

یعنے اس ملک میں سال، چھ ماہ، یا ۴۰ روز کے بعد کھانا پکاکر برادری کو دیتے ہیں جسے بھاجی کہتے ہیں اس کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ یہ کھانا نہ کھائیں۔

کشف الغطاء میں شیخ الاسلام نے لکھا ہے "آنچہ متعارف شدہ از پختن اہل مصیبت طعام را در سوم و قسمت نمودن آن میان اہل تعزیت و اقران غیر مباح و نامشروع است و تصریح کردہ بدان در خزانہ۔ چہ شریعت دعوت نزد سرور داست نہ نزد شرور۔

یعنے یہ جو تیسرے روز رواج ہے کہ مصیبت والے کھانا پکاکر تعزیت کرنے والوں اور دوسرے ہم عصروں میں تقسیم کرتے ہیں یہ ناجائز ہے خزانۃ الروایات میں اس کی تصریح ہے کیونکہ دعوت کرنا خوشی میں جائز ہے نہ غمی میں۔

مجموعۃ الفتاوے صفحہ ۱۶۲ میں ہے۔ مقرر کردن روز سوم وغیرہ بالتخصیص وا ورا ضروری انگاشتن در شریعت محمدی ثابت نیست۔ صاحب نصاب الاحتساب آن را مکروہ نوشتہ در اہ تخصیص بگذارند و ہر روزیکہ خواہد ثواب بروح میت رسانند۔

یعنے خصوصیت کے ساتھ تیجا وغیرہ کا روز مقرر کرنا اور اس کو ضروری سمجھنا شریعت میں ثابت نہیں ہے نصاب الاحتساب والے نے اس کو مکروہ لکھا ہے اور تخصیص کی راہ چھوڑ کر جس روز بھی میت کی روح کو ثواب پہنچانا چاہیں پہنچائیے۔

تحفہ نصائح صفحہ ۴۸ میں ہے ؎ بیدان زیارت سنت است لیکن زیارت روز و شب معہود سیوم ہفتے دال بدعت ہے لیکن حذر رشو۔

زیارت قبور سنت تو ہے لیکن زیارت کا وقت مقرر نہیں دن ہو یا رات، خاص تیسرے، ساتویں کو بدعت سمجھ کر اس سے ہمیشہ پرہیز کر۔

شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے تفہیمات الٰہیہ ج ۲ ص ۱۷۴ وصیت نامہ ص ۲۷ میں کہا
دیگر از عادات شنیعۂ ما مردم اسراف است در ماتم ہا و سیوم و چہلم و ششماہی و فاتحہ سالینہ
و ایں ہمہ را در عرب اول وجود نبود مصلحت آں ست کہ غیر تعزیت وارثان میت تا سہ
روز و اطعام شاں یک شب و روز رسمے نہ باشد۔

یعنے ہم لوگوں کی بُری عادت میں سے ہے ماتم کے موقع پر فضول خرچی کرنا اور تیجا
چالیسواں، چھ ماہی، سالانہ فاتحہ۔ جن کا کچھ وجود پہلے عرب میں نہ تھا۔ بھلائی اس میں
ہے کہ تین روز تک میت کے وارثوں کی تعزیت، اور ایک رات دن ان کو کھانا کھلانے
کے بغیر کوئی رسم نہ ہووے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے وصیت نامہ ملحقہ بہ مالا بد منہ ص ۱۶۰ میں فرمایا۔
بعد مُردنِ من رسوم دنیوی مثل دہم و بستم و چہلم و ششماہی و برسینی ہیچ نکنند
یعنے میرے مرنے کے بعد دسواں، بیسواں، چالیسواں، چھ ماہی برسی جیسی دنیوی رسمیں
کچھ نہ کی جائیں۔

حضرت خواجہ محمد معصومؒ نے مکتوبات کے مکتوب ۱۱ میں سوال ششم کے جواب میں لکھا
مخدوما طعام دادن للہ تعالیٰ بے رسم و ریا و ثواب آں بمیت گذرانیدن بسیار خوب
ست و عبادت بزرگ ۔ اما تعیین وقت اصل معتمد علیہ ظاہر نمی شود۔ در روز سوم
گُل دادن بمردگان بدعت است۔

یعنے بغیر رسم اور ریا کے محض للہ کھانا کھلانا اور اس کا ثواب میت کو پہنچانا بہت
خوب اور بڑی عبادت ہے لیکن تعیین وقت کی کوئی معتمد علیہ دلیل ظاہر نہیں ہوتا۔
اور تیسرے روز مُردوں کی قبروں پر پھول ڈالنا بدعت ہے۔

مخدوم جہانیاں جہاں گشت اپنے ملفوظات الدر المنظوم ص ۸۳ میں فرماتے ہیں اس
زمانہ میں سیوم کے روز میت کی زیارت کے واسطے شربت اور پنگ اور میوہ لے جاتے
ہیں اور کھاتے ہیں ۔۔۔ اور صندوق لے جاتے ہیں اور سیپارہ خوانی کرتے ہیں یہ مکروہ
ہے

سوال:- ہدیۃ الحرمین میں ہے کہ حضرت نے اپنے بیٹے ابراہیم کے سیوم و دسواں و بیسواں و چہلم وغیرہ میں چھوہارے پر فاتحہ دیا اور اصحابوں کو کھلایا۔

جواب:- یہ قصہ جو ہدیۃ الحرمین لکھا ہے محض غلط ہے۔ کتب معتبرہ میں اس کا نشان نہیں ہے۔

واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو المحاسنات محمد عبد الحئی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی و الخفی
(فتاویٰ رشیدیہ ص)

# مسئلہ اسقاط

جب کوئی شخص مرجاتا ہے تو اس کے ذمہ جتنے روزے اور نمازیں وغیرہ ہوتی ہیں اس کے لیے ساڑھے باون سیر گیہوں اور ایک قرآن شریف رکھتے ہیں اور مؤذن یا ملا کو بلا کر اُسے کہتے ہیں کہ فلاں بن فلاں کے ذمہ جس قدر روزے نمازیں باقی ہیں ان کے عوض میں تمہیں یہ گیہوں اور قرآن مجید دیا جاتا ہے تم نے قبول کیا۔ وہ کہتا ہے ہاں قبول کیا۔ پھر وہ ملا گیہوں اور قرآن شریف لے جاتا ہے۔ اس طریقے کو لوگ حیلہ کہتے ہیں (یا اسقاط یا حیلہ اسقاط کہتے ہیں۔)

یہ رسم تھوڑے تھوڑے اختلاف اور تفاوت کے ساتھ ہندوستان کے بعض شہروں میں بھی رائج ہے اور اسے اسقاط کہتے ہیں۔ اس کی اصل یہ ہے کہ جب کسی شخص کا انتقال ہو جائے اور اس کے ذمہ فرائض اسلامیہ کی قضا باقی ہو جس میں نماز، روزے، کفارہ قسم قربانی وغیرہ داخل ہیں تو ان فرائض و واجبات کا فدیہ اس کی طرف سے ادا کرنے سے امید ہے کہ اس کا ذمہ بری ہو جائے پھر اگر میت نے وصیت کر دی ہو کہ میری تمام نمازوں روزوں کا فدیہ وغیرہ دیدیا جائے۔ جب تو وارث کو لازم ہے کہ جس قدر نمازیں اور روزے وغیرہ میت نے بتائے ہیں یا وارث کو معلوم ہیں اُن کا پورا فدیہ دے۔ اور ثلث مال تک اس میں خرچ کرے۔ اگر بصورت وصیت پورا فدیہ ثلث مال یا اس سے کم میں ادا ہو جاتا ہو تو پورے فدیہ سے کم ادا کرنے میں وارث گنہگار ہوگا (راہ سنت از اصلاح الرسوم ص)

اور اگر میّت نے باوجود مال ہونے کے وصیت نہیں کی یا وصیت کی مگر جتنی نمازیں اور روزے اُس کے ذمّے تھے ان سب کے فدیہ کی پوری مقدار کی وصیت نہیں کی تو پہلی صورت میں وارث کے ذمّے فدیہ دینا اور دوسری صورت میں پُورا فدیہ دینا، (خواہ ثلث کے اندر ہو) ضروری نہیں اور مرنے والا ان دونوں صورتوں میں گنہ گار ہوگا (دلیل الخیرات ص۱۵۱ بحوالہ رد المحتار)

اور جب کہ میّت نے بالکل وصیت نہیں کی۔ یا مال نہیں چھوڑا۔ یا ثلث سے زائد وصیت کی۔ یا تھوڑے سے روزوں اور نمازوں کے فدیہ کی وصیت کی حالانکہ ثلث میں اس سے زیادہ گنجائش تھی۔ یہ چار صورتیں ہیں۔ پہلی چار صورتوں میں وارث کے ذمّہ بالکل اور تیسری صورت میں زائد علی الثلث اور چوتھی صورت میں زائد علی الوصیت فدیہ دینا واجب نہیں۔ لیکن اگر وارث تبرعاً دینا چاہے تو دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ وارث مالدار ہو اور میّت کے ذمّے جس قدر نمازیں روزے وغیرہ فرائض واجبات شرعیۃ ہیں ان سب کا پُورا حساب کر کے فدیہ دے تو اس کے جواز بلکہ استحسان میں کلام نہیں۔ بلاشبہ یہ فعل جائز اور مستحسن ہے۔ دوسری صورت یہ کہ وارث کے پاس بھی مال نہیں ہے یا ہے مگر وہ پورا فدیہ دینا نہیں چاہتا تو اس کے لیے فقہاء نے ایک صورت تجویز کی ہے کہ اس پر عمل کرنے سے ممکن ہے کہ میّت کا ذمّہ بھی بری ہو جائے اور میّت پر بھی زیادہ بار نہ ہو۔

وہ یہ کہ جس قدر نمازوں کا وہ فدیہ دے سکتا ہو خواہ اپنے مال سے یا قرض لے کر اتنی نمازوں کی طرف سے وہ فدیہ کسی فقیر کو دے۔ مثلاً۔ اس کے پاس چار صاع گیہوں ہیں تو یہ کہے کہ یہ آٹھ نمازوں کا فدیہ ہے اور فقیر کو دے کر قبضہ کرا دے پھر وہ فقیر یہ گیہوں وارث کو ہبہ کر دے اور وارث قبضہ بھی کر لے۔ پھر یہ وارث وہی گیہوں اسی فقیر یا کسی اور فقیر کو اور آٹھ نمازوں کے بدلے میں دے اور پھر وہ فقیر وارث کو ہبہ کر کے قبضہ کرا دے۔ اسی طرح اگر میّت کے ذمّہ اسّی نمازیں تھیں تو دس مرتبہ دَور کرے یعنی وارث فقیر کو دے اور فقیر وارث کو ہبہ کرے اور ہر مرتبہ قبضہ کر لینا شرط ہے ورنہ صدقہ یا ہبہ صحیح نہ ہوگا۔ پھر جب نمازیں پُوری ہو جائیں تو روزوں کے بدلے اسی

طرح کرے کہ یہ چار صاع آٹھ روزوں کے بدلہ میں ہے اور پھر فقیر اسی طرح ہبہ کردے وعلیٰ ہٰذا۔ یہاں تک کہ روزے پورے ہو جائیں۔ پھر دوسرے واجبات کو اسی طرح پورا کیا جائے اور جب سب سے فارغ ہو جائے تو اخیر میں خواہ فقیر وارث کو ہبہ نہ کرے لیکر چلا جائے یا ہبہ کردے تو وارث اپنی رضامندی سے فقیر کو یہ کل چار صاع یا اس کا کوئی حصہ دیدے۔

یہ ہے اسقاط کی وہ ترکیب جو فقہا نے بیان فرمائی ہے لیکن اس ترکیب سے اسقاط جہاں تک ہمیں معلوم ہے کوئی نہیں کرتا (دلیل الخیرات ص۱۶)

لیکن یہ اسقاط کا فعل دفعل دور وارث کے ذمے اور ضروری نہیں بلکہ محض تبرع ہے اور ابراء ذمہ میت کے لیے ایک حیلہ ہے اگر اسے ضروری سمجھا جائے تو ناجائز اور بدعت ہو جائیگا۔

نیز:- یہ بھی ضروری ہے کہ بصورت عدم وصیت میت کے ترکہ میں سے جبتک کہ تمام ورثہ بالغ اور حاضر نہ ہوں کوئی مقدار اسقاط میں نہ دی جائے اور ثلث تک کی وصیت میں زائد علی الثلث اور ثلث سے کم کی وصیت میں زائد علی الوصیت بدون رضا تمام ورثہ کے اسقاط میں کوئی مقدار نہ دی جائے اگر کوئی دیگا وہ خود ضامن ہوگا۔

الحاصل:- سوال کا مندرجہ طریقہ بے اصل اور ناجائز ہے بے اصل ہونا تو اس لیے کہ اس خاص مقدار کے تمام فرائض و واجبات کی طرف سے کافی ہو جانے کی کوئی دلیل نہیں اور ناجائز ہونا اس لیے کہ اس میں ساڑھے باون سیر کی تعیین بدعت ہے نیز قرآن مجید کی قیمت متعین نہیں کی جاتی۔ کہ اس کے لحاظ سے فدیہ کی مقدار معین ہو کر کتنی نمازوں کا ہوا۔

تنبیہ:- یہ رسم بعض مقامات میں اس طرح ادا کی جاتی ہے کہ صرف ایک قرآن مجید فقیر کو یہ کہہ کر دیتے ہیں کہ قرآن مجید چونکہ خدا کا کلام ہے اس لیے اس کی کوئی قیمت نہیں اور بوجہ بے قیمت ہونے کے تمام نمازوں اور روزوں اور دیگر واجبات کا جھگڑا

کفارہ میت کے ذمہ ہو اس سب کے بدلے میں ہم یہ قرآن شریف دیتے ہیں اور فقیر قبول کر لیتا ہے۔

یہ طریقہ بھی ناجائز ہے کیونکہ یہی حضرات جو فدیہ میں قرآن شریف کو بے قیمت بتاتے ہیں۔ جب فدیہ کے واسطے خریدنے جاتے ہیں تو بجائے روپیہ کے بارہ آنے اور بجائے ۱۲ کے ۱۰ رکو جھگڑ جھگڑ کر خریدتے ہیں خریدتے وقت اس کا بے قیمت ہونا بھول جاتے ہیں اور یہ تقریباً محال ہے کہ دکاندار اگر اس کی قیمت ایک روپیہ بتلائے تو یہ بنظر قدر شناسی قرآن مجید اس کو دو دو روپیہ خود دے دیں۔

بہرحال یہ قرآن مجید جو کاغذ پر لکھا یا چھپا ہوا ہوتا ہے شرعاً مال متقوم ہے اور کفارات و معاوضات میں اس کی اصل قیمت کا اعتبار ہوگا اور اس لیئے وہ صرف اتنی نمازوں کا فدیہ ہو سکے گا جتنی نمازوں کے فدیہ تک اس کی قیمت پہنچے گی۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ بعض مقامات میں لوگ کچھ غلہ فقیر کو یہ کہہ کر دیتے ہیں کہ میت کے ذمہ جو کچھ گناہ تھے وہ تم نے اپنے اوپر لیئے ؟ اور جاہل فقیر کہتا ہے لیئے ! اور وہ غلہ اُس کو دے دیا جاتا ہے۔

یہ صورت تمام صورتوں سے بدتر ہے اور اس میں ڈر ہے کہ لینے والوں اور دینے والوں کا ایمان بھی جاتا ہے۔ دینے والوں کا اس لیئے کہ انہوں نے صریح طور پر آیۂ قرآنی وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ اور وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ کے خلاف یہ عقیدہ جمایا کہ میت کے گناہوں کے بدلے میں چند پیسوں یا چند روپیوں کا غلہ فدیہ بن گیا اور یہ گناہوں کا مواخذہ اصل مجرم سے ہٹا کر کسی دوسرے کے ذمہ بھی ڈالا جا سکتا ہے اور یہ دونوں باطل اور قطعاً باطل ہیں اور لینے والے جاہل کا ایمان بھی انہی وجوہ سے معرض خطر میں آگیا۔ نیز اس لیئے کہ اس نے خدا کے عذاب کو ہلکا سمجھا اور اس کو اپنے سر پر لینے کی جرأت کی۔ نعوذ باللہ (دلیل الخیرات ص۱۵)

# مجوزہ حیلۂ اسقاط اور مروجہ حیلۂ اسقاط میں فرق

| مجوزہ حیلہ اسقاط | مروجہ حیلہ اسقاط |
|---|---|
| ۱۔ فدیہ جنازہ کے ہمراہ نہیں لے جاتے | فدیہ جنازہ کے ہمراہ لے جاتے ہیں۔ |
| ۲۔ علمائے مخلص کو محفل میں بٹھا کر دیا جس کے ذمے فرائض ہوں | ہر شخص کے لئے ہر محفل میں غنی پر بھی یہ حیلہ ہوتا ہے۔ |
| ۳۔ باقاعدہ فرائض کا حساب کرکے حساب سے باقی کو دیں | بعض جگہ ایک حلقے میں تین چکر لگاتے ہیں شامل ہو کر کم یا بہت |
| ۴۔ فدیہ صرف فقیر و مسکین کو دینا ضروری ہے | غنی بھی شریک ہو جاتے ہیں سید بھی۔ |
| ۵۔ یہ حیلہ مباح ہے نہ کرنے والا قابل ملامت نہیں | واجب سمجھا جاتا ہے۔ نہ کرنے والوں کو بد عقیدہ سمجھتے ہیں |
| ۶۔ اس حیلے سے رجاء من اللہ ہے | اس حیلہ میں ریا اور استہزاء ہے |
| ۷۔ تملیک شرط ہے | تملیک نہیں ہوتی۔ |
| ۸۔ قرآن مجید نہیں لیتے | قرآن کریم کی توہین ہوتی ہے۔ |

## مروجہ اسقاط کی خرابیاں

(۱) بلاوجہ دفن میں تاخیر (۲) عوام اسے ضروری سمجھتے ہیں (۳) عوام ارکانِ اسلام کی ادائیگی میں سستی کرنے لگتے ہیں کہ حیلے سے فرض و واجب معاف ہو جائیں گے۔ (۴) مستحقین کو خیرات نہیں ملتی پیشہ ور لے جاتے ہیں۔ (۵) ریا اور نمود ہوتی ہے اخلاص شاذ و نادر (۶) غنی کے بچے بھی لینے آجاتے ہیں اکثر مانگنے کے عادی بن جاتے ہیں (۷) مساجد کے امام احساس کمتری کے شکار ہو جاتے ہیں۔

## دورانِ قرآن

بعض لوگ کہتے ہیں کہ فقیہ ابو اللیث سمرقندی نے اپنے فتاویٰ میں حیلۂ اسقاط بصورت قرآن گردانی کا ثبوت حضرت امام عمر رضی اللہ عنہ سے دیا ہے۔

حدثنا العباس بن سفیان عن ابن عُلیّۃ عن ابن عون عن محمد عن عبداللہ قال

قال عمر رضی اللہ عنہ ایہا المؤمنون اجعلوا القرآن وسیلۃ لنجاۃ الموتیٰ فتحلقوا وقولوا اللّٰہم اغفر لہذا المیت بحرمۃ القرآن المجید - وتناولوا بایدیکم متناوبۃ وفعل عمرؓ فی آخر الخلافۃ مثلہ فی زمانہ لامرأۃ ملقبۃ بجبیبۃ بنت عربد زوجۃ قلاب (وفی نسخۃ ملاب) بجزء القرآن من مالہ الی عم یتساءلون وشاع فعلہ فی زمان خلافۃ عثمان رضی اللہ عنہ بانکار مروان بعناد وقال الامام السمرقندی ثم اشتہر فی خلافۃ ہارون الرشید من غیر انکار نکیر دوران القرآن لحیلۃ الاسقاط - فاصلہ ثابت عن عمرؓ وان لم یذکر فی الکتب المشہورۃ من الاحادیث ولکنہ مذکور فی الکتب من التواریخ بسند قوی کما قال المؤرخ صاحب الفتوح اخبرنا ابو عاصم عن ابن جریج عن ابن شہاب عن ابی سلمۃ عن ابی موسیٰ قال فعل عمر تعاور جزء القرآن فی حلقۃ عشرین رجلاً بعد صلوۃ الجنازۃ لامرأۃ ملقبۃ بجبیبۃ الخ ولرجل من قبیلۃ الانصار حفظنا آخرہ وثبت بہذا السند ایضاً - اخبرنا سعد عن ایوب عن جمیع من عبد الرحمٰن بن ابی بکرؓ انہ اہ دوران القرآن عمرؓ والقرآن شافع للمؤمنین حیاتاً وبعد مماتؓ -

یعنے بسند ثابت ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا مومنو! قرآن کو مردوں کی نجات کا ذریعہ بناؤ پس حلقہ بنا کر کہو اے اللہ! اس میت کو اس قرآن کی حرمت سے بخش دے اور باری باری ایک دوسرے کے ہاتھوں سے قرآن کو لیتے رہو۔

خلافت عمرؓ کے آخری ایام میں جبیبہ بنت عربد قلاب کی بیوی کے لیے حیلہ کیا گیا تھا اور یہ طریقہ عہد عثمانیؓ میں مشہور ہو چکا ہے پارہ نمبر ۲۳ سے پارہ نمبر ۳۰ تک جو قرآن کریم کی جزء تھی اس کے ساتھ حیلہ کیا گیا۔

اور یہ طریقہ عثمانی عہد عثمانیؓ میں مشہور ہو چکا تھا البتہ مروان نے عناداً اس پہ اعتراض کیا تھا۔

امام سمرقندیؒ نے فرمایا کہ یہ طریقہ ہارون الرشید کی خلافت میں رائج ہو چکا تھا کہ انہوں نے حیلہ اسقاط میں دوران قرآن بھی کیا اور اس پر کسی نے بھی انکار نہیں کیا تھا تو اس کی اصل حضرت عمرؓ سے ثابت ہے اگرچہ اس کا ذکر مشہور کتابوں میں نہیں ہے

لیکن تاریخ کی بعض کتابوں میں قوی سند کے ساتھ اس کا ذکر ہے چنانچہ مؤرخ صاحب فتوح نے کہا ہے کہ بسند حضرت عمرؓ نے بیسؓ آدمیوں کے حلقہ میں نماز جنازہ کے بعد جبلیہ نامی ایک عورت اور انصاری ایک مرد کے لیے دوران قرآن کیا اور دوسری سند سے یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت عمرؓ دوران قرآن کے موجود ہیں اور قرآن مومنوں کے لیے زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی سفارش کرنے والا ہے۔

جواب عباس بن سفیان مجہول ہے کتب اسماء الرجال میں کہیں اس کا ذکر نہیں نیز یہ روایت منقطع ہے ان کے درمیان کئی راویوں کے نام حذف ہیں کیونکہ حضرت فقیہ المحدثین ۲۳ھ میں فوت ہوئے اور ابن عُلیہ ۱۹۳ھ یا ۱۹۴ھ میں فوت ہوئے ان دو کے مابین ۱۸۹ سال کا عرصہ ہے۔ اتنے طویل عرصہ میں صرف ایک راوی کا ہونا تعجب سے خالی نہیں اور مؤرخ صاحب فتوح محمد بن عمر واقدی ہے جسے امام بخاریؒ ابن مبارکؒ ابن نمیرؒ اور اسماعیل بن زکریا نے متروک الحدیث کہا ابن معین نے ضعیف اور لیس بشئ کہا۔ احمد بن حنبل نے کذاب اسحٰق بن راہویہ و ابو حاتم نے وضاع کہا بزار نے کہا۔ میں نے اس سے بڑا جھوٹا نہیں دیکھا۔

نسائی نے کہا واقدی ان چار کذابوں میں سے ہے جن نے جعلی حدیثیں گھڑ گھڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان باندھا۔ امام شافعیؒ نے کہا واقدی کی سب کتابیں نرا جھوٹ ہیں۔ پھر اس کی سند میں ابن جریج مدلس قبیح التدلیس ہے اور بلفظ عن روایت کرتا ہے امام مالکؒ نے اسے حاطب اللیل کہا احمد بن حنبل نے کہا کہ موضوع روایات نقل کرتا ہے۔

روایت میں ثقہ و غیر ثقہ کی تمیز نہ کرتا۔ ابن معین نے کہا ابن جریج کی روایت جو محمد بن شہاب زہری سے ہو وہ لیس بشئ ہے اور یہ روایت زہری ہی سے ہے نیز ابن جریج جوازِ متعہ کا قائل ہے بلکہ خود نوّے عورتوں سے متعہ کیا۔

(میزان الاعتدال صفحہ ۱۵۰ ج ۲ و تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۴۰۶)

اور تیسری سند کے سب راوی مجہول ہیں پس روایت کو حجت میں پیش نہیں کر سکتے

توجیہ النظر ص۲۱۹ و فتح المغیث ص۱۰۹ و مقدمہ ابن صلاح ص۱۱ میں بیہقی کا قول نقل ہے

مَن جاء الیوم بحدیث لا یوجد عند الجمیع لا یقبل۔

یعنے آج جس نے ایسی حدیث پیش کی جو تمام محدثین کے نزدیک نہ ہوا ور انہوں نے ذکر نہ کیا ہو تو وہ مقبول نہیں۔ نیز درایۃً بھی روایت مردود ہے لفظ دَوَّرَانِ وَاَوْجَدَ سے اس کی وضع عیاں ہوتی ہے پھر حضرت عمرؓ و عثمانؓ کے ذمے ایک ایسا کام ذمہ لگانا جس سے وہ متنفر تھے یعنی بدعت۔ پھر مروان کو قرآن دشمنی سے متصف کرنا۔ پھر کتب حدیث کا ناقص ہونا اور کتب تاریخ کا کامل ہونا ظاہر کرنا پھر ان رُواۃ کو نام لے کر جن کا کتب رجال میں نشان نہیں اس بات کی طرف اشارہ کرتا کہ علماء اہلسنت کی کتب ناقص ہیں جن میں اُن رواۃ کا ذکر ہی نہیں یہ سب مردود ہونے پر صاف دال ہیں۔

سوال:۔ دس دالبرکا میں کتاب الحیل للامام محمدؒ کے حوالہ سے منقول ہے۔

قال الامام محمد اسہل طریقۃ ان یبیع الوارث علی الفقیر مصحفاً صحیحاً قابلاً للقراءۃ بغبن فاحش ثم یہب الفقیر لہ ثم و ثم حتی یستتم لعل اللّٰہ یجعلہ فدیتہ فی مقابلۃ الصوم والزکوٰۃ والمنذورات الی آخرہ۔

یعنے امام محمدؒ نے فرمایا کہ آسان طریقہ یہ ہے کہ میت کا وارث ایک صحیح قرآنی نسخہ جو پڑھنے کے قابل ہو نے کر فقیر پر بھاری رقم کے عوض بطور حیلہ کے فروخت کر دے پھر فقیر وارث کو ہبہ کر دے پھر وہ فقیر کو دے حتیٰ کہ نماز، زکوٰۃ اور منذورات وغیرہ کا حساب مکمل ہو جائے شاید کہ اللہ تعالےٰ اس کو اس کا فدیہ بنا دے معلوم ہوا حیلہ شرعًا دُرست ہے۔

جواب:۔ یہ امام محمد پر بہتان ہے امام محمدؒ کی تصنیف کتاب الحیل نہیں۔

جواہر المضیئہ ص۴۲ میں ہے کہ ابو سلیمان جرجانی نے فرمایا لوگوں نے امام محمدؒ پر جھوٹ کہا کتاب الحیل آپ کی تصنیف نہیں یہ وَرّاق کی تصنیف ہے۔ نیز یہ غبن فاحش خدا کے ساتھ دغا بازی کرنا ہے۔

تبھی احکام شریعت ص۱۲۵ میں احمد رضا خان صاحب بریلوی نے لکھا جتنی قیمت

قرآن عظیم کی بازار میں ہے اتنے کا کفارہ ادا ہو جائے گا۔
اور جاء الحق صفحہ ۲۶۶ و فتاوی نور الہدی صفحہ ۹۳ میں بھی اسی طرح ہے اور الجموع لالزقعات میں لکھا ہے۔
وان دور ان القرآن لازم عند الافلاس و عدم قدرۃ اداء الفدیۃ
بہر حال قرآن پاک ہاتھوں ہاتھ لینے دینے کی رسم حیلۂ اسقاط کے لیے کوئی شرعی حکم نہیں گو کسی نے دو تین غیر مشہور کتابوں میں کبھی نے لکھ مارا۔

# چند اہم سوال اور انکے جوابات

سوال:- جذب القلوب میں ہے کہ عقیل بن ابی طالب نے اپنے گھر میں کنواں کھودا وہاں سے ایک پتھر (قبر کا) نکلا تھا جس پر لکھا تھا "قبر ام حبیبہ بنت صخر بن حرب" عقیل نے وہ کنواں بھر دیا "و عمارتے بر بالائے قبر بنا کرد" - اور اس قبر پر عمارت بنا دی اس معلوم ہوا کہ عہد صحابہؓ میں صحابہ کرامؓ سے بناء علی القبر ثابت ہے نیز امیر عمرؓ نے زینبؓ بنت جحش پر خیمہ لگایا اور محمد بن حنفیہ نے قبر ابن عباسؓ پر۔

جواب:- اس بات کو جناب شیخ نے بغیر کسی حوالہ کے اور بغیر کسی سند کے بیان کیا اور صاحب ہدایۃ المرتاب نے صفحہ میں کہا حدیث کی صحت کی مدار اسناد باقاعدہ پر ہے نیز جو معنے بناء علے القبر کے منع ہونے کے لیے ہیں وہی اس حدیث میں موجود ہے تو جیسے اس حدیث میں موجود ہے۔ تو جیسے اس کا جواب آپ مرحمت فرمائیں گے وہی جواب ہماری طرف سے سمجھ لینا۔

سوال:- بوجہ استراحت زائرین و فاتحہ خوانان قبر مبارک قبہ بنانا جائز ہونا چاہیے اس کو عبث اور کراہت پر حمل کرنا نامناسب ہے۔

جواب:- قبریں استراحت کا مقام نہیں عبرت کا مقام ہے اور فاتحہ پڑھنا قبر پر کوئی واجب فرض نہیں اور نہ ہی شریعت میں اس کا وقت معین ہے کہ اگر اس وقت قبر پر

فاتحہ پڑھنے نہ جائیں گے تو قضا واجب ہو جائے گی۔

دیکھئے! باجماعت نماز پڑھنا عند المحققین واجب ہے اور نماز وں کے اوقات بھی معین۔ مگر بارش، سخت ٹھنڈی ہوا یا آندھی یا ژالہ باری وغیرہ اعذار ایسے ہیں جن کے ہوتے ہوئے باجماعت نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں حاضر ہونا معاف ہو جاتا ہے جیسے نور الایضاح معہ ص۱۶۵ و کبیری وغیرہ کتب فقہ میں مصرح ہے۔ تو قبور کے لیے اہتمام کرنا قبوں کا اس غرض کو مدنظر رکھ کر اس امر کا غماز ہے کہ مساجد سے قبور کا اہتمام کرنا اہم ترین ہے۔

سوال:- عوام جن کی نظر صرف ظاہر پر ہوتی ہے اور بغیر ظاہری سامان کے ان کے دلوں میں عظمت بزرگوں کی تعظیم نہیں بیٹھتی۔ ان کے بچانے کے لیے کہ ان کی آنکھوں میں تعظیم صاحبان عظمت کی نمایاں ہو تاکہ وہ معزز حضرات مقبورین کی تحقیر نہ کریں۔

جواب:- یہ تعلیل نص کے مقابلہ میں ہے جو مردود ہے کما ہو مصرح فی اصول الفقہ؟ جتنا بڑا عالم ہے۔

## خواب اور غیر مجتہد کا قول و فعل

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے اخبار الاخیار ص۹۳ میں لکھا ہے۔

"مشرب پیر حجت نیست دلیل از کتاب و سنت می باید"

یعنے پیر صاحب کا کوئی عمل دلیل نہیں؟ دلیل قرآن و حدیث سے چاہیئے۔

شاہ ولی اللہ صاحب رح نے بلاغ المبین ص۵۵ میں کہا نصیر الدین محمود چراغ دہلوی خلیفہ نظام الدین (اولیاء) گفتہ است فعل مشائخ حجت نہ باشد۔ یعنی چراغ دہلوی نے فرمایا کہ مشائخ کا فعل دلیل نہیں ہوتا۔

مجدد الف ثانی رح نے مکتوبات دفتر اول ص۳۳۵۔ مکتوب ص۲۶۶ میں لکھا۔ عمل صوفیہ در حل و حرمت سند نیست۔ ہمیں بس است کہ ما ایشاں را معذور داریم و ملامت نکنیم و امر ایشاں را بحق سبحانہ و تعالیٰ مفوض داریم۔ اینجا قول امام ابو حنیفہؒ و امام ابو یوسفؒ و امام محمد

معتبر ست نہ عمل ابوبکر شبلی رحہ و ابوالحسن نوریؒ۔

یعنے صوفیوں کا عمل حلال وحرام ہونے میں سند نہیں ہے۔ یہی کافی ہے کہ ہم اُن کو معذور سمجھیں اور ملامت نہ کریں اور اُن کا معاملہ خدا کے حوالے کریں۔ اس جگہ تو امام ابوحنیفہ امام ابویوسف اور امام محمد رحمہم اللہ تعالےٰ کا قول معتبر ہوگا نہ ابوبکر شبلی اور ابوالحسن نوریؒ کا عمل (اسی طرح دوسرے صوفیائے کرام کا عمل)

نفائس الاظہار ترجمہ مجالس الابرار ص۱۲ میں قاضی ابراہیمؒ نے لکھا "اور جو علماء اہل اجتہاد نہیں وہ عوام میں داخل ہیں ان کی بات کا کچھ اعتبار نہیں ہاں اگر ان کی بات اصول اور معتبر کتابوں سے مطابق ہو تو پھر اس وقت معتبر ہوگی۔

شیخ عبدالحق نے تکمیل الایمان ص۲۳ میں کہا" در معتقدات و احکام کفر و ایمان از سواد اعظم بیروں نہ باید رفت و تابع ائمہ مجتہدین باید بود خصوصاً در مادہ اتفاق و اجماع، و در آداب و اخلاق تابع مشائخ باید بود و حُسن ظن و اعتقاد ایشاں باید داشت و توجیہ و تطبیق کلام ایشاں با کلام علماء و مجتہدین باید نمود۔

یعنے اعتقادیات اور کفر و ایمان کے احکام میں سواد اعظم سے باہر نہ جانا چاہیئے اور ائمہ مجتہدین کے تابع رہنا چاہیئے خاص کر جس مسئلہ میں سب کا اجماع اور اتفاق ہو اور آداب و اخلاق میں مشائخ کے تابع رہ کر ان کے حق میں حسن اور حُسن عقیدت رکھنی چاہیئے اور اور ان کے کلام کو علماء کے کلام سے منطبق کرنا چاہیئے۔

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے فتاوےٰ رشیدیہ ص۲ میں کہا" بہر حال یہ تاویل یا مثل اِس تاویل کی کلام بزرگوں میں ضروری ہے اور جو کسی کے فہم میں معنے مراد نہ آویں تو سکوت کرنا چاہیئے کہ حجت ان کے کلام سے نہیں ہے۔ حجت کلام اللہ و سنت رسول اللہ و مجتہدین کے اقوال سے ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے قرۃ العینین ص۲۲۶ میں لکھا ہے" اجماع اہل شرع است بر آنکہ ہیچ حکم از احکام شریعت بواقعات و منامات اتقیاں ثابت نمی شود"

یعنے اہل شرع کا اس پر اجماع ہے کہ شریعت کے حکموں میں سے کوئی بھی حکم واقعات

اور اُمتیوں کے خوابوں سے ثابت نہیں ہو سکتا۔
فتاوے برہنہ صلا میں ہے ترک مذہب بسبب رؤیا روانہ۔
یعنے خواب کی وجہ سے مذہب کا ترک کر دینا روا نہیں۔

# بدعت

ابوداؤد صلا میں ہے مَنْ صَنَعَ اَمْرًا عَلٰی غَیْرِ اَمْرِنَا فَهُوَ رَدٌّ۔
یعنے جس نے ہمارے امر (دین) کے مغایر کام کیا تو وہ مردود ہے۔
مسلم صلا میں ہے مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَیْسَ علیہ امرنا فھو رد۔ اسی طرح بخاری ۲ صلا۱۰۹۲
میں ہے۔
فوائد الفواد صلا میں ہے "بدعت از معصیت بالاتر است و کفر از بدعت بالاتر
بدعت بکفر نزدیک است۔
بخاری صلا، مسلم صلا، ابوداؤد صلا میں ہے مَنْ اَحْدَثَ فی امرنا ھذا
مالیس منہ فھو رد۔
یعنے جس نے ہمارے اس امر (دین) میں کوئی نئی بات نکالی تو وہ مردود ہوگی۔
جامع العلوم والحکم صلا میں حافظ ابن رجب حنبلیؒ نے فرمایا۔ کل مَنْ اَحْدَثَ
فی الدین مالم یأذن بہ اللہ ورسولہٗ فلیس من الدین فی شئ۔
یعنے جس نے دین میں کوئی ایسی چیز ایجاد کی جس کا اذن اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول
نے نہیں دیا تو اس کا دین سے کوئی تعلق نہیں۔ آگے لکھا۔ وفی بعض الفاظہ مَنْ
اَحْدَثَ فِیْ دِیْنِنَا مالیس منہ فھو رد۔ اور اس حدیث کے بعض الفاظ میں
"فی دیننا" کے الفاظ آئے ہیں یعنے جس نے ہمارے اس دین میں کوئی چیز نکالی تو وہ
مردود ہوگی۔
ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری صلا۳۳۱ میں "فی امرنا ہذا" کی تشریح یوں کی "والمراد
بہ من امر الدین"۔

علامہ عزیزی نے السراج المنیر صفحہ ۳۲۱ ج ۳ میں کہا: لمحدث فی دین الاسلام۔
یونہی بذل المجہود صفحہ ۱۹۵ ج ۵ و فتح الملہم صفحہ ۳۰ ج ۲ میں ہے اور مرقاۃ صفحہ ۲۰۱ ج ۱ میں ہے قل اَحْدَثَ
ای ابتدع فی الدین مالیس منہُ۔
یعنے جس نے دین میں ایسی چیز نکالی جو دین میں نہیں (وہ مردود ہے)
شیخ محدث عبدالحق دہلوی نے اشعۃ اللمعات ص ب میں کہا: "رسیدہ است کہ وے
احداث نمودہ و پیدا کردہ است در دین چیزے راکہ نبودہ است۔
یعنے ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ اس شخص احداث کیا یعنے
دین میں وہ چیز پیدا کی جو دین میں نہ تھی۔

# چند مفید اور ضروری مسائل

مسئلہ مستورات کو اجنبی مرد کی میت کو دیکھنا ناجائز ہے۔ اپنے محرم کو دیکھ سکتی ہیں
مسئلہ مٹی دے کر ہاتھ کو پونچھنے یا دھونے میں شرعی ممانعت نہیں ہے
مسئلہ میت کے دفن کرنے والوں کو اولیائے میت سے دعوت لینا جائز نہیں۔
مسئلہ نابالغوں کے مال میں سے خیرات کرنا ناجائز ہے اور اس کھانے کو کھانا بھی جائز نہیں
مسئلہ ایصال ثواب کا کھانا صدقہ ہے اور صدقہ فقراء کا حق ہے۔ اغنیاء کو صدقہ دینے سے
صدقہ کا ثواب نہیں ہوتا
یہ کھانا جو تیسرے یا چوتھے روز اپنی طاقت کے موافق پکا کر مؤذن، امام اور غرباء کو
کھلاتے ہیں اور ان کے ساتھ کچھ خویش و اقارب اور قوم کے آدمی بھی کھاتے ہیں اور اس میں
کچھ مالدار بھی موجود ہوتے ہیں) اکثر ی طور پر رسم کے بموجب کیا جاتا ہے اور اگر رسم سے
مقصد میت کو ثواب پہنچانا ہوتا ہے تو اس کھانے کے مستحق نادار اور غریب لوگ ہیں خویش اقرباء
اور مالدار آدمی اس کے مستحق نہیں ہیں اس میں غیر مستحقین کو شریک ہونا مکروہ ہے
اہل میت کے گھر ضیافت کھانے کی جو رسم پڑگئی ہے یہ یقیناً واجب الترک ہے صرف اہل میت
کے وہ عزیز و اقارب جو دور دور سے آئے ہوں اور ان کی امروزہ واپسی نہ ہو سکے یا اہل

میت کی تسلی کے لئے ان کا قیام ضروری ہو وہ میت کے گھر کھانا کھائیں تو خیر باقی تمام تعزیت کرنے والوں کو اپنے اپنے گھروں کو واپس جانا چاہئے نہ میت کے گھر قیام کریں نہ ضیافت کھائیں

میت کے قریبی رشتہ دار گھر والوں کے لائق کھانا بھیج دیں تو یہ جائز اور مستحب ہے اور یہ بھی صرف تین دن تک۔

مسئلہ قُل یا ختم کا یہ مروّجہ طریقہ غیر شرعی ہے اور اس کا قرونِ ثلاثہ میں وجود نہیں تھا

مسئلہ قبر کو بوسہ دینا اچھا نہیں کہ اس سے فسادِ عقیدۂ عوام کا خوف ہے

مسئلہ قبروں پر پھول چڑھانا جائز نہیں۔

# مسائل متعلقہ پوسٹ مارٹم

مسئلہ دفن کے بعد قبر کو کھودنا اور میت کو پوسٹ مارٹم کی غرض سے نکالنا جائز نہیں ہے۔ مسئلہ میت کی نعش کا احترام مثل زندہ کے احترام کے بلکہ بعض صورتوں میں اس سے بھی زیادہ لازم ہے۔

مسلمان میت اگر عورت ہو تو اس کے پردے اور ستر کے احکام زندگی کے احکام سے بھی زیادہ سخت ہو جاتے ہیں۔ یعنی اس کا شوہر بھی اس کے ننگے جسم کو ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ پوسٹ مارٹم کے لئے مسلمان عورت کے جسم کو غیر محرم ڈاکٹر کا دیکھنا قطعاً جائز نہیں۔ مسلمانوں کو کوشش کرکے اس قانون کو منسوخ کرانا چاہئے۔ اور جب تک منسوخ نہ ہو اور حکومت جبراً یہ کام کرے تو مسلمان معذور ہوں گے

طبی معائنہ (پوسٹ مارٹم) کی بہت سی صورتیں شرعی ضرورت کے بغیر واقع ہوتی ہیں۔ جو ناجائز ہیں۔ اور اگر کوئی خاص صورت شرعی ضرورت کے ماتحت جائز بھی ہو تاہم اس میں شرعی احکام متعلقہ ستر و احترام میت کا التزام ضروری ہوگا۔ اس میں شبہ نہیں کہ میت کے جسم کو پھاڑنا چیرنا اس کے احترام کے منافی ہے اور جب تک کوئی ایسی وجہ نہ ہو کہ اس کے سامنے اس بے حرمتی کو نظر انداز کیا جاسکے چیر پھاڑ مباح نہیں ہو سکتی۔

مسئلہ عورت کی برہنہ میت غیر محرم مرد کے ہاتھوں میں جانا تو درکنار اس کی نظر کے نیچے بھی نہیں جا سکتی۔

مسئلہ بیوی کی میت کو شوہر دیکھ سکتا ہے مگر ہاتھ بغیر حائل کے جسم کو لگانا اس کے لئے منع ہے۔ جنازے کو کندھا دینے میں کوئی ممانعت نہیں۔ یہ تو بالکل اجنبی لوگوں کے لئے بھی جائز ہے۔ شوہر کی میت کو بیوی دیکھ بھی سکتی ہے اور اس کے بدن کو چھو بھی سکتی ہے اور ضرورت پڑے تو غسل بھی دے سکتی ہے

مسئلہ غلافِ کعبہ پر حروف منقش ہوتے ہیں اس لئے اس کو قبر میں میت کے ساتھ رکھنا درست نہیں اور اگر حروف سے خالی بھی ہو جب بھی ایک محترم چیز کو قبر میں دفن کر کے میت کی بدنی رطوبات میں ملوث ہونے کی صورت بہم پہنچانا اس کے احترام کے خلاف ہے۔

مسئلہ قبریں جب منہدم ہو جائیں ان پر مٹی ڈال دینا جائز ہے مگر عاشوراء کے دن کو اس کام کے لئے خاص کر لینے کی کوئی دلیل نہیں۔

مسئلہ قبرستان میں مردے کو دفن کرنے کے بعد چالیس قدم آگے چل کر ٹھہرنا اور یا واپس فاتحہ پڑھنا یہ رسم بدعت ہے کیونکہ خیر القرون میں اس کا کوئی ثبوت نہیں اور اس کے تارک صحیح اسلامی تعلیم کے متبع ہیں۔ ان کو وہابی کہنا اور بدنام کرنا سخت گناہ ہے

مسئلہ اپنی زندگی میں قبر تیار کرا لینا مباح ہے۔ لیکن اس میں غلہ بھر کر خیرات کرنا بدعت ہے خیرات کرنے میں حرج نہیں۔ مگر قبر میں بھرے بغیر جتنا چاہو خیرات کر دو۔

مسئلہ صاحبِ خانہ کو لفظ "اذن عام" بعد نماز جنازہ کے کہنا کچھ ضروری یا سنت نہیں ہے اسی طرح نماز کے بعد لوگوں کے لئے بہتر اور سنت طریقہ یہ ہے کہ دفن تک ساتھ رہیں۔ لیکن اگر لوٹ آئیں تو سوائے ثواب کی کمی کے اور کوئی مواخذہ اور گناہ ان کے ذمہ نہیں ہے۔ اگر صاحب خانہ سے اجازت لے کر لوٹیں تو ان کی دلداری اور تسلی کے لئے طلب اجازت کا مضایقہ نہیں۔ لیکن دفن میں شریک نہ ہونے کے سبب سے ثواب میں جو کمی ہوئی ہے وہ پوری نہ ہوگی۔ اور استیذان کو ثواب کے پورا کر دینے میں کوئی دخل نہیں۔ ہاں اہل میت کے لئے تطییب قلب ضرور ہے۔ اس لئے بعض فقہاء نے کہا ہے کہ قبل از دفن لوٹنا چاہے تو اہل میت سے اجازت لے لے (عالمگیری بحوالہ محیط)

مسئلہ قمیص کو سی کر پہنانا بہتر ہے۔ کیونکہ قمیص کا اطلاق اس کفنی یا پیرہن پر نہیں ہوتا جو

صرف گلا پھاڑ کر میت کے نیچے اوپر ڈال دیا جاتا ہے۔ ہاں فقہاء نے یہ اجازت دی ہے کہ میت کی قمیص میں کلیاں نہ ڈالی جائیں تو مضائقہ نہیں۔

**مسئلہ** دفن کرنے کے بعد میت کا نکالنا درست نہیں ہے اور یہ حکم عام ہے اس سے کہ امانۃً دفن کیا جائے یا نہیں۔ اور امانۃً دفن کرنا شریعت سے ثابت نہیں (مکتبہ عزیز الرحمٰن ج ۲)

**مسئلہ** منہ دیکھنا میت کا درست ہے۔ لیکن بعد کفن میں ڈھکنے کے کھولنا چہرہ کا اچھا نہیں، امانۃً دفن کرنا شرعاً بے اصل ہے اس کی کوئی اصل شریعت میں نہیں ہے اور اس کی بھی کوئی اصل نہیں ہے کہ اگر امانۃً دفن کیا گیا تو میت تفسخ وغیرہ سے محفوظ رہتا ہے۔

تابوت بند شدہ کو کھولنا بھی جس میں میت ہے درست نہیں۔ (عزیز الرحمٰن)

**فائدہ** قبر کی پرستش متعاد ہے۔ نعش کی پرستش متعاد نہیں۔

اگر مُردہ شوئی بأجرت: ہو اور افعال خلافِ مروّت و خلافِ مکارمِ اخلاق امام سے سرزد نہ ہوتے ہوں تو اس کی امامت جائز ہے مکروہ نہیں ہے۔ اور اگر غسال اجرت لیتا ہو اور بداخلاقی کے اعمال اس سے صادر ہوتے ہوں تو اس کی امامت مکروہ ہوگی کیونکہ ایسے شخص لوگ نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں کفایۃ المفتی ج ۴ ص ۲۰

عالم کی میت کے سر پہ عمامہ باندھنے کی اگرچہ بعض متاخرین نے اجازت دی ہے لیکن بہتر اور سنّت کے موافق یہی ہے کہ عمامہ نہ باندھا جائے۔ خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عمامہ نہیں باندھا گیا۔ تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ عمامہ کا مستحق اور کون ہوسکتا ہے۔

نماز جنازہ کے وقت ولی یا امام کو میت کے اعمال کے متعلق شہادت لینا درست نہیں۔ لوگوں کو چاہئے کہ وہ میت کے محاسن یعنی نیکیوں اور خوبیوں کا ذکر کریں اور اس کی برائیوں کا تذکرہ نہ کریں۔

فقہاء کرام نے تصریح فرمادی ہے کہ میت کے کفن میں ازار کے لفظ سے بھی چادر مراد ہے اور ازار بھی تہبند کی طرح ناف سے نہ رکھی جائے بلکہ سر سے قدم تک ہو دیکھو طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح و جامع الرموز وکبیری و درمختار و شامی۔

**مسئلہ** جو مسلمان علانیہ شراب نوشی کرتے ہیں اور بغیر نکاح کے عورتیں ڈال رکھی

ہیں اور نماز روزہ سے بالکل علیحدہ ہیں۔ وہ صرف نام کے مسلمان ہیں۔ ان کی تجہیز و تکفین میں پابندِ شریعت مسلمان شریک نہ ہوں تو جائز ہے

جب آدمی مرتا ہے تو اس کے دونوں سیدھے پھیلا دینے چاہئیں۔ سینے پر رکھنا اور انگوٹھے باندھنا نہیں چاہئے۔

مُردہ کو قبر میں لٹانے کے بعد سرہانے اور پائنتی اور کمر تینوں جگہ کی گرہیں کھول دینا چاہئیں

کفن مبلول بہ ماءِ زمزم (زمزم کے پانی سے بھگویا ہوا کفن) میرے نزدیک جواز کی جہت راجح ہے اور اس کو استنجاء بہ ماءِ زمزم پر قیاس نہ کرنا چاہئے کیونکہ استنجاء میں عین زمزم کی تعرض للنجاست ہے اور ثوبِ مبلول بہ ماءِ زمزم بصورتہٖ موجود نہیں ہے خشک ہو چکا ہے صرف کپڑے کا اس کے ساتھ گزشتہ زمانہ میں تلبس ہوا ہے اور اس قسم کے تلبس کو عدمِ جوازِ تکفین میں دخل نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عبداللہ بن ابی کو قمیص مبارک پہنانا ہی ایک واقعہ نہیں ہے بلکہ صاحبزادی زینبؓ کو اپنا تہبند (حقو) عطا فرمانا اور اشعرنہا ایاہ کی ہدایت فرمانا اور ایک صحابی کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تہبند مانگ لینا اور صحابہ کرامؓ کی طرف سے اظہارِ ناراضگی پر اس کا یہ عذر ماسألته لالبسها ولکن لتکون کفنی (میں نے پہننے کے لئے نہیں مانگا بلکہ اس لئے مانگا کہ یہ میرا کفن ہو) اور راوی کا یہ بیان فکانت کفنہ (پھر وہ تہبند اس کا کفن بنا) بخاری میں موجود ہے اس لئے تکفین بہ ثوبِ مبلول بہ ماءِ زمزم تو تکفین بقمیص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وازارہ وحقوہ سے اہون ہے

(کفایۃ المفتی ص ۳۳ ج ۴)

مسئلہ مسلمان میت کو کافر قبر میں نہ اتارے۔ نہ اس کی قبر میں اترے کیونکہ کافر پر خدا کی لعنت اترتی ہے اور مسلمان خدا کی رحمت کا محتاج ہے خصوصاً دفن کے وقت۔

اور مسلمان فاسقوں سے بھی اگرچہ حرام نہیں تاہم ان کو بھی علاحدہ رکھنا بہتر ہے کیونکہ ارتکابِ کبائر کی وجہ سے ان پر بھی خدا تعالیٰ کا عتاب ہوتا ہے

مسئلہ جنازے کے ساتھ چھتری لگا کر چلنے میں کوئی شرعی ممانعت نہیں ہے ص ۴۲

مسئلہ عورت کا کفن کا خرچ شوہر کے ذمہ ہے یہ قول امام ابو یوسف کا ہے۔ اسی پر فتویٰ ہے بشرطیکہ کسی عذر کی وجہ سے شوہر کے ذمہ سے عورت کا نفقہ ساقط نہ ہوا ہو۔ کیونکہ جو

کفن: وجوبِ نفقہ کے ساتھ متعلق ہے ..... خواہ متوفاۃ کا مال ہو یا نہ ہو ص ۴۴۲

اس سے مراد صرف کفن، خوشبو، کافور وغیرہ کی قیمت، غسال اور قبر کھودنے کی اجرت اور پیاڈ کی اجرت ہے

جنازے کے ہمراہیوں کو اس کے ساتھ پیدل جانا افضل اور بہتر ہے۔ لیکن سواری پر جانا بھی جائز ہے مگر صرف خلافِ اولیٰ ہے اور واپس آتے وقت سواری پر آنا خلافِ اولیٰ نہیں ہے کیونکہ ایسے پر آنا خود رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

مسئلہ لکڑی کے تختے قبر میں لگانا مکروہ ہیں لیکن اگر کوئی ضرورت ہو مثلاً بانس یا کچی اینٹیں نہ ملیں، یا ملیں لیکن لگ نہ سکیں تو مکروہ نہیں۔ لوہے کی میخیں بھی اسی حکم میں ہیں

مسئلہ قبر کے گرد پتھر لگانے سے بشرطیکہ قبر پختہ نہ ہونے پائے صرف یہی مقصود ہو سکتا ہے کہ آثارِ قبر نہ مٹنے پائیں اس میں خوبصورت و بدصورت پتھر دونوں ایک ہی سا کام دیں گے۔ اور اگر یہ خیال ہو کہ لوگ دیکھ کر خوش ہوں اور ریا و سمعہ مقصود ہو تو اس صورت میں خوبصورت کیا بدصورت لگانا بھی حرام ہوگا۔ اور اگر پتھر لگایا جائے تو میت کے مال سے لگانا جائز نہیں۔ ورثہ خود اپنے مال سے لگا سکتے ہیں۔

مسئلہ پتھر پر تاریخ وغیرہ کندہ کرنا مکروہ ہے

مسئلہ ڈھیلوں پر سورۂ اخلاص پڑھ کر دم کر کے قبر میں رکھنا مکروہ ہے۔

مسئلہ زمین کمزور ہے تو اس میں تابوت یعنی لکڑی کے صندوق میں میت کو رکھ کر اتارنا جائز ہے یا پتھر کے چوکے کھڑے کر کے چوکھٹا بنا دیں۔ اینٹ کی چنائی سے احتراز کرنا چاہیے

مسئلہ قبر میں شجرہ رکھنا ناجائز ہے۔ اسی طرح اور لکھی ہوئی چیز مُردے کے کفن یا قبر میں رکھنا جائز نہیں۔ مسئلہ قبر میں عہد نامہ رکھ کر میت کو دفن کرنا مکروہ ہے اس سے عہد نامہ کی بے ادبی ہوتی ہے۔ مسئلہ دفن کے بعد قبر پر اذان کہنا بھی بے ثبوت ہے اسے بھی ترک کرنا چاہیے (دیوبا)۔

مسئلہ میت کی خبر سن کر دو رکعت نفل ادا کرنا بھی ثابت نہیں۔ اس کے لئے دعا کرنا ثابت ہے۔ بس یہی کرنا چاہیے۔

مسئلہ یہ رسم (چنے اور الائچی دانوں پر قل خوانی) قابلِ ترک ہے کیونکہ اس نے

ایک مستقل صورت اختیار کر لی ہے اور التزام مالا یلزم ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے۔
مسئلہ حافظ کو اجرت دے کر قبر پر قرآن مجید پڑھوانا ناجائز ہے۔

# جنازہ اور فرضی نمازوں میں فرق

۱۔ فرضی نمازوں کا وقت مقرر ہے ان الصلوٰۃ کانت علی المؤمنین کتابا موقوتا، نماز جنازہ کا وقت نہیں
۲۔ فرضی نمازوں کے لیے پہلے اذان کہنا پھر اقامت کہنا سنت مؤکدہ ہے۔ نماز جنازہ کے لیے نہ اذان نہ اقامت
۳۔ فرضی نمازوں میں سورۃ فاتحہ و ضم سورۃ ہر دو واجب ہیں، نماز جنازہ میں نہ فاتحہ پڑھتے ہیں نہ سورۃ
۴۔ فرض نمازوں میں رکوع سجود قعدہ فرض ہیں، نماز جنازہ میں نہ رکوع نہ سجود نہ قعدہ
۵۔ فرض نمازوں میں صرف تکبیر اولیٰ فرض ہے باقی تکبیریں سنت ہیں، صلوٰۃ جنازہ چاروں تکبیریں فرض ہیں
۶۔ فرض نمازوں کی جماعت واجب ہے یا سنت مؤکدہ۔ نماز جنازہ کی جماعت نہ واجب نہ سنت مؤکدہ
۷۔ فرض نمازوں کا پڑھنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض عین ہے۔ نماز جنازہ فرض کفایہ ہے
۸۔ فرض نماز باجماعت میں مرد کے برابر عورت شریک جماعت کھڑی ہو تو مرد کی نماز فاسد ہو، جنازہ میں فساد نہیں
۹۔ فرض نمازیں مسجد میں پڑھنے کی بڑی تاکید آئی ہے۔ نماز جنازہ مسجد میں پڑھنا مکروہ ہے۔
۱۰۔ فرض نماز کا امام عورت نہیں ہو سکتی۔ نماز جنازہ کی امامت عورت کر سکتی ہے (غنیہ)
۱۱۔ فرض نمازوں میں صف اول کو فضیلت ہے نماز جنازہ میں صف آخر کو فضیلت ہے (صلوٰۃ مسعودیہ)
۱۲۔ فرض نمازوں میں امام بننا سب سے پہلے اعلم بالقرآن والسنۃ ہے۔ نماز جنازہ میں سلطان ثم......
۱۳۔ فرض نماز کی جماعت میں اکیلا صف میں کھڑا ہونا مکروہ ہے، جنازہ میں کراہت نہیں (در و ابیب)

۱۴۔ فرض نماز میں امام بے وضو ہو جائے تو اسے تیمم کی اجازت نہیں، جنازہ میں تیمم کر کے نماز تمام کرے۔

۱۵۔ فرض نماز کی جماعت عورتوں کو مکروہ ہے۔ جنازہ کی نماز باجماعت اکیلی عورتوں کو مکروہ نہیں (بحر)

۱۶ فرض نمازوں میں سلام تحلیل واجب ہے، نماز جنازہ میں سلام تحلیل سنت ہے (دعا ... بوز)

۱۷۔ فرض نمازوں میں عاقل بالغ کا وضو قہقہے سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔ نماز جنازہ باطل نہیں ہوتی۔

۱۸۔ فرض نمازوں میں تشہد، تعوذ، بسملہ، آمین پڑھتے ہیں۔ نماز جنازہ میں ان میں سے کچھ نہیں پڑھتے۔

۱۹۔ فرض نماز میں امام سلام پہلا اونچا۔ دوسرا پست کہے۔ نماز جنازہ میں ہر دو سلام کا پست کہنا بہتر ہے۔

۲۰۔ فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر خفیۃً دعا مانگنا مستحب ہے۔ نماز جنازہ میں سلام کے بعد دعا مانگنا مکروہ ہے ان کے علاوہ اور بھی کئی فرق ہیں۔

# چند غیر معتبر کُتب کی مختصر فہرست

(۱) بہجۃ الاسرار (۲) فضل العلماء لشرف الدین بلخی (۳) رسائل اخوان الصفا (۴) قوت القلوب لشیخ ابی طالب (۵) قنیہ للزاہدی المعتزلی (۶) شرح نقایہ للقہستانی (۷) شرح کنز لملا مسکین (۸) درمختار شرح تنویر الابصار (۹) شرح کنز للعینی (۱۰) نہر الفائق (۱۱) مفتاح الجنان (۱۲) فتاوٰے واجد الدین نسفی (۱۳) اوراد راحۃ العابدین (۱۴) زاد اللبیب (۱۵) خزانۃ الروایات (۱۶) جامع الرموز (۱۷) شرعۃ الاسلام (۱۸) ابوالمکارم رجل مجہول وکلک کتابہ (۱۹) تفسیر مقاتل بن سلیمان (۲۰) تفسیر سدی (۲۱) تفسیر کلبی عن ابن ابی صالح عن ابن عباس رضی (۲۲) کتاب العجائب لمحمود بن حمزۃ الکرمانی (۲۳) حقائق التفسیر لعبد الرحمٰن السلمی (۲۴) تفسیر زمخشری (۲۵) تفسیر عبد الرحمٰن بن کیسان الاصم (۲۶) تفسیر جبائی (۲۷) تفسیر بغوی (۲۸) تفسیر واحدی حاطب اللیل (۲۹) تفسیر ثعلبی حاطب اللیل (۳۰) فصوص الحکم (۳۱) فتوحات مکیہ۔

ذیل کی کتب میں احادیث موضوعہ کی بھرمار ہے۔

(۱) احادیث تفسیر ابن جریر (۲) احادیث درمنثور سیوطی (۳) کتب المحاسبی (۴) احادیث تفسیر زمخشری (۵) احادیث صاحب نہایہ و سائر شراح ہدایہ (۶) احادیث غنیۃ الطالبین (۷) طبقات ابن سعد۔

****

علامہ عزیزی نے السراج المنیر صفحہ ۳۰۴ میں کہا: لیس فی دین الاسلام۔
یونہی بذل المجہود ص۱۹۵ و فتح الملہم ص۴ میں ہے اور مرقاۃ ص۲۱۵ میں ہے قال آحدث ای ابتدع فی الدین مالیس منہٗ۔
یعنی جس نے دین میں ایسی چیز نکالی جو دین میں نہیں (وہ مردود ہے)
شیخ محدث عبدالحق دہلوی نے اشعۃ اللمعات ص میں کہا: "رسیدہ است کہ بے احداث نمودہ و پیدا کردہ است در دین چیزے راکہ نبودہ است۔"
یعنے ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ اس شخص احداث کیا یعنے دین میں وہ چیز پیدا کی جو دین میں نہ تھی۔

# چند مفید اور ضروری مسائل

**مسئلہ** مستورات کو اجنبی مرد کی میت کو دیکھنا ناجائز ہے۔ اپنے محرم کو دیکھ سکتی ہیں
**مسئلہ** مٹی دے کر ہاتھ کو پونچھنے یا دھونے میں شرعی ممانعت نہیں ہے
**مسئلہ** میت کے دفن کرنے والوں کو اولیائے میت سے دعوت لینا جائز نہیں۔
**مسئلہ** نابالغوں کے مال میں سے خیرات کرنا ناجائز ہے اور اس کھانے کو کھانا بھی جائز نہیں
**مسئلہ** ایصال ثواب کا کھانا صدقہ ہے اور صدقہ فقراء کا حق ہے۔ اغنیاء کو صدقہ دینے سے صدقہ کا ثواب نہیں ہوتا

یہ کھانا جو (تیسرے یا چوتھے روز) اپنی طاقت کے موافق پکا کر مؤذن، امام اور غرباء کو کھلاتے ہیں اور ان کے ساتھ کچھ خویش و اقارب اور قوم کے آدمی بھی کھاتے ہیں اور اس میں کچھ مالدار بھی موجود ہوتے ہیں) اکثری طور پر رسم کے بموجب کیا جاتا ہے اور اگر اس سے مقصد میت کو ثواب پہنچانا ہوتا ہے تو اس کھانے کے مستحق نادار اور غریب لوگ ہیں۔ خویش اقرباء اور مالدار آدمی اس کے مستحق نہیں ہیں اس میں غیر مستحقین کو شریک ہونا مکروہ ہے
اہل میت کے گھر ضیافت کھانے کی جو رسم پڑ گئی ہے یہ یقیناً واجب الترک ہے صرف اہل میت کے وہ عزیز و اقارب جو دور دور سے آئے ہوں اور ان کی امروزہ واپسی نہ ہو سکے یا اہل

میت کی تسلی کے لئے ان کا قیام ضروری ہو، نہ میت کے گھر کھانا کھالیں تو خیر باقی تمام تعزیت کرنے والوں کو اپنے اپنے گھروں کو واپس جانا چاہئے نہ میت کے گھر قیام کریں نہ ضیافت کھائیں۔
میت کے قریبی رشتہ دار گھر والوں کے لائق کھانا بھیج دیں تو یہ جائز اور مستحب ہے اور یہ بھی صرف تین دن تک۔

مسئلہ قل یا ختم کا یہ مروجہ طریقہ غیر شرعی ہے اور اس کا قرون ثلاثہ میں وجود نہیں تھا
مسئلہ قبر کو بوسہ دینا اچھا نہیں کہ اس سے فساد عقیدہ عوام کا خوف ہے
مسئلہ قبروں پر پھول چڑھانا جائز نہیں۔

# مسائل متعلقہ پوسٹ مارٹم

مسئلہ دفن کے بعد قبر کو کھودنا اور میت کو پوسٹ مارٹم کی غرض سے نکالنا جائز نہیں ہے۔ مسئلہ میت کی نعش کا احترام مثل زندہ کے احترام کے بلکہ بعض صورتوں میں اس سے بھی زیادہ لازم ہے۔
مسلمان میت اگر عورت ہو تو اس کے پردے اور ستر کے احکام زندگی کے احکام سے بھی زیادہ سخت ہو جاتے ہیں۔ یعنی اس کا شوہر بھی اس کے ننگے جسم کو ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ پوسٹ مارٹم کے لئے مسلمان عورت کے جسم کو غیر محرم ڈاکٹر کا دیکھنا قطعاً جائز نہیں۔ مسلمانوں کو کوشش کر کے اس قانون کو منسوخ کرانا چاہئے۔ اور جب تک منسوخ نہ ہو اور حکومت جبراً یہ کام کرے تو مسلمان معذور ہوں گے

طبی معائنہ (پوسٹ مارٹم) کی بہت سی صورتیں شرعی ضرورت کے بغیر واقع ہوتی ہیں جو ناجائز ہیں۔ اور اگر کوئی خاص صورت شرعی ضرورت کے ماتحت جائز بھی ہو تاہم اس میں شرعی احکام متعلقہ ستر و احترام میت کا التزام ضروری ہوگا۔ اس میں شبہ نہیں کہ میت کے جسم کو پھاڑنا چیرنا اس کے احترام کے منافی ہے اور جب تک کوئی ایسی وجہ نہ ہو کہ اس کے سامنے اس بے حرمتی کو نظر انداز کیا جاسکے چیر پھاڑ مباح نہیں ہو سکتی۔
مسئلہ عورت کی برہنہ میت غیر محرم مرد کے ہاتھوں میں جانا تو در کنار اس کی نظر کے نیچے بھی نہیں جاسکتی۔

مسئلہ: بیوی کی میت کو شوہر دیکھ سکتا ہے مگر ہاتھ جسم کو لگانا اس کے لئے منع ہے۔ جنازے کو کندھا دینے میں کوئی ممانعت نہیں۔ یہ تو بالکل اجنبی لوگوں کے لئے بھی جائز ہے۔ شوہر کی میت کو بیوی دیکھ بھی سکتی ہے اور اس کے بدن کو چھو بھی سکتی ہے اور ضرورت پڑے تو غسل بھی دے سکتی ہے۔

مسئلہ: غلافِ کعبہ پر حروف منقش ہوتے ہیں اس لئے اس کو قبر میں میت کے ساتھ رکھنا درست نہیں اور اگر حروف سے خالی بھی ہو جب بھی ایک محترم چیز کو قبر میں دفن کر کے میت کی بدنی رطوبات میں ملوث ہونے کی صورت بہم پہنچانا اس کے احترام کے خلاف ہے۔

مسئلہ: قبریں جب منہدم ہو جائیں ان پر مٹی ڈال دینا جائز ہے مگر عاشوراء کے دن کو اس کام کے لئے خاص کر لینے کی کوئی دلیل نہیں۔

مسئلہ: قبرستان میں مردے کو دفن کرنے کے بعد چالیس قدم آگے چل کر ٹھیرنا اور باواز بلند فاتحہ پڑھنا یہ رسم بدعت ہے کیونکہ خیر القرون میں اس کا کوئی ثبوت نہیں اور اس کے تارک صحیح اسلامی تعلیم کے متبع ہیں۔ ان کو وہابی کہنا اور بدنام کرنا سخت گناہ ہے۔

مسئلہ: اپنی زندگی میں قبر تیار کرالینا مباح ہے۔ لیکن اس میں غلہ بھر کر خیرات کرنا بدعت ہے خیرات کرنے میں حرج نہیں۔ مگر قبر میں بھرے بغیر جتنا چاہو خیرات کر دو۔

مسئلہ: صاحبِ خانہ کو لفظ "اذن عام" بعد نمازِ جنازہ کے کہنا کچھ ضروری یا سنت نہیں ہے، اسی طرح نماز کے بعد لوگوں کے لئے بہتر اور سنت طریقہ یہ ہے کہ دفن تک ساتھ رہیں۔ لیکن اگر لوٹ آئیں تو سوائے ثواب کی کمی کے اور کوئی مواخذہ اور گناہ ان کے ذمہ نہیں ہے۔ اگر صاحبِ خانہ سے اجازت لے کر لوٹیں تو ان کی دلداری اور تسلی کے لئے طلبِ اجازت کا مضائقہ نہیں۔ لیکن دفن میں شریک نہ ہونے کے سبب سے ثواب میں جو کمی ہوئی ہے وہ پوری نہ ہوگی۔ اور استیذان کو ثواب کے پورا کر دینے میں کوئی دخل نہیں۔ ہاں اہلِ میت کے لئے تطییبِ قلب ضرور ہے۔ اس لئے بعض فقہاء نے کہا ہے کہ قبل از دفن لوٹنا چاہے تو اہلِ میت سے اجازت لے لے (عالمگیری بحوالہ محیط)

مسئلہ: قمیص کو سی کر پہنانا بہتر ہے۔ کیونکہ قمیص کا اطلاق اس کفنی یا پیرہن پر نہیں ہوتا جو

سوئیکلا پھاڑ کر میت کے نیچے اوپر ڈال دیا جاتا ہے۔ ہاں فقہاء نے یہ اجازت دی ہے کہ
میت کی قمیص میں کلیاں نہ ڈالی جائیں تو مضایقہ نہیں۔

مسئلہ دفن کرنے کے بعد میت کا نکالنا درست نہیں ہے اور یہ حکم عام ہے اس سے کہ امانۃً
دفن کیا جائے یا نہیں۔ اور امانۃً دفن کرنا شریعت سے ثابت نہیں (کتبہ عزیز الرحمٰن ۸۶ ج ۳ ص)

مسئلہ منہ دیکھنا میت کا درست ہے۔ لیکن اور کفن میں ڈھکنے کے کھولنا چہرہ کا اچھا نہیں ہے،
امانۃً دفن کرنا شرعاً بے اصل ہے اس کی کوئی اصل شریعت میں نہیں ہے اور اس کی بھی
کوئی اصل نہیں ہے کہ اگر امانۃً دفن کیا گیا تو میت تفسخ وغیرہ سے محفوظ رہتا ہے
تابوت بند شدہ کو کھولنا بھی جس میں میت ہے درست نہیں۔ (عزیز الرحمٰن)

فائدہ قبر کی پرستش متنازع ہے۔ نعش کی پرستش متعاد نہیں۔

اگر مُردہ شوئی بأجرت نہ ہو اور افعال خلافِ مروّت و خلافِ مکارمِ اخلاق امام سے
سرزد نہ ہوتے ہوں تو اس کی امامت جائز ہے مکروہ نہیں ہے۔ اور اگر غسّال اجرت لیتا ہو
اور بداخلاقی کے اعمال اس سے صادر ہوتے ہوں تو اس کی امامت مکروہ ہوگی کیونکہ ایسے شخص
لوگ نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں کفایۃ المفتی ج ۴ ص ۳۰

عالم کی میت کے سر پہ عمامہ باندھنے کی اگرچہ بعض متاخرین نے اجازت دی ہے لیکن بہتر
اور سُنّت کے موافق یہی ہے کہ عمامہ نہ باندھا جائے۔ خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عمامہ
نہیں باندھا گیا۔ تو حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ عمامہ کا مستحق اور کون ہو سکتا ہے۔

نمازِ جنازہ کے وقت ولی یا امام کو میت کے اعمال کے متعلق شہادت لینا درست نہیں۔
لوگوں کو چاہیئے کہ وہ میت کے محاسن یعنی نیکیوں اور خوبیوں کا ذکر کریں اور اس کی برائیوں
کا تذکرہ نہ کریں۔

فقہاء کرام نے تصریح فرما دی ہے کہ میت کے کفن میں ازار کے لفظ سے بھی چادر مراد ہے
اور ازار بھی تہبند کی طرح ناف سے نہ رکھی جائے بلکہ سر سے قدم تک ہو دیکھو طحطاوی حاشیہ
مراقی الفلاح و جامع الرموز و کبیری و در مختار و شامی۔

مسئلہ جو مسلمان علانیہ شراب نوشی کرتے ہیں اور بغیر نکاح کے عورتیں ڈال رکھی

ہیں اور نماز روزہ سے بالکل علیحدہ ہیں، وہ صرف نام کے مسلمان ہیں۔ ان کی تجہیز و تکفین میں پابند شریعت مسلمان شریک نہ ہوں تو جائز ہے

جب آدمی مرتا ہے تو اس کے دونوں ہاتھ سیدھے پھیلا دینے چاہئیں۔ سینے پر رکھنا اور انگوٹھے باندھنا نہیں چاہئے۔

مُردہ کو قبر میں لٹانے کے بعد سرہانے اور پائنتی اور کمر تینوں جگہ کی گرہیں کھول دینا جائز ہے

کفن مبلول بماء زمزم (زمزم کے پانی سے بھگویا ہوا کفن) میرے نزدیک جواز کی جہت راجح ہے اور اس کو استنجاء بماء زمزم پر قیاس نہ کرنا چاہئے کیونکہ استنجاء میں عین زمزم کی تعرض للنجاسۃ ہے اور ثوب مبلول بماء زمزم بصورت تر موجود نہیں ہے خشک ہو چکا ہے صرف کپڑے کا اس کے ساتھ گذشتہ زمانہ میں تلبس ہوا ہے اور اس قسم کے تلبس کو عدم جواز تکفین میں دخل نہیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عبداللہ بن ابی کو قمیص مبارک پہنانا ہی ایک واقعہ نہیں ہے بلکہ صاحبزادی زینبؓ کو اپنا تہبند (حقو) عطا فرمانا اور اشعرنھا ایاہ کی ہدایت فرمانا اور ایک صحابیؓ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تہبند مانگ لینا اور صحابہ کرامؓ کی طرف سے اظہار ناراضگی پر اس کا یہ عذر ما سالتہ لالبسہا ولکن لتکون کفنی (میں نے پہننے کے لئے نہیں مانگا بلکہ اس لئے مانگا کہ میرا کفن ہو) اور راوی کا یہ بیان فکانت کفنہ (پھر وہ تہبند اس کا کفن بنا) بخاری میں موجود ہے اس لئے تکفین بہ ثوب مبلول بماء زمزم تو تکفین بقمیص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وازارہ وحقوہ سے اہون ہے

(کفایۃ المفتی ص ۳۳ ج ۴)

مسئلہ مسلمان میت کو کافر قبر میں نہ اتارے۔ نہ اس کی قبر میں اترے کیونکہ کافر پر خدا کی لعنت اترتی ہے اور مسلمان خدا کی رحمت کا محتاج ہے خصوصاً دفن کے وقت۔

اور مسلمان فاسقوں سے اٹھوانا اگرچہ حرام نہیں تاہم ان کو بھی علاحدہ رکھنا بہتر ہے کیونکہ ارتکاب کبائر کی وجہ سے ان پر بھی خدا تعالیٰ کا عتاب ہوتا ہے

مسئلہ جنازے کے ساتھ چھتری لگا کر چلنے میں کوئی شرعی ممانعت نہیں ہے ص ۳۴

مسئلہ عورت کا کفن کا خرچ شوہر کے ذمہ ہے یہ قول امام ابو یوسف کا ہے۔ اسی پر فتویٰ ہے بشرطیکہ کسی عذر کی وجہ سے شوہر کے ذمہ سے عورت کا نفقہ ساقط نہ ہوا ہو۔ کیونکہ تجہیز

کفن وجوبِ نفقہ کے ساتھ متعلق ہے...... خواہ متوفاۃ کا مال ہو یا نہ ہو ص ۴۴
اس سے مراد صرف کفن، خوشبو، کافور وغیرہ کی قیمت، غسال اور قبر کھودنے کی اجرت اور رپاؤ کی لاگت ہے

جنازے کے ہمراہیوں کو اس کے ساتھ پیدل جانا افضل اور بہتر ہے۔ لیکن سواری پر جانا بھی جائز ہے مگر صرف خلاف اولیٰ ہے اور واپس آتے وقت سواری پر آنا خلافِ اولیٰ نہیں ہے کیونکہ یہی پر آنا خود رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

مسئلہ لکڑی کے تختے قبر میں لگانا مکروہ ہیں لیکن اگر کوئی ضرورت ہو مثلاً بانس یا کچی سلیٹیں یلیں یا لیں سیکن لگ نہ سکیں تو مکروہ نہیں۔ لوہے کی سنخیں بھی اسی حکم میں ہیں

مسئلہ قبر کے گرد پتھر لگانے سے بشرطیکہ قبر پختہ نہ ہونے پائے صرف یہی مقصود ہو سکتا ہے کہ آثارِ قبر نہ مٹنے پائیں اس میں خوبصورت و بدصورت پتھر دونوں ایک ہی سا کام دیں گے۔ اور اگر یہ خیال ہو کہ لوگ دیکھ کر خوش ہوں اور ریا و سمعہ مقصود ہو تو اس صورت میں خوبصورت کیا بدصورت لگانا بھی حرام ہوگا۔ اور اگر پتھر لگایا جائے تو میت کے مال سے لگانا جائز نہیں۔ ورثہ خود اپنے مال سے لگا سکتے ہیں۔

مسئلہ پتھر پر تاریخ وغیرہ کندہ کرنا مکروہ ہے

مسئلہ ڈھیلوں پر سورۂ اخلاص پڑھ کر دم کر کے قبر میں رکھنا مکروہ ہے۔

مسئلہ زمین کمزور ہے تو اس میں تابوت یعنی لکڑی کے صندوق میں میت کو رکھ کر اتارنا پڑے یا پتھر کے پڑے کے کھڑے کر کے ہو کھشا بنادیں۔ اینٹ کی چنائی سے احتراز کرنا چاہئے

مسئلہ قبر میں شجرہ رکھنا ناجائز ہے۔ اسی طرح اور لکھی ہوئی چیز مُردے کے کفن یا قبر میں رکھنا جائز نہیں مسئلہ قبر میں عہدنامہ رکھ کر میت کو دفن کرنا مکروہ ہے اس سے عہدنامہ کی بے ادبی ہوتی ہے۔ مسئلہ دفن کے بعد قبر پر اذان کہنا بھی بے ثبوت ہے اسے بھی ترک کرنا چاہئے دیوبا۔

مسئلہ میت کی خبر سن کر دو رکعت نفل ادا کرنا بھی ثابت نہیں۔ اس کے لئے دعا کرنا ثابت ہے۔ بس یہی کرنا چاہئے۔

مسئلہ یہ رسم (چنے اور الائچی دانوں پر قل خوانی) قابلِ ترک ہے کیونکہ اس نے

ایک مستقل صورت اختیار کر لی ہے اور التزام ما لا یلزم ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے۔
مسئلہ حافظ کو اجرت دے کر قبر پر قرآن مجید پڑھوانا ناجائز ہے۔

# جنازہ اور فرضی نمازوں میں فرق

۱— فرضی نمازوں کا وقت مقرر ہے۔ ان الصلوٰۃ کانت علی المؤمنین کتاباً موقوتاً، نماز جنازہ کا وقت نہیں

۲— فرضی نمازوں کے لیے پہلے اذان کہنا پھر اقامت کہنا سنت مؤکدہ ہے۔ نماز جنازہ کے لیے نہ اذان نہ اقامت

۳— فرضی نمازوں میں ہر رکعت میں فاتحہ و ضم سورۃ ہر دو واجب ہیں۔ نماز جنازہ میں نہ فاتحہ پڑھتے ہیں نہ سورت

۴— فرض نمازوں میں رکوع، سجود، قعدہ فرض ہیں۔ نماز جنازہ میں نہ رکوع نہ سجود نہ قعدہ

۵— فرض نمازوں میں صرف تکبیر اولیٰ فرض ہے باقی تکبیریں سنت ہیں۔ صلوٰۃ جنازہ کی چاروں تکبیریں فرض ہیں

۶— فرض نمازوں کی جماعت واجب ہے یا سنت مؤکدہ۔ نماز جنازہ کی جماعت نہ واجب نہ سنت مؤکدہ

۷— فرض نمازوں کا پڑھنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض عین ہے نماز جنازہ فرض کفایہ ہے

۸— فرض نماز با جماعت میں مرد کے برابر عورت شریک جماعت کھڑی ہو تو مرد کی نماز فاسد ہے جنازہ میں فساد نہیں

۹— فرض نمازیں مسجد میں پڑھنے کی بڑی تاکید آئی ہے۔ نماز جنازہ مسجد میں پڑھنا مکروہ ہے۔

۱۰— فرض نماز کا امام عورت نہیں ہو سکتی۔ نماز جنازہ کی امامت عورت کر سکتی ہے ([illegible])

۱۱— فرض نمازوں میں صف اول کو فضیلت ہے نماز جنازہ میں صف آخر کو فضیلت ہے ([illegible])

۱۲— فرض نمازوں میں امام بننا سب سے پہلے اعلم بالقرآن والسنۃ ہے۔ نماز جنازہ میں سلطان ثم [illegible]

۱۳— فرض نماز کی جماعت میں اکیلا صف میں کھڑا ہونا مکروہ ہے جنازہ میں کراہت نہیں [illegible]

۱۴— فرض نماز میں امام بے وضو ہو جائے تو اسے تیمم کی اجازت نہیں جنازہ میں تیمم کر کے نماز تمام کرے۔

۱۵— فرض نماز کی جماعت عورتوں کو مکروہ ہے۔ جنازہ کی نماز با جماعت اکیلی عورتوں کو مکروہ نہیں (در مختار)

۱۶— فرض نمازوں میں سلام تحلیل واجب ہے نماز جنازہ میں سلام تحلیل سنت ہے (درمختار) وغیرہ۔

۱۷- فرض نمازوں میں عاقل بالغ کا وضو قہقہہ سے ٹوٹ کر نماز باطل ہو جاتی ہے۔ نماز جنازہ باطل نہیں ہوتی۔

۱۸- فرض نمازوں میں تشہد، تعوذ، بسملہ، آمین پڑھتے ہیں نماز جنازہ میں ان میں سے کچھ نہیں پڑھتے۔

۱۹- فرض نماز میں امام سلام پہلا اونچا، دوسرا پست کہے۔ نماز جنازہ میں ہر دو سلام کا پست کہنا بہتر ہے۔

۲۰- فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر خفیۃً دعا مانگنا مستحب ہے۔ نماز جنازہ میں سلام کے بعد دعا مانگنا مکروہ ہے ان کے علاوہ اور بھی کئی فروق ہیں۔

# چند غیر معتبر کتب کی مختصر فہرست

۱- بہجۃ الاسرار (۲) فضل العلماء لشرف الدین محی (۳) رسائل اخوان الصفا (۴) قوت القلوب لشیخ ابی طالب (۵) قنیہ لزاہدی المعتزلی (۶) شرح نقایہ للقہستانی (۷) شرح کنز لملا مسکین (۸) درمختار شرح تنویر الابصار (۹) شرح کنز للعینی (۱۰) نہر الفائق (۱۱) مفتاح الجنان (۱۲) فتاوٰے واجد الدین النسفی (۱۳) اوراد راحۃ العابدین (۱۴) زاد اللبیب۔

(۱۵) خزانۃ الروایات (۱۶) جامع الرموز (۱۷) شرعۃ الاسلام (۱۸) ابو المکارم رجل مجہول ولک کتابہ (۱۹) تفسیر مقاتل بن سلیمان (۲۰) تفسیر سدی (۲۱) تفسیر کلبی عن ابن ابی صالح عن ابن عباس رضی (۲۲) کتاب العجائب لمحمود بن حمزۃ الکرمانی (۲۳) حقائق التفسیر لعبد الرحمٰن السلمی (۲۴) تفسیر زمخشری (۲۵) تفسیر عبد الرحمٰن بن کیسان الاصم (۲۶) تفسیر جبائی (۲۷) تفسیر البغوی (۲۸) تفسیر واحدی حاطب اللیل (۲۹) تفسیر ثعلبی حاطب اللیل (۳۰) فصوص الحکم (۳۱) فتوحات مکیہ۔

ذیل کی کتب میں احادیث موضوعہ کی بھرمار ہے۔

احادیث تفسیر ابن جریر (۲) احادیث درمنثور سیوطی (۳) کتب المحاسبی (۴) احادیث تفسیر زمخشری (۵) احادیث صاحب نہایہ و سائر شراح ہدایہ (۶) احادیث غنیۃ الطالبین (۷) طبقات ابن سعد۔

❋❋❋❋

## احسن التفسیر

## تفسیر تبیین القرآن

کامل چار حصے

## مکتبہ اشاعۃ العلوم

۱۷۹۰، کلاں محل، دریا گنج نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲ (انڈیا)